سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو (ہند) — ۱۴۰

جائزۂ زبان اُردو

حصّۂ اوّل

ریاستہائے راجپوتانہ

مرتّبہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

قیمت مجلد عمار — سنہ ۱۹۴۰ع — بلا جلد عمر

مُقدّمہ

سنہ ۱۹۳۵ء میں میں نے جائزۂ زبان اُردو کی ایک تجویز انجمن ترقی اُردو (ہند) کی ایک مجلس منعقدۂ علی گڑھ میں پیش کی تھی۔ اس مجلس کے صدر سر سید راس مسعود مرحوم تھے اور اس میں سر شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، سیّد محفوظ علی صاحب، سیّد ہاشمی صاحب بھی شریک تھے۔ دیر تک اس کے متعلق گفتگو رہی۔ تجویز کو سب نے پسند کیا، لیکن اس کے عمل کے متعلق بہت کچھ شُبہہ ظاہر کیا گیا۔ شُبہہ کی وجہ مصارف تھی۔ اور یہ شُبہہ ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ ہندُستان اتنا بڑا مُلک ہو کہ اس کی وسعت ہر کام کو دُشوار بنا دیتی ہو۔ میں نے استفسارات کی فہرست پیش کی جس پر بحث ہوتی رہی اور جزوی ترمیم و اصلاح کے بعد مجلس نے منظور کر لیے۔

میں نے اپنے طور پر اس کام کو شروع کر دیا۔ یو۔پی کے جائزہ کا کام آل انڈیا مُسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے ذمّہ لیا۔ اس میں مسٹر میکنزی انجہانی نے جو اس وقت صوبے کے ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن تھے، اعداد و شمار کے مُہیا کرنے میں مدد دی اور صوبے کی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے کچھ عرصے کے بعد رپورٹ مرتّب کر کے بھیج دی۔

صوبۂ پنجاب کے کام کے لیے میں نے (ڈاکٹر) عبداللہ چغتائی صاحب کی خدمات حاصل کیں اور اُنھوں نے بہت سرگرمی سے اس کام کو انجام دیا۔ اس رپورٹ کے ساتھ پنجاب میں اُردو کے متعلق پروفیسر شیرانی صاحب نے اپنی عنایت سے ایک نہایت محققانہ مضمون لکھ کر دیا۔

صوبہ بنگال کی رپورٹ ایک کمیٹی نے جس کے صدر خان بہادر خلیفہ محمد اسد اللہ صاحب، امپیریل لائبریری کلکتہ تھے، مرتب کی۔

صوبہ مدراس کی رپورٹ افضل العلما ڈاکٹر عبدالحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس مرتب کر رہے ہیں۔

صوبہ بمبئی کے متعلق بھی کچھ اعداد و شمار عبداللہ چغتائی صاحب نے فراہم کیے لیکن رپورٹ اب تک نامکمل ہے۔

برہما کے متعلق اعداد و شمار احسان الحق صاحب انسپکٹر مدارس اسلامیہ اپر برہما نے فراہم کر کے دیے۔

برار کے متعلق ایک کمیٹی نے جس کے صدر خان بہادر مولوی عبدالقادر اور معتمد خواجہ عبداللطیف تھے، اعداد و شمار اور حالات مرتب کر کے بھیجے۔

بعض دوسرے صوبوں کی رپورٹیں بھی زیرِ ترتیب ہیں۔ ریاست جوناگڑھ کے اعداد و شمار قاضی احمد میاں اختر صاحب نے، میسور کے نواب غلام احمد صاحب کلامی نے، گجرات کے متعلق رضی میاں فاروقی صاحب اُردو سپروائزر میونسپل اسکول بورڈ احمد آباد نے، ریاست ٹونک کے متعلق ملک محمد دین صاحب دربار سکرٹری ہز ہائی نس ٹونک نے مرتب کر کے بھیجے۔ میں ان سب صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

وسطِ ہند (سنٹرل انڈیا) اور راجپوتانہ کی ریاستوں کے حالات تحقیق کرنے کے لیے میں نے سید ظہور ہاشمی صاحب کو مقرر کیا۔ انھوں نے ان تمام علاقوں میں دورہ کر کے بڑی محنت سے اعداد و شمار اور ضروری واقعات جمع کیے۔

پہلے یہ خیال تھا کہ جب سب صوبوں اور علاقوں کی رپورٹیں آجائیں تو ان سب کو یکجا مرتب کر کے شائع کیا جائے۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ صورت

بہت دشوار ہو۔ بعض مقامات سے رپورٹیں آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ پہلے کی آئی ہوئی رپورٹوں میں بہت کچھ تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور بعض علاقے ایسے ہیں کہ وہاں اب تک باقاعدہ کام نہیں ہوا۔ اس لیے یہ مناسب معلوم ہوا کہ جو رپورٹیں وصول ہو چکی ہیں، انھیں الگ الگ شایع کر دیا جائے۔

سب سے اول ہم راجپوتانہ کی ریاستوں کی رپورٹیں شایع کرتے ہیں۔ یہ غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بہت سے ایسے حالات و واقعات کا انکشاف ہوگا جن کا ہمیں اب تک علم نہ تھا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ کس کس طرح سے اُردو کو پسپا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ یہ حالات بہت عبرتناک ہیں۔ ہمیں ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اُردو کی بقا و ترقی کے لیے اپنی کوششوں میں زیادہ مستعدی اور سرگرمی سے کام لینا چاہیے۔

اس کے بعد ہم وسط ہند (سنٹرل انڈیا) کی ریاستوں کی رپورٹیں شایع کریں گے۔ اور اس طرح بعد نظرِ ثانی سلسلہ وار دوسری رپورٹوں کے شایع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ذیل میں ہم ان استفسارات کی نقل درج کرتے ہیں جو جائزہ زبانِ اُردو کے لیے مرتّب کیے گئے تھے:۔

استفسارات دربارہ جائزۂ زبان اُردو

آپ کے صوبے یا علاقے میں

۱۔ ایسے اشخاص کی تعداد جو

(الف) اُردو بولتے ہیں، یعنی جن کی مادری زبان اُردو ہے۔

(ب) اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بول سکتے ہیں۔
(ج) اُردو لکھتے پڑھتے ہیں یا لکھ پڑھ سکتے ہیں۔
(د) اُردو سمجھ سکتے ہیں۔

۲۔ (الف) سرکاری اور امدادی مدارس کی تعداد جن میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔
(ب) یہ تعلیم کس درجے تک ہوتی ہے۔
(ج) اس کے درسی نصاب کی کیا حالت ہے۔
(د) طلبہ کی تعداد۔

۳۔ غیر سرکاری مکاتب نیز قدیم طرز کے عربی فارسی کے مدارس کی تعداد جن میں اُردو پڑھائی جاتی ہے یا اُردو ذریعۂ تعلیم ہے، نیز تعداد طلبہ۔

۴۔ سرکاری اور نجی اُردو کتاب خانوں کی تعداد۔ نیز ایسے کتب خانوں کی تعداد جن میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں۔

۵۔ ایسی انجمنوں اور اداروں کی تعداد جو اُردو کی خدمت کرتے ہیں (ان میں اُردو کی مختلف قسم کی بزمیں، دار المطالعے، مشاعرے وغیرہ سب شامل ہیں)۔

۶۔ اُردو مطابع اور جرائد کی تعداد اور حالت۔

۷۔ سرکاری محکموں اور عدالتوں میں اُردو زبان کے استعمال کی کیا حالت ہے؟

۸۔ جب سے انگریزی عملداری قائم ہوئی ہے، سررشتۂ تعلیم نے اُردو سیکھنے سکھانے کے متعلق کون کون سے احکام نافذ کیے ہیں۔ ان احکام کی نقل یا خلاصہ مع حوالۂ تاریخ و سنہ و نمبر۔

۹ - آپ کی رائے میں کون سی ایسی تدابیر ہو سکتی ہیں جن سے آپ کے علاقے میں اُردو کی اشاعت و ترقی میں مدد مل سکتی ہے۔

مذکورۂ بالا استفسارات کے جواب اُردو زبان کے جائزے کے لیے لازم ہیں۔ امید ہے کہ جہاں تک ممکن ہوگا احتیاط کے ساتھ ان معلومات کے فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن بعض علاقوں میں مقامی لحاظ سے اُردو زبان کے متعلق ایسے امور کا پایا جانا ممکن ہے جو ان استفسارات کے تحت میں نہیں آتے، لہذا ایسے تمام امور خاص طور پر درج فرما دیے جائیں تاکہ رپورٹ کی ترتیب کے وقت وہ پیش نظر رہیں۔

اس کے علاوہ ہر علاقے میں اُردو زبان و ادب کی جو عام حالت ہے اس کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً:-

(۱) وہاں کی اُردو زبان ترقی پر ہے یا انحطاط پر، انحطاط ہے تو کیوں؟

(۲) لوگوں کو اُردو سیکھنے اور پڑھنے کا شوق ہے یا نہیں اور وہ اُردو زبان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

(۳) وہاں کی اُردو زبان میں اگر کچھ مقامی خصوصیات پائی جاتی ہوں تو اُنھیں قلم بند کر دیا جائے۔

(۴) اُردو زبان کا وہاں کی مقامی اور قرب و جوار کی بولیوں پر اور اُن بولیوں کا اُردو پر کیا اثر ہوا ہے۔

(۵) وہاں اُردو میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ کب سے ہے اور کون کون سے ایسے نامی اور ممتاز مصنف یا شاعر گزرے ہیں جن کی وجہ سے اُردو زبان کو فروغ ہوا یا وہاں کے لوگوں میں شوق پیدا ہوا۔

(۶) وہاں کی سب سے قدیم اُردو تصنیف یا نظم وغیرہ۔
(۷) ان لوگوں کے نام بھی لکھے جائیں جنھوں نے اُردو زبان کی ترقی و اشاعت میں خاص طور پر کوشش کی۔

ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی صاحب ایسے ضرور ہوں گے جنھوں نے ان مسائل پر غور یا تحقیق کی ہوگی۔ اگر ان سے درخواست کی جائے گی تو امید ہے کہ وہ ضروری معلومات بہم پہنچا دیں گے۔
ان تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ رپورٹ میں ہر علاقے کے متعلق حتی الامکان مکمل اطلاعات مہیا کردی جائیں۔

عبدالحق

جے پور رزیڈنسی

۱- جے پور

۲- کشن گڑھ

۱- جے پور

عام حالات

غالباً راجپوتانہ کی ریاستوں میں جے پور ہی وہ ریاست ہے جس کے ذریعے راجپوتانہ کے دوسرے علاقوں میں فارسی زبان کو فروغ حاصل ہُوا اور اس طرح اُردو زبان کو اپنی صحیح جگہ حاصل کرنے میں مدد ملی۔ اس موقع پر ہمیں اس ریاست کی پوری "تاریخ" دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے، "تاہم اس کی ضرورت یقیناً ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس ریاست کا حکمراں خاندان جے پور میں کب سے برسر اقتدار ہے اور آخر وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ ریاست نہ صرف راجپوتانہ بلکہ تمام ہندستان میں قدیم سے مشہور چلی آتی ہے۔

موجودہ خاندان شاہی کے اسلاف پہلے "نرور" میں حکمراں تھے جو ریاست گوالیار کا ایک صوبہ ہے۔ "نرور" سے یہ خاندان "دوسہ" میں منتقل ہوا جو جے پور ہی کا ایک ضلع ہے۔ "دوسہ" کے بعد "آمیر" کو دارالحکومت بنایا گیا۔ اکبر اعظم کے زمانے میں "انبیر" ہی دارالحکومت تھا۔ انبیر سے تین کوس کے فاصلے پر جے پور کو مہاراجہ جے سنگھ نے آباد کر کے اپنا مستقر قرار دیا۔ جب سے اب تک جے پور ہی مستقر حکومت ہے۔

خاندان شاہی میں سے پہلے مہاراجہ "بھارامل" والئی آمیر نے اکبر اعظم کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اکبر کو اپنی بیٹی بیاہ دی اور شہنشاہ اکبر کے خسر ہونے کے باعث بہت زیادہ اقتدار حاصل کر لیا۔ بھارامل کے بیٹے بھگوان داس نے اور بھی ترقی کی اور مان سنگھ کے زمانے میں تو اعتبار و اقتدار کی انتہا نہ رہی، ہندستان کے بڑے بڑے صوبوں میں مان سنگھ نے

صوبہ داری کے فرائض انجام دیے۔ کابل اور غزنی پر بادشاہ کی جانب سے فوج کشی کے لیے بھیجا گیا۔ مہاراجہ مان سنگھ ایک بہادر فوجی ہی نہیں بلکہ سیاست و مدنیت کے باخبر عالم اور علم وفن کے قدردان بھی تھے اور یہی وہ وقت ہو جب سے خاندان شاہی کے افراد اور دیگر متعلقین نے فارسی زبان سیکھنی شروع کی۔

اکبر کے بعد اس خاندان کے رسوخ اور ترقی کا یہ عالم تھا کہ جہانگیر نے مہاراجہ مان سنگھ کے بیٹے کو "مرزا راجہ" کا خطاب دیا۔ ان لوگوں کو فارسی زبان سے اس قدر شغف تھا کہ ان میں بعض افراد فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ چناں چہ خود جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہو کہ میرے والد (اکبر اعظم) نے "منوہر" کو جو قوم کچواہہ میں سے ہو، فارسی زبان سکھائی تھی اور اس کا فارسی شعر بھی نقل کیا ہو ؎

غرض ز خلقت سایہ ہمیں بود کہ کسے
بنور حضرت خورشید پائے خود نہ نہد

اسی عہد کے لگ بھگ سرکاری خط وکتابت کے لیے فارسی زبان اور رسم الخط استعمال ہونے لگا اور جے پور کی مقامی بولیوں میں فارسی الفاظ اور اصطلاحات داخل ہونی شروع ہوئیں؛ لہٰذا یہی وہ زمانہ ہو جبکہ جے پور کے لیے ایک نئی زبان تشکیل ہو رہی تھی اور اس زبان کو ہم اُردو کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اب ہم نمبروار ان اسباب کا ذکر کریں گے جن سے جے پور کی اُردو کو شستگی و صفائی اور اہمیت حاصل ہوئی اور آج وہ اُردو کہی جانے کی مستحق ہو۔ یوں کہنے کو جے پور کی زبان اب بھی ڈھونڈھاری یا جے پوری کہی جاتی ہو ورنہ اب اس بولی کا پتا بھی نہیں ہو اور تھوڑے سے صوتی تغیر اور لہجے کے فرق کے ساتھ جے پور کی نصف سے زاید آبادی

اُردو زبان بولتی ہو۔

اُردو کی تشکیل کے اسباب

انبیر (جے پور) کے راجاؤں کا تعلق خاندان مغلیہ سے راجہ بھارا مل سے شروع ہوتا ہی اور یہ تعلق آخر تک قایم رہا۔ یہ تعلق معمولی نہ تھا، بلکہ ایسا گہرا اور عزیزانہ تھا جس کی بنیاد خلوص ومحبت اور وفاداری پر تھی۔ بھارا مل کے بعد اس کا بیٹا بھگوان داس امیر الامرائی کے درجے تک پہنچا۔ راجہ بھگوان داس کا بیٹا مان سنگھ تھا جسے اکبر محبت سے مرزا راجا کہا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ خطاب اس خاندان کے واسطے مخصوص ہوگیا۔ اکبر کے بعد جہانگیر نے بھاؤ سنگھ کو اور شاہجہاں نے جے سنگھ کو اس خطاب سے موصوف کیا۔ عالمگیر کے عہد میں جے سنگھ کو زیادہ عروج ہوا۔ اس نے اس نام کو خطاب کے رتبے پر پہنچا کر بجے سنگھ کو جے سنگھ کے خطاب سے سرفراز کیا۔

راجہ مان سنگھ اپنی شجاعت، سخاوت اور وفاداری اور جان نثاری میں بے مثل تھا اور یہ صفات اس خاندان کے تمام ارکان کا تمغہ تھیں۔ مرزا راجہ جے سنگھ علاوہ دیگر صفات کے علم وفضل سے بھی متصف تھا۔ علاوہ سنسکرت کے ترکی، فارسی، عربی زبانیں بھی جانتا تھا اور اہلِ کمال کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس کا پڑپوتا جے سنگھ سوائی بھی علمی قدردانی میں بہت مشہور ہی۔ زیچ محمد شاہی جو "جنتر منتر" کے نام سے موصوف ہی، اسی کی بنائی ہوئی ہی، جس کی نسبت شاعر قاآنی کہتا ہی ؎

تقویم مہ اولی آویختہ مویت چوں خطِ جداول برصد خانۂ جے سنگ

شہر جے پور بھی اسی راجہ نے بسایا۔

(۲) ان راجاؤں کے تعلقات مغلیہ خاندان کے بادشاہوں سے ایسے مخلصانہ تھے کہ ان کا اثر معاشرت و تہذیب پر پڑا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہیں سے ہندُستانی تہذیب کی بنیاد پڑی جو ہندو مسلم دونوں کی مشترک ہی۔ زبان تہذیب کا بہت بڑا جزو ہی۔ چناں چہ فارسی زبان نے انبیر (جے پور) کی ریاست میں گھر کرنا شروع کیا اور آپس کے میل جول اور مختلف محاذوں پر جے پوری مغلیہ فوجوں کی ہمراہی سے سینکڑوں ہزاروں فارسی کے لفظ "ڈھونڈھاری" میں بلا تکلف داخل ہو گئے اور اس طرح نئی زبان نے نشو و نما پانی شروع کی جسے ہم اُردو یا ہندُستانی کہتے ہیں +

(۳) بہاری لال کوی ہندی کے نورتنوں میں سے شمار ہوتا ہی یہ مہاراجہ جے سنگھ کا درباری شاعر تھا۔ بہاری اپنی نظموں میں الفاظ کو بہت نزاکت اور لطافت سے استعمال کرتا ہی۔ راجپوتانہ کے لوگوں کا بہت محبوب اور مقبول شاعر تھا۔ لوگ اس کی نظموں کو اب تک بڑے مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ اس میں "بہاری ست سئی" بہت مشہور ہی۔ اس نظم میں اِس نے بہت کافی الفاظ فارسی کے استعمال کیے ہیں۔

(۴) مہاراجہ کے اس ذوق اور شوق کو دیکھ کر رعایا میں سے سینکڑوں افراد نے فارسی سیکھنی شروع کر دی۔ آج کل کی طرح اُس زمانے میں باقاعدہ شعبے اور محکمے نہ تھے، بلکہ سرکاری کاروبار کے لیے ایک عملہ ہوتا تھا، اِس عملے کا بیشتر کام فارسی میں ہوتا تھا خصوصاً دربار مغلیہ سے خط و کتابت اسی زبان میں ہوتی تھی، لہذا یہ سب لوگ اِسی عملے میں کام کرنے کے لیے فارسی حاصل کرتے تھے۔ اور تشویق و تحریص کا ایک ذریعہ یہ نوکری بھی ہوئی۔

(۵) ۱۹۳۳ء بکرمی میں مہاراجہ رام سنگھ نے جے پور کی پیمایش کرائی اور ٹھیکہ داری کے ذریعے تحصیل مالگذاری کو منسوخ کر کے ریاست کو نظامتوں تحصیلوں اور تعلقوں میں تقسیم کیا اور دفتری زبان اُردو قرار پائی - اس زمانے کے حالات اور مشاہدے نے یہ بتایا ہوگا کہ رعایا میں عام طور پر جو زبان سمجھی جاتی ہے اور اظہار خیال کی پوری صلاحیت رکھتی ہے وہ اُردو زبان ہے۔ اس لیے اُردو کو سرکاری اغراض کے لیے انتخاب کیا گیا ورنہ اُس وقت کسی دوسری زبان کے رائج کرنے کے لیے راجہ کے واسطے کوئی امر مانع نہ تھا اور وہ بہت آسانی سے اُردو کی بجائے ہندی کو رواج دے سکتے تھے۔

(۶) ۱۸۴۴ء میں فارسی اور اُردو کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ کھولا گیا اور بعد میں یہی مدرسہ کالج کے درجے تک پہنچ گیا۔

(۷) زوالِ سلطنت مغلیہ کے بعد ہزاروں خاندان یو۔پی اور اُردو کے علاقوں سے آکر جے پور میں بس گئے تھے اور غدر کے بعد شرفا اور عوام، شعرا اور صاحبان علم و فن نے آکر یہاں بھی پناہ لی تھی، اِن میں سے چند شعرا کے نام یہ ہیں ظہیرؔ، انورؔ (شاگردان اُستاد ذوقؔ) مرزا آگاہؔ، خواجہ راقمؔ شاگرد و نبیرۂ غالبؔ ہنگفتہؔ تلمیذ رشکؔ لکھنوی، مرزا مائلؔ شاگرد انورؔ، وغیرہ وغیرہ۔ اِن بزرگوں کے قیام سے شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہتی تھیں اور مشاعروں کے ذریعے اُردو زبان کی ہر دلعزیزی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ علمی و ادبی مشاغل کا اس قدر زور تھا کہ لوگ جے پور کو دوسرا دِلّی کہا کرتے تھے۔

(۸) اورینٹل کالج کھولا گیا جس میں منشی فاضل اور مولوی فاضل تک تعلیم کا انتظام تھا، چناں چہ منشی عالم کا پہلا امتحان ۱۸۷۹ء اور منشی فاضل

کا ۱۸۸۴ء میں ہوا۔

(۹) ہزاروں کی تعداد میں یہاں کے لوگ برطانوی علاقوں میں جاکر رہتے بستے ہیں اور رشتے اور تعلقات کی بنا پر جودھپور بھی آنا جانا رہتا ہے اور اسی طرح یوپی وغیرہ کے کثیر باشندے یہاں آکر بس گئے ہیں۔ جیسے جیسے آمد و رفت کے ذرائع بڑھتے جاتے ہیں اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اسی قدر اس تعداد میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ مردم شماری کی رپورٹیں اس کی شاہد ہیں۔

(۱۰) دیسی زبانوں کے مدارس میں ہندی اور اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے، ہندی کی تعلیم اس طرح دی جاتی رہی ہے کہ صرف رسم الخط تو ہندی ہوتا تھا مگر زبان اُردو ہوتی تھی۔

اِن تمام اسباب اور اسی قسم کے دیگر اثرات نے جودھپور کو بھی اُردو زبان کا مرکز بنا دیا اور آج بھی یہاں کے باشندے اپنی زبان کو دِلّی اور لکھنؤ کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور انھیں اس پر ناز ہے۔ نظامتوں، تحصیلوں اور تعلقوں کی وجہ سے اُردو دیہات میں بولی اور سمجھی جانے لگی اور ورناکیولر مدارس نے اس کی تائید کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُردو کے بے شمار الفاظ جودھپوری یا ڈھونڈھاری بولی میں گھل مل کر ایسے ہوگئے کہ اب اُن کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ الغرض مندرجہ بالا واقعات ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ ریاست جودھپور میں اُردو یا ہندُستانی ہی ایک ایسی زبان ہے جو کثرت سے بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اس میں شک و شُبہہ کی گنجایش نہیں۔ جب ہم اس دعوے کے ثبوت میں کچھ تصدیقیں تلاش کرتے ہیں تو ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپورٹوں میں ہمیں کچھ نہیں ملتا البتہ ۱۹۱۱ء

کی رپورٹ میں بعض مفید مطلب اجزا مل جاتے ہیں۔ چناں چہ اس رپورٹ کی تمہید میں ایک جگہ لکھا ہو:-

"یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہو کہ آس پاس کے لوگوں اور مقامی باشندوں کے میل جول سے کم وبیش مقامی بولیوں کی خصوصیات فنا ہوتی جا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی اور اُردو سرکاری زبانیں ہیں، اس لیے لوگ ہندی اور اُردو کے الفاظ بولنا فخر سمجھتے ہیں نہ صرف عام طور پر بلکہ اُن کے گھروں میں بھی یہی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ گویا اس طرح مقامی بولیوں کی ایسی صفات جن سے وہ پہچانی جا سکیں، بتدریج ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

جونپور کے لوگ، خواہ شہر میں رہتے ہوں یا مفصلات میں، زیادہ تر غیر زبان کے الفاظ بولتے ہیں جو یا تو ہندی زبان کے ہوتے ہیں یا اُردو زبان کے اور ایسے الفاظ کا استعمال دن بدن ترقی پر ہو۔"

اس اقتباس سے پتا چلتا ہو کہ تھوڑے عرصہ میں جونپور کی مقامی بولیوں کے بولنے والے بہت کم رہ جائیں گے اور زیادہ تر لوگوں کے لیے تبادلۂ خیالات کا ذریعہ اُردو ہندُستانی رہ جائے گی۔ اسی رپورٹ میں آگے چل کر اس کو اور بھی صاف کر دیا ہو کہ:-

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جوں جوں وقت گزرے گا اور لوگوں میں تعلیم پھیلتی جائے گی، اسی قدر لوگ اپنے مخصوص لہجے اور طرز گفتگو کو چھوڑتے جائیں گے۔ پھر قدرتی طور پر لوگوں میں یہ مذاق پیدا ہوگا کہ ہندی اور اُردو زبانوں کے پسندیدہ اور

خوبصورت الفاظ استعمال کریں۔جس وقت ہم دیہات میں پہنچتے ہیں تو ہمیں ابھی تک ایسے لوگ ملتے ہیں جو اپنی بولیاں بولتے ہیں اور یہ امر قدرتی ہے، تاہم ان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کو عدالتوں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے یا افسروں اور اہلکاروں سے ملتے جُلتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے انھوں نے بھی اُردو اور ہندی الفاظ کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ رفتہ رفتہ ایک وہ زمانہ آئے گا کہ ان الفاظ کے استعمال میں اضافہ ہوگا اور یہ اُن کی بولی کا جزو بن کر رہ جائیں گے، اسی سلسلے میں یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو جے پور کی مشترکہ زبان اردو اور ہندی ہوگی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تعلیم کی زیادتی اور دیسی زبان کے اخبارات کی اشاعت سے مقامی بولیوں میں لہجے اور طرز ادا کے جس قدر اختلافات ہیں وہ سب مٹ جائیں گے، اس موقع پر یہ بتا دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اس ملک میں سنسکرت آمیز ہندی یا عربی و فارسی آمیز اُردو نہیں بولی جا سکے گی بلکہ ہر دلعزیز اور مقبول بولی وہ ملی جُلی زبان ہوگی جس میں اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کے الفاظ موجود ہوں ۔"

اس بیان کو سامنے رکھ کر جب زبانوں کے اعداد و شمار پر نظر ڈالی جائے تو ایک عجیب فرق معلوم ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لسانی تعصب کا سارا نزلہ غریب اُردو پر گرا ہے۔تقسیم زبان کے واقعات و حقایق کو نظر انداز کر کے اُردو زبان کی مُسلّمہ حیثیت کو مٹانے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی رپورٹ میں جو اعداد و شمار دیے گئے ہیں اُن میں

سے بعض زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور پھر موازنے کے لیے ۱۹۱۱ء کے اعداد بھی مقابل میں درج کیے جا رہے ہیں:-

	۱۹۱۱ء	۱۹۳۱ء
۱- اُردوٗ	۲۸۲۰۹ (افراد)	۲۰۵۹۷ (افراد)
۲- ہندی	۲۱۲۱۹۸ "	۱۱۸۳۷۴ "
۳- ڈھونڈھاری یا جے پوری	۱۹۴۳۴۳۹ "	۸۶۲۰۰۷ "
۴- باگڑی یا شیخاواتی	۴۲۳۳۹۳ "	۶۷۹۳۸۸ "
۵- مارواڑی	۱۳۹۲۳ "	۸۱۸۳ "
۶- میواتی	۲۳۵۰ "	۶۳۳۴ "
۷- برج بھاشا	۴۳۱۲ "	۵۶۱ "

بظاہر ان اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اُردوٗ زبان کے بولنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں وہیں ہندی زبان طبعی انحطاط پر ہے اور یہی ایک خوبصورت دھوکا ہے جو لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا ہے۔ در اصل اس میں کارکنوں کا جذبۂ جانب داری کام کر رہا ہے۔ ہندی کے اعداد میں اضافے پر لوگوں کی نظریں جلدی پڑ سکتی ہیں۔ اور نتیجے میں احتجاج اور شور و غُل یا تعصب کے الزام کا اندیشہ ہے۔ اس لیے باگڑی، میواتی اور برج بھاشا وغیرہ میں اضافہ کر دیا گیا کہ ان بولیوں کو بہت آسانی سے ہندی کہا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو پہلے ہی سے اس کا یقین ہو گیا ہے کہ نہ صرف جے پوُر میں بلکہ راجپوتانہ بھر میں اُردوٗ نہیں بولی جاتی، بلکہ ہندی کی شاخیں یا راجستانی کی شاخیں لوگوں کا ذریعۂ گفتگو ہیں، اس لیے کسی کو ان میں اضافے پر اعتراض کی جرأت نہ ہوگی۔ اسی سلسلے میں اگر ۱۹۰۱ء

کے اعداد پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تو دل پر چوٹ سی لگتی ہے۔

سنہ ۱۹۰۱ء

۱۔ اُردو	۱۴۸۹۳	(افراد)
۲۔ ہندی	۸۹۱۷	"
۳۔ ڈھونڈھاری یا جے پوری	۸۰۰۸۱۲	"
۴۔ باگڑی یا شیخاواتی	۵۶۳۵۸۳	"
۵۔ مارواڑی	۱۲۴۱۵	"
۶۔ میواتی	۲۰۵۶۵	"
۷۔ برج بھاشا	×	

تینوں سنوں کے اعداد کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں تو مقامی بولیوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور کہیں کم کر کے دکھلایا گیا ہے۔ حالانکہ رپورٹ مردم شماری سنہ ۱۹۱۱ء کی عبارتوں کی جو نقلیں دی گئی ہیں اُن کے مطابق مقامی بولیوں کو بالکل مٹ جانا چاہیے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان بولیوں کے اثرات بہت کم باقی ہیں۔ پھر اس افراط و تفریط کی کیا وجہ ہے، ایک وجہ پہلی بتائی جا چکی ہے یعنی لسانی جانب داری، دوسری وجہ خود سنہ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ میں لکھی ہوئی ہے۔

"لوگ اپنے مکانوں میں جو زبان بولتے ہیں اُس کا صحیح نام معلوم کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ اوّل تو شمار کنندے معمولی پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور اُن سے یہ توقع کرنا فضول ہے کہ جس مکان کو شمار کرنا چاہتے ہیں اُس کے رہنے والے کی زبان کے ٹھیک ٹھیک نام کو معلوم کر سکیں۔ تعلیم کی روز افزوں ترقی اور مقامی باشندوں

سے غیر ملکیوں کے میل جول نے اُن کی بولیوں کو اس قدر یکساں کر دیا ہو کہ ایک کو دوسری بولی سے ممتاز کرنا بہت ہی مشکل ہو۔ ان مقامی بولیوں میں غیر زبانوں کے اس قدر الفاظ مل گئے ہیں کہ بہت آسانی سے کہا جا سکتا ہو کہ جے پوری بولیاں اپنی خصوصیات اور انفرادیت کو قایم نہیں رکھ سکیں گی۔ علاوہ اس کے لوگ خود بھی اس سے محض ناواقف ہیں کہ اُن کی زبان کا نام کیا ہو یعنی اُن میں اتنا شعور پیدا نہیں ہوا ہو کہ اپنی زبان کے نام اور خصوصیات کو سمجھ سکیں ۔"

یہ بات ہم پر اچھی طرح واضح ہو گئی ہو کہ زبان کے سلسلے میں مردم شماری کا کام قابل بھروسا نہیں اور اس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا غلط ہو کہ کونسی زبان لوگوں کی مادری زبان ہو؛ لہذا ہمیں اپنی ذاتی معلومات اور مشاہدات پر بھروسا کرنا چاہیے۔ سنٹرل انڈیا اور راجپوتانہ کے جائزے کے سلسلے میں ایک خیال پیدا ہوا تھا اور اس کی عملی تصدیق بھی کر لی گئی تھی، مگر اس سے پہلے کی مردم شماری کی رپورٹوں میں کہیں سند نہ ملتی تھی، اس لیے خاموشی اختیار کرنی پڑی، وہ خیال یہ تھا کہ در اصل لوگ اس کے عادی ہیں کہ اپنی بولی یا زبان کو اُس علاقے سے منسوب کر دیں جس میں اُن کی سکونت ہو اور جہاں کے وہ قدیم باشندے ہیں۔ اب اس خیال کی تائید میں جے پور کی مردم شماری کی رپورٹ میں ایک سند مل گئی ہو۔ اُس میں لکھا ہو کہ :۔

"زبان کے خانوں میں بولیوں کے نام جو عام طور پر پائے جاتے ہیں یا جو بولیاں کثرت سے بولی جاتی ہیں اُن کے ناموں

سے پتا چلتا ہو کہ لوگوں سے زبان کا نام پوچھا گیا تو اُنھوں نے
اُس علاقے کی مناسبت سے نام بتادیا جس میں وہ رہتے ہیں اور
یہ لوگ زبان کی علمی حیثیت یا نوعیت سے محض بے خبر ہوتے ہیں
جیساکہ ڈھونڈھاری یا جے پوری اور باگڑی یا شیخاواتی ناموں
سے ظاہر ہوتا ہو"۔

جے پور کے علاقے کو قدیم سے ڈھونڈھار کہتے ہیں اور شیخاواتی بھی جے پور کا ایک ضلع ہو۔ اقتباس بالا ہمارے اطمینان کے لیے کافی ہو کہ ان بولیوں کا تو نام ہی نام ہو، ورنہ جے پور میں کثرت سے اُردو یا ہندُستانی بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ جائزے کے اس حصّے کو ختم کرکے اب ہم اس پر بحث کریں گے کہ جے پور میں اُردو ہندی کا قضیہ کب شروع ہوا اور اس میں کیا تبدیلیاں ہوئیں ÷

جے پور میں اُردو ہندی قضیے کا آغاز

دربار جے پور کو راجپوتانہ کی شاہی سیاست میں ہمیشہ فوقیت اور برتری حاصل رہی ہو۔ اسی کا نتیجہ ہو کہ مُلک کے سیاست کار اور پبلک کارکُن یہ سمجھتے ہیں کہ کسی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی تحریک کو ریاست جے پور ہی سے شروع کرکے دیگر ریاستوں میں کامیاب بنایا جاسکتا ہو۔ راجپوتانہ کی صرف ایک ریاست کے علاوہ تمام ریاستوں پر ہندو راجہ حکمراں رہے ہیں۔ اب اسے راجاؤں کی بے تعصبی اور وسیع النظری سے تعبیر کیجیے یا بخت واتفاق اور حالاتِ سیاسی کا تقاضا سمجھیے لیکن یہ واقعہ ہو کہ سلطنت

مغلیہ کے زوال کے بعد بھی انگریزی حکومت کے نصف دور تک اکثر و بیشتر ہندو ریاستوں کے اعلیٰ عہدوں پر مسلم افراد ممتاز رہے ہیں اور اُن کے اقتدار و اثر کا یہ عالم تھا کہ کل سیاہ و سفید کے مالک سمجھے جاتے تھے۔

مسلمانوں کے اسی اقتدار و اثر نے چند بیرونی ہندو لیڈروں اور بعض مقامی ہندوؤں کے طبقہ اعلیٰ کے افراد میں یہ خیال پیدا کیا کہ اس اسلامی طاقت و اثر کو توڑا جائے ابتدا میں یہ تحریک خالص اقتصادی بنیادوں پر تھی، بعد میں اسے سیاسی مذہبی اور نہ معلوم کیا کیا رنگ دیے گئے۔ جے پور بھی ان حالات سے مستثنیٰ نہ تھا، یہاں بھی ہر عہدِ حکومت میں مسلمان کسی نہ کسی اعتبار سے مقتدر و ممتاز رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان مسلمان عہدہ داروں نے ریاست کی بے تعصبانہ پالیسی اور رعیت پروری کے اصول کی ہمیشہ نگرانی و حفاظت کی اور ان کے عہدِ حکومت میں رعایا کے کسی طبقے کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ ان میں نواب فیض علی خاں اور نواب فیاض علی خاں بہت مشہور و معروف ہیں اور آج بھی جے پور کے بچے بچے کی زبان پر ان کا نام ہے اور ہر شخص ان کی قابلیت اور بے تعصبی کا معترف ہے۔

اس کے بعد حکومت کے اعلیٰ عہدوں سے مسلمانوں کو گرایا جانے لگا۔ شاہی خاندان کے افراد کو تعصب کی تعلیم دی جانے لگی اور نہ صرف یہ بلکہ اس قسم کے سینکڑوں ادارے کھول دیے گیے جو ہندو عوام کو نفسیاتی طور پر متحدہ ہندو مسلم تہذیب و تمدن سے بیزاری و علیحدگی کی تعلیم دیں۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ مسلم اثر و رسوخ کا خاتمہ کر دیا گیا اور اب تو یہ کیفیت ہے کہ "سیاست" کے نام پہ اِکّا دکّا مانگے ہوئے مسلمان (برٹش سینٹ افسر) تو بعض عہدوں پہ متمکن ہیں ورنہ گزشتہ باتیں اب خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہیں۔

غریب زبان بھی اِس لپیٹ میں آگئی ۔ یارانِ شاطر نے اس کی جڑیں بھی کاٹنا چاہیں مگر سابق مہاراجگان جے پور کی کشادہ دلی اور حوصلہ مندی نے دال نہ گلنے دی ۔ مہاراجہ سوائی مادھو سنگھ کے عہد حکومت میں دو کوششیں کی گئی تھیں ، ان کا مطلب ومنشا یہ تھا کہ ریاست کے دفاتر سے اُردو رسم الخط کو ہٹا کر ناگری رسم الخط رائج کیا جائے ۔ ایک موقع پر جبکہ مہاراجہ انگلستان سے واپس آئے تو رعایائے جے پور کی جانب سے بمقام بمبئی ایک اڈریس پیش کیا گیا تھا جس میں دیگر امور پر توجہ دلاتے ہوئے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ رسم الخط تبدیل کر دیا جائے ۔ اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جبکہ ران مہاراج نے موجودہ رئیس جے پور کو جوگود لیا تھا تو درخواست کی گئی تھی کہ اس تقریب کی خوشی میں رعایائے جے پور کو ہندی رسم الخط مرحمت فرما دیا جائے ۔

مہاراج کے تدبر نے ان درخواستوں کو ردّی کی ٹوکری سے آگے نہ بڑھنے دیا ۔ لیکن اس طرح حامیانِ ہندی کے حوصلے پست نہ ہوئے اور اُنھوں نے ۱۹۲۱ء میں " ہندی پرچارنی سبھا " قایم کر ڈالی ۔ اب مہاراجہ کا انتقال ہو چکا تھا اور حکومت کی باگ برطانوی حکام کے ہاتھ میں تھی ۔ اس سبھا کے صدر ، چیف کورٹ کے ممبر ٹھاکر کلیان سنگھ بی ۔ اے ، رئیس کھاچریا ، اور اس کے سیکریٹری کورٹ آف وارڈس کے منتظم منشی گنیشی لال جی سومانی تھے ۔

اِس سبھا نے بڑی طاقت سے ہندی کی حمایت میں جلسے کرنا شروع کیے اور جگہ جگہ سے تجاویز منظور کرا کے برطانوی انتظامی کونسل تک پہنچائیں ، گانو گانو اپنی سبھا کے سفیر بھیج کر ان تجاویز کی حمایت میں دستخط حاصل کیے گئے ۔ اِن تجاویز میں مطالبہ تھا کہ دفتروں میں ہندی رسم الخط

استعمال کیا جائے۔ ہندی کے اس طوفان کو روکنے کے لیے اُردو دوست حضرات نے ایک جماعت "اُردو ڈیفنس کمیٹی" کے نام سے بنائی۔ اس کمیٹی کے صدر مولوی اشفاق رسول صاحب جوہر اور سیکریٹری ناظم الملک مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی قرار پائے۔ علاوہ اس کے جملہ مُسلم وکلا اور بعض ہندو وکلا اس جماعت کے سرگرم کارکنوں میں تھے۔

اشتہارات کے مقابلے میں اشتہارات اور جلسوں کے جواب میں جلسے کیے جانے لگے۔ اُس زمانے میں محکمۂ خاص کے پریذیڈنٹ سرمان سنگھ جھالا تھے۔ "اُردو ڈیفنس کمیٹی" نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا اور ہندی کے طرف داروں کی شر انگیزی ظاہر کرکے ایک مختصر محضر کے ذریعے اِس حقیقت کا انکشاف کیا کہ رعایائے جے پور اُردو رسم الخط کو تبدیل کرانا نہیں چاہتی، یہ ہنگامہ صرف چند شورش پسند لوگ کر رہے ہیں۔

اُردو ڈیفنس کمیٹی کے وفد کی کوششوں کے بعد حکومت جے پور کا فرض تھا کہ مسئلۂ زبان میں پبلک کے سامنے اپنا مسلک صاف اور واضح طور پر پیش کردیتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں جو بے عنوانیاں کی جارہی تھیں اُن میں اضافہ ہونے لگا اور بجائے اس کے کہ "ریاستی نقطۂ نظر" پیش کیا جاتا، حکّام میں اندرونی سازشیں ہونے لگیں کہ ہندی زبان کو رائج کیا جائے۔ ہمیں اس قسم کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔ طرف دارانِ ہندی نے ریاست کے ایک بڑے جاگیردار سے جو کونسل کے ممبر بھی تھے، اس قسم کی ایک نجی تحریر حاصل کرلی تھی جس سے ہندی کی حمایت ہوتی تھی اور نہ صرف یہ بلکہ اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ریاست کے دفاتر میں اگر ہندی رائج کردی جائے تو چنداں دقّت نہ ہوگی۔ اس تحریر کو

ریاستی رعایا کی عام رائے ہموار کرنے میں مؤثر طریقے سے استعمال کیا گیا تھا۔

اپنے افسروں کی شہ پاکر ماتحت عہدہ داروں نے ہندی رسم الخط میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ٹھاکر صاحب کیچ گڑھ سابق ممبر چیف کورٹ نے اُس زمانے میں ہندی میں کام کرنا شروع کر دیا اور اُن کی دیکھا دیکھی پنڈت شیو کشور تواڑی منصف نے بھی ہندی کو ترجیح دی۔ چناں چہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب کے مقدمے کی پیشی انھوں نے ہندی زبان میں ہی کی تھی۔

راج رانا سری مان سنگھ جھالا جی، سی، آئی، ای ممبر محکمۂ خاص نے اور پروہت ہری نرائن جی نے اپنے محکمۂ کارخانہ جات میں اہلکاروں کو حکم دیا کہ وہ کیفیات وغیرہ ہندی میں لکھا کریں۔ ۲، اپریل ۱۹۲۱ء کو محکمۂ خبر سے ایک کیفیت کونسل کو بھیجی گئی۔ اس کیفیت میں کونسل کو متوجہ کیا گیا اور درخواست کی گئی کہ ریاست کے تمام محکمات کو پابند کر دیا جائے کہ وہ جب کبھی محکمۂ خبر کو تحریر لکھیں تو وہ ہندی میں ہونی چاہیے۔ اس تحریر کا جواب دیا گیا تھا کہ :۔

"تحریرات ہندی و اُردُو کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ راج کو ہندی تحریرات بھیجنے کا اختیار ہے اور دیگر محکمہ جات سے جو تحریرات ہندی اُردُو میں آئیں وہ راج لے لیا کرے۔" فقط ۱۷ جنوری ۱۹۲۲ء

اُوپر والی تحریر سے یہ فایدہ اٹھایا گیا کہ ہندی کو بھی باقاعدہ سرکاری اغراض کے لیے تسلیم کر لیا گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے تمام دفاتر میں اُردُو زبان ہی میں کام ہوتا تھا، سوائے بعض ایسے دفاتر کے جن میں حسابی کام ہوتا ہو۔

ان حالات کی موجودگی میں ایک مرتبہ اور اُردو ڈیفنس کمیٹی نے ایک مقتدر وفد مسٹر آر۔ آر۔ گلانسی پریذیڈنٹ محکمۂ خاص کی خدمت میں بھیجا۔ اس وفد نے ریاست کے تمام حالات پریذیڈنٹ صاحب کے سامنے پیش کیے اور گورنمنٹ آف انڈیا کا وہ ریزولیوشن بھی پیش کیا جس کی رُو سے کسی کونسل یا منتظم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ریاستی حکومت میں کوئی بنیادی تبدیلی کر سکے۔ صاحب ممدوح نے اس ریزولیوشن کی روشنی میں اچھی طرح اپنی پوزیشن سمجھتے ہوئے اس کا اعتراف کیا کہ وہ ریاست کے دفاتر کی زبان یا رسم الخط کو تبدیل نہیں کر سکتے، لہٰذا حکم نافذ کر دیا گیا کہ رئیس کے ایام نابالغی میں رسم الخط کی تبدیلی ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ رزیڈنٹ جے پور کے سامنے بھی اپنی پوری ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ آیا تھا، مگر انھوں نے مرکزی حکومت کی پالیسی کو برقرار رکھا اور اس طرح اس زمانے میں اُردو فنا ہوتے ہوتے بچ گئی۔ اخبارات علی گڑھ میگزین، مدینہ، پیسہ اخبار ۲۳-۲۲-۱۹۲۱ء کی فائلیں اس مسئلہ اور اس سے متعلق واقعات کی پوری پوری شاہد ہیں۔

حامیان ہندی اپنی اس ناکامی سے تھک کر نہیں بیٹھ گئے۔ ان کی اندرونی سازشوں میں اور شدّت ہو گئی اور ساتھ ہی انھوں نے تعلیمی اداروں کو پوری طاقت سے اپنے مطلب کی خاطر استعمال کرنا شروع کیا۔ غرض کہ وہ سب کچھ کیا جو اُن کے مقصد کے حصول میں مدد دے اور آہستہ آہستہ اس میں کامیابی بھی ہونی شروع ہوئی، جیسا کہ اس رپورٹ کے آئندہ حصے میں بیان ہوگا۔

اب تک ہم نے گزشتہ حالات ہی کو درج کیا ہے اور واقعات سے ثابت کیا ہے کہ ریاست جے پور میں اُردو بہت اچھی حالت میں تھی، بعد میں اُسے مٹانے کی

سازشیں کی گئیں۔ رپورٹ کے دوسرے حصے میں یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ اِن سازشوں کا کیا اثر ہوا اور موجودہ زمانے میں اُردو زبان کس حیثیت کی مالک ہے اور اس کی ترقی اور برتری کے لیے کچھ کوششیں جاری ہیں یا نہیں؟

اس ریاست کی کل آبادی مردم شماری ۱۹۳۱ء کی رُو سے ۲۶ لاکھ ۳۱ ہزار ۷ سو ۵۷ نفوس پر مشتمل ہے اور اس پوری آبادی کے متعلق پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف اُردو سمجھتی ہے بلکہ بول بھی سکتی ہے۔ چوں کہ ہندو قوم کے اونچے طبقات میں لسانی عصبیت پوری طاقت سے کارفرما ہے اور عوام میں بھی اس کا کافی اثر ہے، اس لیے جائزے کے اغراض کے لیے ہم اعداد و شمار لیتے ہیں تو مادری زبان کی حیثیت سے اُردو زبان کو بہت کم حصہ ملتا ہے۔ عام طور پر ہندو اس کے عادی ہیں کہ اُن کی زبان کے متعلق استفسار کرنے پر وہ اپنی زبان کا نام ہندی یا مقامی بولی کا نام لے دیتے ہیں۔ پس چوں کہ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اُن کی زبانوں سے لفظ اُردو کہلوا دیں، لہٰذا سرکاری مردم شماری کی بنیادوں کو ہم کُلّیتہً متزلزل نہیں کر سکتے اور مجبوراً ہمیں اپنے کام کی صفائی اور ایمان داری کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مردم شماری کے اعداد کو تھوڑے تغیر و تبدل کیساتھ لینا پڑتا ہے، اگرچہ مشاہدہ یہی کہتا ہے کہ جے پور کی نصف سے زاید آبادی اُردو کو مادری زبان کی طرح استعمال کر رہی ہے۔

اوپر کے تمام حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں اُردو زبان ہر عہد اور ہر زمانے میں ترقی پذیر رہی ہے، لیکن موجودہ حالات ہماری زبان کے مستقبل کے لیے بُری پیش گوئی کرتے ہیں۔ یوں کہنے کو تمام سرکاری

مدارس میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہو، لیکن عملاً یہ انتظام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دیہاتی آبادیوں کے لیے جو مدارس کھولے جاتے ہیں اُن میں عمومیت کے ساتھ ہندی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہو۔ اور اس ہندی تعلیم میں بھی ہمیں صاف طور پر نظر آتا ہو کہ سنسکرت زبان اور مُردہ بھاشا کی سرپرستی کی جا کر اُسے زندہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ ہندی نصاب اس کا شاہد ہے۔

ہندی رسم الخط سے واقف کرانے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو، لیکن یہ تو سراسر ظلم اور شرارت ہو کہ عوام الناس اور ملک کی اکثریت کے میلان کے خلاف محکمۂ تعلیم اُس پروگرام پر چل رہا ہو جو آیندہ ریاست کے لیے گوناگوں مشکلات کا باعث ہوگا۔ ملک میں وہ زبان ٹھونسی جا رہی ہو جو نہ صرف مشترکہ اور پیاری زبان کو نقصان پہنچائے گی بلکہ ہمارے معاشری تعلقات پر بھی ایک کاری ضرب کا کام دے گی۔ اس قسم کی زبان کو رائج کرنے سے تعلیم کا مقصد فوت ہو جاتا ہو۔ ملک کے مختلف طبقات میں نفرت و حقارت کی خلیج بڑھتی جا رہی ہو، افسوس کہ تعلیمی ادارے اس کو ہوا دیتے ہیں۔

یہ پالیسی تو صرف اُن مدارس میں ہو جو انگریزی ورناکیولر مدارس کے نام سے قایم ہیں۔ ۴۳ مدارس میں سنسکرت زبان کی تعلیم دی جاتی ہو ان میں کالج بھی ہیں اور سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہو، ۵۷ لڑکیوں کے مدرسوں میں سے ایک مدرسے میں بھی اُردو تعلیم کا انتظام نہیں ہو؛ اس کے لیے محکمۂ تعلیم کے ارباب بست و کشاد یہ حیلہ تراش سکتے ہیں کہ جب اُردو پڑھنے والے ہی نہ ہوں تو انتظام کا سوال بے معنی ہو، لیکن

حقیقت اس کے خلاف ہے۔ محکمۂ تعلیم نے خواہ مخواہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ اُردو کی تعلیم صرف مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہیے۔ اس مفروضہ بنیاد پر اُردو تعلیم سے غفلت کو جائز سمجھا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ لڑکیوں کے ان مدارس میں مسلمان طالبات کی تعداد بہت کم ہے لیکن اس کمی کے لیے بھی خود محکمۂ تعلیم ذمہ دار ہے۔ یعنی اس کے تمام نسوانی مدارس کا ماحول اور ارد گرد اس قسم کے افسانوں سے گھرا ہوا ہے جو مسلمان گھرانوں کو سرکاری مدارس سے دور رکھنا چاہتا ہے، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت پردے کو حاصل ہے۔

مسلمان کبھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی جوان بچیاں صرف ایک بوڑھی عورت کی نگرانی میں شہر کی سڑکوں سے گزر کر مدرسوں میں جائیں اور پھر مدارس میں معاینے کے وقت ڈائرکٹر صاحب تعلیمات یا دوسرے عہدہ داروں کے سامنے بے پردہ ہوں، اس لیے محکمۂ تعلیم کا فرض تھا کہ وہ مسلمان کی تہذیب و معاشرت کی رعایت رکھتے ہوئے اس قسم کے مدارس قایم کرتا کہ مسلمانوں کو اپنی بچیوں کے بھیجنے میں کوئی تائل نہ ہوتا اور ہر حکومت کا فرض ہے کہ اپنی رعایا میں کسی نہ کسی طرح تعلیم کو مقبول بنائے۔

امدادی مدارس میں چند مدارس کے علاوہ کسی مدرسے میں اُردو تعلیم کا انتظام نہیں ہے چناں چہ اس کے متعلق بھی احتجاج کیا گیا جیسا کہ ٹھکانہ چوموں کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔ الغرض مجموعی حیثیت سے حکومت جے پور کی تعلیمی پالیسی اطمینان بخش نہیں ہے اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ علی الاعلان تسلیم کر لیا جائے کہ ریاست کی سرکاری زبان

ہندی ہو۔ صورت یہ ہو کہ جب طلبہ مدارس سے ہندی زبان اور رسم الخط سیکھ کر نکلیں گے اور دفاتر سرکاری میں ضابطہ دیوانی ۱۹۲۵ء کی رُو سے ہندی بھی استعمال کر سکیں گے تو ظاہر ہو کہ اُردو کو کوئی درجہ حاصل نہ رہے گا۔

یہ تو سرکار جے پور کی تعلیمی پالیسی تھی، اِس کے علاوہ متعدد پبلک ادارے ہندی کی نشر و اشاعت کے لیے قایم ہیں اور سیٹھ برلا جیسے دولت مندوں کا روپیہ اِن کاموں پر پانی کی طرح بہایا جا رہا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ یہ سیٹھ ساہوکار اُردو اور ہماری دوسری معاشرتی و سیاسی بنیادوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کو تیار و آمادہ نظر آتے ہیں۔

اس قسم کے اعمال و افعال کو ہم اُردو زبان کے لیے خطرہ اس وقت نہ سمجھتے جبکہ اُردو زبان پبلک میں بھی جان محسوس کرتے۔ حال یہ ہو کہ پوری مسلمان آبادی جہالت اور بے علمی کی لعنتوں میں گرفتار ہو۔ احساس بالکل فنا ہو چکا ہو زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور تباہ کن بیہودگیوں میں مبتلا ہیں۔ کچھ مُسلمان اور دو یا تین ادارے البتہ کچھ مفید کام انجام دے رہے ہیں جو قومی زندگی کے پُورے شعبوں پر حاوی نہیں ہیں، بعض انجمنوں اور جماعتوں کے مختصر حالات رپورٹ کے آخر میں دیے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر مفید کام انجام دے رہے ہیں اور اگر ان کی پُوری پُوری امداد و استعانت کی جائے تو زیادہ مفید اور اچھے کام کیے جا سکتے ہیں۔

شہر جے پور کی مسلمان آبادی کا تعلیم یافتہ طبقہ حکومت کی ملازمتوں میں منسلک ہو اور اپنے اس تعلق کی وجہ سے اپنے تحفظ کی خاطر حکومت کی پالیسی کو متاثر نہیں کر سکتا اور ساتھ ہی پبلک رائے کو بھی آزادی کے ساتھ ہموار کرنے میں بھی مجبور اور لاچار ہو۔ اگر کچھ نوجوان بیکار اور آزاد بھی ہیں تو

وہ سرکاری ملازمین سے متعلق ہیں اور ساتھ ہی نوکری کی تلاش اُن کا واحد مقصد ہے۔

ان حالات میں ہمیں اُردُو زبان کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہونا پڑتا ہے اور یہ حالت اُردُو سے محبت کرنے والوں کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے۔

استفسارات کے جوابات کے سلسلے میں معلوم ہوگا کہ پہلے یہاں شعرو شاعری اور علم وادب کی محفلوں سے اُردُو زبان کی کس قدر خدمت ہو رہی تھی، لیکن اب یہ محفلیں سونی ہو چکی ہیں اور اگر معدودے چند حضرات اس قبیل کا ذوق بھی رکھتے ہیں تو وہ اُن کی ذات اور ایک محدود حلقہ سے آگے نہیں بڑھا ہے اور اس طرح ظاہر ہے کہ ہماری زبان کی کوئی خدمت متصور نہیں ہے، بلکہ ذاتی دلچسپی کارفرما ہے۔ البتہ دوسرے فریق کی گوناگوں کوششوں اور ہندی زبان کی بے جا حمایتوں نے کچھ نوجوانوں میں حرکت پیدا کی ہے، لیکن افسوس کہ ان کو سیدھے راستے پر لگانے والا کوئی نہیں ہے۔ اور یہ نوجوان بھی باہمی مناقشے اور گھٹیا سازشوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسی بیداری اور اٹھان کا ہی اثر تھا کہ ۱۹۳۵ء میں یہاں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس کی تفصیل میں پڑنے کی بجائے یہ کہ دینا مناسب ہوگا کہ یہ اپنی قسم کا ایک ہی مشاعرہ تھا اور جے پور میں تو کیا شاید ہندستان میں اس سے قبل اس طرح کا مشاعرہ منعقد نہ ہوا تھا۔ مشاعرے کی دیگر خصوصیات میں سے ایک خصوصیت قابل ذکر یہ ہے کہ والئ دکن و برار نے حضرت فانی بدایونی وغیرہ کو شاہی نمایندے کی حیثیت سے اس مشاعرے کی شرکت کے لیے بھیجا تھا اور مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی جانب سے بھی کوئی صاحب شریک ہوئے تھے۔

دفاتر سرکاری میں نصف سے زاید دفاتر پر ہندی چھا چکی ہو اور کوئی یہ کہنے والا موجود نہیں ہو کہ آخر یہ کیا اندھیر ہی اور کیوں خواہ مخواہ اُردو کو دفاتر سے خارج کیا جا رہا ہو اور یہ عمل کچھ ایسی نوعیت سے کیا جا رہا ہو کہ لوگ واقف بھی نہیں ہونے پاتے۔ اس کا اِنسداد اسی وقت ممکن ہو کہ جے پور میں ایک ایسی آزاد جماعت ہو جو زبان کے مسئلے پر اچھی طرح حادی اور جزو کل کی تنقید کر سکتی ہو، ورنہ متعدد شعبوں اور صیغوں میں کچھ اس رفتار سے ہندی کو لایا جا رہا ہو کہ جب تک اسی خاص غرض سے کوئی شخص یا جماعت چھان بین نہ کرے، یہ معلوم ہونا بھی مشکل ہو کہ فلاں شعبے میں کیا تبدیلی کی جا رہی ہو۔

ٹھکانہ ہائے جے پور (جاگیرات) میں اس سے کچھ بدتر حالت ہو اور ہم آسانی کی خاطر بعض ٹھکانوں کے حالات علیحدہ رپورٹ کی شکل میں پیش کریں گے۔ اور وہ اس بڑی رپورٹ کے ضمیمہ کی شکل میں ہوں گے۔ لیکن جہاں تک تعلیمی اور دیگر اعداد و شمار کا تعلق ہو اُن کو اسی رپورٹ میں شامل کر لیا گیا ہو اور ان میں صرف ٹھکانوں کے عام حالات درج کیے گئے ہیں۔

ان حالات پر ایک سرسری نظر ڈال لینے کے بعد ہمارا آیندہ لائحۂ عمل متعیّن ہو جاتا ہو اور وہ بالکل صاف اور واضح ہو۔ اصل میں زبان اُردو کی عمارت کو مرمّت کی ضرورت ہو۔ جو گوشے بوسیدہ ہو چکے ہیں اُن کی دُرستی کی ضرورت ہو اور بس! یعنی جے پور میں اُردو کی بنیادیں ابھی مضبوط ہیں، تھوڑی سی دیکھ بھال کی ضرورت ہو، اگر جلد ہی توجہ نہ کی گئی تو یہ حالات بھی بدل جائیں گے اور موجودہ صورتِ

حالات میں جو آسانیاں ہمیں میسر آسکتی ہیں وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔ اِس کے لیے بہترین شکل تو یہی ہو کہ کسی مقامی جماعت کو مضبوط بنا دیا جائے، ورنہ جو صدر انجمن مناسب خیال کرے۔ استفسارات کے جوابات پیش کیے جا رہے ہیں، ان میں پُوری احتیاط کو مدِنظر رکھا گیا ہو۔

استفسارات کے جوابات

حصّہ اوّل

سوال نمبر ۱

(الف) ۳ لاکھ ۸۰ ہزار ۷ سو ۱۶ نفوس کی مادری زبان اُردو ہی۔

(ب) ۱۰ لاکھ ۵۲ ہزار ۳ سو ۲۷ نفوس مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں۔

(ج) ۱۱ لاکھ ۹۸ ہزار ۶ سو ۲۴ نفوس اُردو خوب سمجھتے ہیں۔

(د) ۲۴ ہزار ۷ سو ۹۸ نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) سرکاری وامدادی مدارس کی تعداد (۱۰۷) ہی۔

(ب) ۶ ہزار ۷ سو ۲۶ طلبا اُردو پڑھتے ہیں۔

(ج) ایک کالج، ۳ ہائی سکول، ۲۷ ورناکیولر مڈل اسکول، بقیہ پرائمری اسکول ہیں، ریاست کی طرف سے کہا جاتا ہی کہ تمام مدارس میں اُردو تعلیم کا انتظام ہی، لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہی۔

(د) تمام مدارس میں نصاب تعلیم بورڈ کا مقرر کردہ ہی۔ البتہ تحتانی درجوں میں ریاست کا محکمۂ تعلیم اپنی پسند کو دخل دیتا ہی۔ مجموعی حیثیت سے کتابوں کے انتخاب میں پارٹی بازی اور طرفداری کا جذبہ کام کرتا رہتا ہی اور اس طرح معیار نصاب کو نقصان پہنچتا ہی۔

سوال نمبر ۳

غیر سرکاری مدارس کی تعداد (۱۲۸) ہے اور ان میں اُردو بھی پڑھائی جاتی ہے اور کل ۲ ہزار طلبا ان میں تعلیم پا رہے ہیں۔

سوال نمبر ۴

سرکاری و نجی کتاب خانوں کی تعداد (۱۵) ہے۔ ان میں بعض محض اُردو کے ہیں اور بعض میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں۔

سوال نمبر ۵

ایسی انجمنوں اور اداروں کی تعداد (۱۶) ہے جو اُردو کی کسی نہ کسی حیثیت سے خدمت کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض انجمنوں کے مختصر حالات رپورٹ کے آخر میں دیے جا رہے ہیں۔

سوال نمبر ۶

۱۔ "بال چند پریس" میں سیسے کے حروف کی معمولی سی اُردو چھپائی ہوتی ہے۔ لیتھو کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

۲۔ "جے پور پرنٹنگ ورکس" میں اُردو کا کام نہیں کیا جاتا، مگر یہ کام لے کر دوسری جگہ چھپوا دیتا ہے۔

۳۔ "ہیرا لال پریس" میں پہلے اُردو کی چھپائی کا کام ہوتا تھا، اب تقریباً دو سال سے ہندی چھپتی ہے۔

۴۔ "رحیمی پریس" حسب شرح نمبر ۲

۵۔ "مشیر راجستان پریس" حسب شرح نمبر ۲
۶۔ "جدید پریس" عرصۂ دراز سے بند ہو، اُردوٗ کا پریس تھا۔
۷۔ "مطبع مولوی اساس الدین" عرصۂ دراز سے بند ہو اُردوٗ کا پریس تھا۔
۸۔ "منظفر پریس" عرصۂ دراز سے بند ہو، اُردوٗ کا پریس تھا۔
۹۔ "اسٹیٹ پریس" میں اُردوٗ چھپتی ہو، مگر کوئی مشین مین یا سنگ ساز باقاعدہ ملازم نہیں۔ صرف ایک کاپی نویس ہو وہی کتابت کرتا ہو اور وہی مصلح سنگ ہو اور وہی پریس مین۔ قیدی چھپائی کا کام کرتے ہیں، اس وجہ سے لکھائی چھپائی اچھی نہیں ہوتی۔ سیسے کے حروف کی چھپائی ہوتی ہو۔

کسی زمانے میں کچھ اُردوٗ رسائل اور اخبارات جاری تھے، ان میں زیادہ تر علمی اور ادبی مضامین ہوا کرتے تھے، جن سے عوام کو زیادہ دلچسپی نہ تھی اور خواص بھی کچھ زیادہ توجہ اس طرف نہ دیتے تھے۔ بعض تو اس وجہ سے بند ہو گئے کہ اُن کے مالک یا ایڈیٹر کا انتقال ہو گیا اور بعض مالی کمزوریوں اور عدم سرپرستی کے باعث ختم ہو گئے اور اب صرف ایک اخبار یا رسالے کے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ وہ جاری ہو۔ اس کا نام "روشنی" ہو۔ لیکن اس کا بھی یہ عالم ہو کہ مہینے دو مہینے میں اشاعت کی نوبت پہنچتی ہو۔ بہر حال قدیم جدید اخبارات و رسائل کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہو:۔

۱۔ "المعلومات" یہ رسالہ ۱۸۹۹ء میں جاری تھا اور اس کے اڈیٹر مولوی ولایت احمد صاحب مرحوم تھے۔ مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا کرتا تھا۔ ماہانہ اشاعت ہوتی تھی۔

۲۔ "الکمال" یہ رسالہ ۱۹۰۶ء میں جاری تھا اور حکیم واحد علی خاں صاحب اور منشی عبدالحمید صاحب، خگر اس کو مرتب کرتے تھے، احمدی پریس علی گڑھ میں چھپا کرتا تھا۔ اشاعت ماہانہ ہوا کرتی تھی۔

۳۔ "جوہرِ سخن" یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۱۴ء میں جاری تھا۔ مولوی نظیر حسن سخاؔ مرحوم اسے مرتّب کرتے تھے، جے پور اور دیگر مقامات کے اچھے شعرا کا کلام شایع کرنا اس رسالہ کی خصوصیات میں داخل تھا۔

۴۔ "ذکر الحبیب" یہ ماہانہ رسالہ ۱۳۰۴ھ میں جاری تھا، مولوی سراج الحق صاحب اس کے ایڈیٹر تھے اور یوسفی پریس الور میں چھپا کرتا تھا۔

۵۔ "قوم" یہ رسالہ ۱۹۰۲ء سے جاری ہو کر ۱۹۱۶ء تک باقی رہا۔ اس کو مولوی اساس الدین تسلیم ترتیب دیا کرتے تھے۔ ماہانہ رسالہ تھا اور ابتدا میں اسی۔ جی۔ ڈی پریس جے پور میں اور اس کے بعد قوم پرنٹنگ پریس میں چھپتا رہا۔ زیادہ تر ادب و اخلاق اس کا موضوع تھے۔

۶۔ "جام سخن" اس رسالہ کے ایڈیٹر ذہینؔ صاحب جھنجھنوی تھے اور ہر مہینے مطبع حسنِ آدب لکھنؤ سے چھپ کر یہاں سے شایع ہوا کرتا تھا۔

۷۔ "المصباح" یہ رسالہ ۱۹۰۵ء میں جاری تھا اور قاسمی پریس دہلی میں چھپ کر جے پور سے ماہانہ اشاعت ہوا کرتی تھی، ایڈیٹر صاحب کا نام نہ معلوم ہو سکا۔

۸۔ "الاخلاق" اس رسالے کے نام کے علاوہ اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ غالب خیال یہ ہے کہ "المصباح" اور "الاخلاق" دونوں کو مولانا تسلیمؔ ترتیب دیا کرتے تھے۔

۹۔ "شادمان" یہ رسالہ ۱۹۲۶ء کی فروری میں جاری تھا اور حکیم نور الحسین صدیقی کی ادارت میں شایع ہوتا تھا۔ مطبع آگرہ اخبار میں چھپتا تھا۔

۱۰۔ "مشیر راجستان" مئی ۱۹۳۵ء میں جاری تھا۔ حکیم نور الحسین صاحب صدیقی اس کو مرتب کرتے تھے۔ مشیر راجستان پریس جے پور میں چھپتا تھا۔ اب بند ہو چکا ہے۔

۱۱۔ "روشنی" ۱۹۳۵ء سے جاری ہے اور اب بھی کبھی کبھی شایع ہو جاتا ہے اس کے باقاعدہ ایڈیٹر مولوی سعید حسین خان بی۔ اے، بی۔ ٹی، منشی فاضل ہیں۔

۱۲۔ "تفریح احباب" یہ رسالہ ۱۹۰۱ء میں جاری تھا اور حضرت مضطر کاکوروی اس کو ترتیب دیتے تھے، بال چند پریس جے پور میں چھپتا تھا۔ اشاعت کی تاریخ مقرر نہ تھی۔

سوال نمبر ۷

۱۔ ملاحظہ ہو تحریر عدالت منسلکہ رپورٹ ہذا۔

۲۔ پہلے تمام کاروبار ریاست اُردو زبان میں ہوا کرتا تھا اب انگریزی خط اور زبان اس کی جگہ لے چکے ہیں۔ اِدھر ہندی پسندوں نے دھوم مچا رکھی ہے۔

۳۔ اس کے باوجود عموماً عرضیاں، رپورٹیں، تحریریں، رجسٹر، احکام" تحقیقات اور فیصلے وغیرہ سب اُردو میں ہوتے ہیں۔

۴۔ محکموں میں ورناکیولر کلرک، سرشتہ دار، نقل نویس، اجرا نویس اور کیفیت نویس کی آسامیاں اب بھی بجٹ میں موجود ہیں۔

سوال نمبر ۸

محکمۂ تعلیم کی جانب سے اس قسم کے کوئی احکام نہیں ہوتے ہیں، البتہ دوسرے محکموں سے اس قسم کی گشتی چٹھیاں مختلف دفاتر میں پھرائی گئی ہیں، اُن کی نقل ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

۱۔ ریاست کی جانب سے سنہ ۱۸۸۴ء میں اس مفہوم کا ایک حکم جاری ہوا کہ عدالتوں میں اُردو بہت صاف اور شستہ لکھی جاوے۔ عربی، فارسی اور انگریزی کے نامانوس الفاظ بالکل نہ لکھے جاویں۔

۲۔ چٹھی سکریٹری صاحب محکمۂ خاص بنام چیف جسٹس صاحب مورخہ ۱۷ ار جون سنہ ۱۹۲۲ء۔

"چیف کورٹ کی زبان اُردو یا ہندی رہے گی، لیکن یہ جج صاحبان کی مرضی پہ منحصر ہے کہ جس زبان میں اُن کو ملکہ ہو اُس میں فیصلہ لکھیں۔"

اس حکم کی موجودگی کے باوجود چیف کورٹ کی ساری تحریری کارروائی اب تک اُردو میں ہوتی ہے۔ ہندی میں بہت کم! البتہ آرڈر اور فیصلے انگریزی میں ہوتے ہیں، یا پھر کبھی کبھی اُردو میں لیکن ہندی میں بالکل نہیں لکھے جاتے

حصّہ دوم

سوال نمبر ۳

۱۔ جے پور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ یہاں اُردو بہت صاف اور شُستہ بولی جاتی ہو۔ حتےٰ کہ دیہات میں بھی جو لوگ خواندہ ہیں اور جن کا شرفا میں شمار ہوتا ہو صاف اُردو بولتے ہیں۔ ہندو بھی کاروباری اغراض کے لیے اُردو پسند کرتے ہیں۔ خصوصاً جینی لوگوں کو اُردو پڑھنے کا شوق ہو۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہو کہ یہاں کی زبان آگرہ کی زبان سے ملتی جلتی ہو۔ یوں تو بولیوں کے لہجے اور طرزِ بیان میں تھوڑی دُور پر فرق ہو ہی جاتا ہو اور جے پور بھی اس خصوصیت سے محروم نہیں ہو۔ چناں چہ جے پور والے لفظ "اپنے" کی جگہ "میرے" اور "آپ کے" الفاظ استعمال کرتے ہیں، مثلاً:۔

(۱) میں اپنے گھر جاتا ہوں کی جگہ جے پور والے کہیں گے کہ میں میرے گھر جاتا ہوں۔

(۲) مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں کی جگہ مجھے میرے کام سے فرصت نہیں کہیں گے۔

اسی طرح لفظ "آپ" کا استعمال ہو:۔

(۱) آپ اپنے لڑکے کو علی گڑھ بھیج دیجیے کی جگہ آپ آپ کے لڑکے کو علی گڑھ بھیج دیجیے کہیں گے۔

(۲) زید نے پتھر مارا کی جگہ زید نے پتھر کی دی بولیں گے۔

(۳) اللہ رے کی - جگہ - ارے یارے - بولیں گے۔

۲ - مہاراجگان جے پور ہر معاملے اور ہر کام میں کوشش کرتے تھے کہ سلاطین مغلیہ کی تقلید پورے پورے طور پر کی جائے اور یہ عمل کچھ اس قدر شدت سے اختیار کیا گیا تھا کہ اب تک متعدد سابقہ رسوم اور تقریبات اسی طرح جاری ساری ہیں اور جہاں ہم کو اُردُو زبان کی مضبوط بنیادوں کا ثبوت ملتا ہے وہیں اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آج کل اس قسم کی تقریبات کے نام جے پور کی زبان کی ہی خصوصیات میں شمار ہو سکتے ہیں۔

(۱) شہر پناہ کے دروازے جب چار بجے صبح کو کھولے جاتے ہیں تو دربان اب تک نعرہ لگاتے ہیں کہ " اورنگ شاہ بادشاہ کی جے "

(۲) اکبر بادشاہ نے جو ماہی مراتب اس ریاست کو دیا تھا، وہ اب تک جلوس میں شامل ہوتا ہے۔

(۳) ہر چاندرات کو رویتِ ہلال کی توپ چلتی ہے۔ لیکن محرم میں ماتم کی وجہ سے نہیں چلتی۔

(۴) ۱۹۲۵ء تک جمعہ کے دن تعطیل ہُوا کرتی تھی، لیکن اب کچھ دنوں سے اتوار کو ہُوا کرتی ہے۔

(۵) ۱۹۲۲ء تک فوج کا انتظام شاہی افواج کی طرح تھا۔ کمانڈر انچیف کو بخشیٔ فوج کہا جاتا تھا اور پلٹنوں کے نام حسب ذیل تھے:-

اوّل تلنگان، دوئم تلنگان۔ اوّل خاص، دویم خاص۔ اول نجیب دویم نجیب۔ اسی طرح نقیب، طوائچی، نشان بردار وغیرہ کے نام سے عہدے مخصوص تھے۔ پلٹنوں کے نشان بردار ہمیشہ مسلمان ہُوا کرتے تھے۔

۶۔ محلات شاہی کے سامنے جہاں تقریبات کے موقعوں پر جلوس وغیرہ جمایا جاتا ہے، جلوخانہ کہا جاتا تھا اور آج اس کو "جلیب چوک" کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۴

۱۔ جےپور کی بولی کو جھاڑ شاہی بھی کہتے ہیں، اس کو جھاڑ شاہی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں کے سِکّے میں جھاڑ بھی بنا ہوا ہے۔ اُردو اس بولی کے اثر سے محفوظ ہے۔ البتہ بعض جھاڑ شاہی ناموں نے اُردو کو ضرور متاثر کیا ہے۔ مثلاً مٹّی کو ماٹی، پٹّی کو پاٹی، ایندھن کو بلیتا، گاڑھے کو کھادی، وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ مقامی بولیوں پر اُردو زبان کا جو اثر ہوا ہے، اُس کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکے گا کہ عدالتی اصطلاحات کے علاوہ اُردو کی سیکڑوں مصطلحات اور الفاظ جےپوری باشندوں کے استعمال میں ہیں اور اُنھیں نہ صرف وہ سمجھتے ہیں بلکہ اُن کے ذخیرۂ لغت میں ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ہم کامل اندازے کی خاطر یہاں کچھ الفاظ کی ایک فہرست نقل کرتے ہیں:۔

محلات شاہی:۔

مبارک محل، شربتہ (سراپردہ کی بگڑی ہوئی صورت) دیوانِ عام، دیوان خاص، خزانۂ عامرہ، محکمۂ خاص، ڈیوڑھی معلّے۔

محکمہ جات:۔

دیوانی، نظامت، فوجداری، تحصیل، تعلقہ، فراش خانہ، باغات،

آتش (اصطبل) کرکری خانہ۔

جاگیرات:۔

جاگیردار، تعظیمی، خاص چوکی، معافی دار، روزینہ دار۔

فوج:۔

بخشی خانہ، چہرہ، جوان، کمیدان، حوالدار، جمعدار، پیادہ، سوار، رسالدار۔

متفرقات:۔

جُغہ، عمامہ، تکیہ، گاؤ تکیہ، مسند، قالین، آبدار خانہ، آب خاصہ، چوبدار، خاص بردار، خبر نویس، ماہی مراتب، شتر خانہ، فیل خانہ، جوہری بازار، خردہ فروش، سائرات، منصرم، منتظم، ناظر، تحویلدار، زمیندار، کاشتکار، محصول، غلطہ۔

سوال نمبر ۵ و ۶

۱۔ قدامت کے اعتبار سے جے پور کی تصانیف میں سب سے پہلا نمبر ایک کتاب "ابرِ رحمت" کا آتا ہے۔ یہ ۱۴ صفحے کی ایک منظوم تصنیف ہے جو ۱۳۰۵ھ میں یوسفی پریس میں چھپی ہے۔ یہ کتاب سلطان الدین صاحب مبین کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد کتابیں جو اپنے موضوع کے اعتبار سے اہم ہیں، موجود ہیں اور ضرورت پڑنے پر مکمل فہرست پیش کی جا سکتی ہے۔

۲۔ جے پور میں اُردو زبان کی ترقی د اشاعت میں سینکڑوں اصحاب نے حصہ لیا ہے لیکن ان میں سے جو زیادہ ممتاز ہیں، اُن کے نام یہاں

درج کیے جا رہے ہیں اور پھر اِن اصحاب کو تین مختلف شعبوں میں اُردو کی خدمت کرتا ہوا پاتے ہیں۔ اوّل اہلِ فقر و تصوف، دوّم علما اور اہلِ درس سوّم شعرا اور ادیب، اِن اصحاب میں شامل ہیں۔ اہلِ فقر و تصوف میں حسب ذیل قابلِ ذکر ہستیاں ہیں:-

۱۔ مولانا ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی۔
۲۔ میاں مسکین شاہ صاحب، خلیفہ حضرت مولانا نیاز احمد صاحب بریلوی۔
۳۔ میاں امانی شاہ صاحب فخری۔
۴۔ میاں درویش محمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ۔

اہلِ علم و اساتذہ مدارس میں سے قابلِ ذکر لوگ یہ ہیں:-

۱۔ مولوی رشید الدین صاحب فائز و منتظر نارنولی۔
۲۔ مولوی سلیم الدین صاحب تسلیم نارنولی۔
۳۔ مولوی سلطان الدین صاحب مبین۔
۴۔ مولوی کرامت علی صاحب اعجاز مفتی ریاست۔
۵۔ قاضی محمد حسین صاحب رضی۔
۶۔ مولوی سید امیر علی صاحب۔
۷۔ مولوی جلال الدین صاحب جلالی رامپوری۔
۸۔ مولوی سید امیر حسن صاحب تنہا۔
۹۔ مولوی غضنفر علی صاحب۔
۱۰۔ مولوی نجف علی صاحب۔

ادیب اور شاعر اور دیگر حضرات میں سے حسب ذیل قابلِ ذکر ہیں:-

۱۔ سید احمد مرزا خاں آگاہ دہلوی تلمیذ غالب۔
۲۔ سید امراؤ مرزا صاحب انور تلمیذ ذوق۔
۳۔ سید ظہیر حسن صاحب ظہیر تلمیذ ذوق۔
۴۔ میر مہدی حسن مجروح۔
۵۔ حکیم محمد سلیم خاں خستہ شریفی دہلوی۔
۶۔ خواجہ قمر الدین خاں راقم
۷۔ مرزا محمد تقی بیگ صاحب مائل۔
۸۔ منشی پنّا لال صاحب غنی و ناظم خوشنویس۔
۹۔ منشی ہیرا لال صاحب مونس خوشنویس۔
۱۰۔ منشی کنھیّا لال صاحب منشی۔
۱۱۔ منشی منسا رام صاحب ہاتفی
۱۲۔ منشی شام لال صاحب طالب۔
۱۳۔ منشی چھیتر مل صاحب مجبور۔
۱۴۔ مولوی سید نظیر حسن خاں سخا۔
۱۵۔ مولوی سراج الدین صاحب کنتوری سراج۔

اہل فقر و درویشی کا فیضان خانقاہوں میں جاری تھا، اہلِ درس کا میدان اورینٹل کالج تھا۔ مولوی رشید الدین صاحب اور مولوی سلیم الدین صاحب کا اس مدرسہ سے سرکاری طور پر تعلق تھا اور ان دونوں عالموں کا دولت خانہ آستانِ درس و تدریس بنا ہوا تھا۔ ہر سال بڑی تعداد میں طلبا

مولوی فاضل، منشی فاضل کے امتحانات پاس کرتے تھے۔ غرض اس صحبت نے بڑے ادیب، شاعر اور صاحب علم ہستیاں پیدا کیں اور اب بھی منشی امیر الدین خاں صاحب اسی زمانے کی یادگار باقی ہیں۔

ایک طرف یہ علمی طبقہ دادِ علم و فضل دے رہا تھا۔ تو دوسری طرف شعرا کا جرگہ اُردو کو ہر دلعزیز بنانے میں مصروف تھا۔ اوّل تو وہ زمانہ ہی تعصب و دشمنی سے بالاتر تھا۔ ہندو مسلمان بلا امتیاز مذہب و ملت ادبیاتِ اُردو کی ترقی میں برابر کے حصے دار تھے۔ دوسرے شہرت و عزت کی خواہش نے بڑے بڑے فاضل ہندوؤں کو گھر کے گوشے سے نکال کر مجلس مشاعرہ تک پہنچا دیا تھا اور وہ کسی طرح مسلمانوں سے پیچھے نہ تھے جس طرح مولوی رشید الدین احمد صاحب اہل علم کا مرکز تھے اور انھیں اس مسئلہ میں رہبری و ہدایت کی ممتاز جگہ حاصل تھی، اسی طرح مولوی سراج الدین احمد صاحب سراج شعر و شاعری کے چشم و چراغ اور پیکرِ ادبیات کے روح و رواں تھے۔

سوال نمبر ۷

اس زمانے میں حسب ذیل حضرات اُردو زبان کی ترقی اور فروغ میں بطور خاص کوشش کرتے ہیں اور کسی نہ کسی نوعیت سے زبان کی خدمت کرتے ہیں۔

۱۔ منشی سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی۔
۲۔ منشی محمد اسمٰعیل صاحب رزمی۔
۳۔ منشی محمد ایوب خاں صاحب فضا۔

۴۔ منشی امیر الدین خاں صاحب۔
۵۔ منشی چند بہاری لال صاحب صبا جاگیردار، جانشین حضرت مائل۔
۶۔ مولوی عبد السلام صاحب خیال۔
۷۔ مولوی عبد الوہاب صاحب عاصم۔
۸۔ پروفیسر حامی الدین خاں۔
۹۔ مولوی قدیر بخش صاحب۔
۱۰۔ مسٹر مشکور علی برق۔
۱۱۔ سید اشرف علی صاحب فاضل۔
۱۲ مسٹر محمد اطہر صاحب نفیس سندیلوی۔

(۳)

چند ضروری یادداشتیں

۱۔ ویدک کانفرنس جے پور ۱۹۲۶ء میں زیر صدارت پنڈت مدن موہن مالویہ منعقد ہوئی تھی۔ اسی ذیل میں پنڈت مالویہ کی تحریک پر اس قسم کی تجویز پیش ہوئی تھی کہ اس ریاست میں اسلامی ریاستوں سے بھی زیادہ اُردو زبان کا زور ہے، لہذا مرکز (شہر جے پور) کو چھوڑ دیہاتی مدارس کے ذریعے ہندی کی نشر واشاعت کی جائے۔ چنانچہ اسی تحریک کی بنا پر تمام مدارس شیخاواتی (علاقہ جے پور) کی ابتدائی جماعتوں میں ہندی کی تعلیم شروع کردی گئی اور غریب مسلمان بچوں کو خواہ مخواہ ہندی پڑھنا پڑتی ہے۔

۲۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے اجلاس منعقدہ اجمیر ۱۹۲۸ء میں ریاست جے پور کے متعلق بھی کچھ ریزولیوشن منظور کیے تھے اُن کو بجنسہٖ درج ذیل کیا جارہا ہے:-

"یہ کانفرنس دربار جے پور سے درخواست کرتی ہے کہ عربی اور فارسی کے لیے اورینٹل کالج جو ۱۹۰۷ء تک قایم تھا اور بہت مفید ثابت ہوا تھا دوبارہ جاری کرے۔"

"اس کانفرنس کی رائے میں مسلم مڈل اسکول جے پور جو سارے راجپوتانہ میں اپنی قسم کا واحد انسٹی ٹیوشن ہے، راجپوتانہ میں مسلمانوں کی تعلیم کو بہت نفع پہنچا رہا ہے۔ اس لیے یہ کانفرنس راجپوتانہ کی مسلمان ریاستوں اور مسلمان قوم سے بالخصوص اور تمام ہندستان کی مسلمان ریاستوں اور مسلمان قوم سے بالعموم درخواست کرتی ہے کہ ہر ایک امکانی طریقے پر

اس مدرسے کی مدد کریں، تاکہ وہ سارے راجپوتانہ کے واسطے ایک تعلیمی انسٹی ٹیوشن بن جائے"۔

۳۔ اسی کانفرنس میں راجپوتانہ کے مسلمانوں کے متعلق ایک رپورٹ پیش کی گئی تھی، اُس سے جے پور کے متعلق بعض اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ اس رپورٹ کو منشی امیرالدین خاں، سکریٹری مسلم مڈل اسکول و اسلامی پنچایت نے مرتب کیا تھا۔ چناں چہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

"انتزاعِ سلطنتِ اودھ اور غدر کے بعد جو لُٹا کھُٹا قافلہ لکھنؤ مٹیا برج اور دہلی سے جے پور آگیا اُس کو آگے نہیں بڑھنے دیا اور بقدرِ صلاحیت رزق و روزی کا سامان کر دیا، چنانچہ غدر کے بعد ایک ایسا زمانہ گزرا کہ بڑے بڑے ادیب مثلاً ظہیرؔ، انورؔ، رونقؔ، راقمؔ، آگاہ اور حضرت مولانا سلیم الدین تسلیمؔ، مولوی جلال الدین جلالی اور مولوی سراج الدین کنتوری وغیرہ یہاں جمع ہو گئے اور بہ لحاظ ادب و علوم مشرقی خاص خاص شہروں کے بعد جے پور شمار ہونے لگا۔ باقیاتِ صالحات میں اب تک ہندستان کے بہترین غزل سرا، میرزا مائلؔ یہیں ترنم ریز ہیں۔ (مائل صاحب کا اب انتقال ہو چکا ہے)

اسی رپورٹ میں ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ:-

"ریاست کو بارہا ہندو مسلمانوں کی مشترکہ یادداشت کے ذریعے سے اورینٹل کالج قایم کرنے کے لیے، توجہ دلائی گئی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی، حالانکہ اسی سلسلے میں سنسکرت کالج کو روز افزوں ترقی دی جا رہی ہے اور طرہ اس پر یہ ہے کہ اُس کے دروازے بھی مسلمانوں کے لیے بند ہیں"۔

۴۔ بیان کیا جاتا ہو کہ مہاراجہ مادھو سنگھ اپنے وزیر اعظم پر ریاست کے کاروبار چھوڑ کر بے فکر ہو جایا کرتے تھے اور اس طرز عمل سے وزیر کو ریاست کے کل اور جز پر حاوی ہو جانے کا موقع مل جاتا تھا۔ غالباً ۱۹۰۶ء میں ایک بنگالی بابو مسٹر سنسار چندر وزیر اعظم ہو کر آئے۔ اسی زمانے میں یہاں ایک پارٹی اس غرض سے بنائی گئی کہ ریاست کے دفاتر سے اُردو کو خارج کیا جائے اور ساتھ ہی مسلمان ملازمین کی تعداد گھٹائی جائے۔ اس پارٹی میں جے پور کے ذی اثر اور صاحب اقتدار ہندو بھی شامل تھے۔ چناں چہ اس سازش کے ایک پہلو پر افسران سرکاری نے عمل شروع کر دیا یعنی جب کوئی مسلمان ملازمت کی درخواست لے کر کسی صیغے میں جاتا تو اُس کو صاف جواب دے دیا جاتا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ کسی طرح اس شعبے پر قبضہ کر کے ہندی کو رائج کرنے کا کام شروع کیا جائے۔ مسلمانوں کی موجودگی میں راز فاش ہونے کا اندیشہ تھا اور پھر یہ بھی خطرہ تھا کہ شور وغل مچنے سے کام بگڑے گا۔

اُس کے بعد دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ سرکاری مدارس میں سے اُردو پڑھنے والے طلبا کو آہستہ آہستہ ہندی کلاس میں منتقل کرنا شروع کیا، دیہات کے تمام مدارس میں ہندی کر دی گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے اُردو پڑھانے کا معقول انتظام تھا؛ محکمۂ تعلیمات کے ملازمین سے اگر یہ غلطی ہو جاتی کہ اپنی رخصت وغیرہ کی درخواست یا کوئی تحریر اُردو میں دے دیتے تو جرمانہ ہوتا تھا۔ اس عمل سے پہلے اُردو پڑھنے والوں کا اوسط ۶۰ فیصدی ہوتا تھا، مگر بعد میں ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اس وقت تعلیمات کے ڈائریکٹر مسٹر سنجیون گنگولی تھے۔

وزیر اعظم اور ڈائریکٹر تعلیمات کے عہد حکومت کے آخر میں اُردؤ کے ساتھ علانیہ مذکورۂ بالا عمل جاری ہوگیا۔ ورنہ اس سے پہلے اِن کی کوشش یہ تھی کہ اپنی سازش میں زیادہ سے زیادہ ہندؤ رعایا کا تعاون حاصل کریں۔ سنسار بابو وزیر اعظم کے انتقال کے بعد نواب فیاض علی خاں وزیر اعظم ہوکر آئے، ظاہر ہے کہ نواب صاحب اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ نواب صاحب کو جب اِن سازشوں کا علم ہوُا تو انھوں نے ان کو ختم کردینے کا ارادہ کرلیا۔ اس کوشش کا ذکر آگے آئے گا۔

اس ہندی نواز پارٹی نے ایک لائبریری اور دارالمطالعہ بھی کھول رکھا تھا، اس میں خصوصیت کے ساتھ اُردؤ کے خلاف لٹریچر فراہم کرکے رکھا گیا تھا اور ممبران کو اس کی اشاعت پر مجبور کیا جاتا تھا۔ نواب صاحب نے اس پارٹی کو منتشر کرنے کے لیے تبادلہ کا حربہ استعمال کیا۔ ڈائریکٹر تعلیمات کو محکمہ حساب میں منتقل کرکے ایک بے تعصب ہندؤ مسٹر مکھن لال ایم۔اے کو اِن کی جگہ پر مقرر کیا، لیکن اس کے بعد بھی ہندی والوں کی مفسدہ پردازیوں کا خاتمہ نہ ہوا اور اِن میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

اسی زمانے میں لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکا گیا اور ریاستوں میں بھی بڑی دیکھ بھال کی جانے لگی کہ کہیں بم باز پارٹیاں ریاستوں میں تو پرورش نہیں پارہی ہیں۔ بس نواب صاحب کے لیے اس سے بڑھ کر کون سا موقع مل سکتا تھا۔ باغیانہ لٹریچر کی وجہ سے کتب خانہ بند کرادیا گیا۔ تمام کتابیں بحق سرکار ضبط قرار دی گئیں، مختلف افراد اور جماعتوں کے مچلکے اور ضمانتیں داخل کرائے گئے، غرضیکہ اس ہتھکنڈے سے اُردؤ دشمن پارٹی کا خاتمہ ہوگیا اور جب تک نواب صاحب برسرِ اقتدار رہے، سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔

۵۔ ریاست جے پور میں "دائروں" کے نام سے متعدد مذہبی ادارے قایم ہیں۔ یہ ادارے قدامت کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کے مالک ہیں، ان میں پُرانی کتابوں کے ذخیرے محفوظ ہیں۔ یہ پوتھی خانہ (سرکاری کتب خانہ) بھی اپنی قدامت کے لیے مشہور ہے اور اس میں سینکڑوں دستاویزوں، تحریروں کے علاوہ کثرت سے قلمی کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تھوڑی سی فرصت میں ان سب کو دیکھ کر مفید مطلب کاغذات حاصل نہیں کیے جا سکتے اگر محض پوتھی خانے کو دیکھا جائے تو بھی کم از کم دو ماہ کی مہلت درکار ہے۔ یہی حال دائروں کا ہے۔ اِن ذخیروں پر لاہور والوں کا حملہ ہوتا رہتا ہے، حافظ محمود شیرانی اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ حافظ صاحب قبلہ اپنی طویل تعطیلات جے پور کے دیہات اور قصبوں میں گزارتے ہیں، علاوہ اِن ذخیروں کے بعض افراد کے پاس بھی کتابوں کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ مثلاً مولانا سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی کے ہاں دیوان معروف، دیوان بیدار، دیوان والہ ہروی، کلیات طیّبات (مکتوبات شہنشاہ اورنگ زیب) دیوان فطرت (عالمگیری)، دیوان واضح (عالمگیری)، مثنوی خواجو کرمانی، قصائد سنائی وغیرہ کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

۱۔ ریاست جے پور کا سکّہ علیحدہ ہے اور قدیم سے چلا آتا ہے۔ اس سکے پر اُردو حروف کندہ ہیں۔ ہندی کا پتا بھی نہیں ہے۔

۲۔ جنرل سیکریٹری جے پور راجیہ پرجا منڈل نے حال ہی میں رعایائے

جے پور کے مطالبات اخبارات میں شایع کرائے ہیں۔ اُس میں ایک مطالبہ یہ ہے کہ :-

"رعایا کی شکایات کی ہمدردی اور بلا تاخیر کے شنوائی کی جائے۔ عدالت کے لیے ایک سیدھی سادی زبان اختیار کی جائے جس کی جگہ کو اس وقت ناجائز طور پر انگریزی نے لے لی ہے۔"

ٹھکانہ ہائے جے پور (جاگیرات)
علاقۂ شیخاواتی

ریاست جے پور میں ٹھکانوں کے نام سے متعدد جاگیریں ہیں۔ ان جاگیروں میں سے بعض اتنی بڑی ہیں کہ انھیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں شمار کیا جا سکتا ہے مگر یہ سب دربار جے پور کی ماتحتی میں ہیں۔ یہ ٹھکانے زیادہ تر جے پور کے علاقے شیخاواتی میں ہیں۔ یہ علاقے عام طور پر "نظامت شیخاواتی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ہم اس علاقے پر نظر ڈال کر مجموعی حالت کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد بعض ٹھکانوں کے حالات علیحدہ لکھیں گے۔

اس پورے علاقے میں مسلمانوں کی آبادی، کل آبادی کے نصف سے زاید ہے۔ علاقے کے ٹھکانہ داروں کو اپنے عیش و عشرت سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ اپنی رعایا کی ترقی و فلاح کے راستے نکالیں، لہٰذا ٹھکانوں کی جانب سے مدارس بہت کم قایم ہیں، البتہ ریاست جے پور کی جانب سے صرف ایک ایسا اسکول ہے جس کا تعلیمی معیار اُردو مڈل ہے اور اس میں ۲۵ فی صدی مسلمان طلبا تعلیم پاتے ہیں۔

اس علاقے کی ہندو آبادی میں بڑے بڑے دولت مند لوگ موجود ہیں اور ان کی بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں بمبئی اور کلکتہ میں قایم ہیں۔ یہ سیٹھ اور دولت مند لوگ خود زیادہ تر اپنے وطن میں رہ کر تعمیری کاموں میں مصروف ہیں اور ان کی طرف سے ان کے ایجنٹ کاروبار کے نگراں ہیں، ان کی کثیر دولت مختلف مفید کاموں میں صرف ہو رہی ہے

ایک زمانہ تھا جب شیخاواتی کے سیٹھ ساہوکاروں کا رجحان یہ تھا کہ

ہر گاؤں میں ایک دھرم سالہ بنا دی جائے۔ چنانچہ کوئی قصبہ اور گاؤں ایسا نہیں ہے۔ جہاں عالی شان دھرم سالے نہ ہوں۔ اب پنڈت مالویہ کی کوششوں نے سیٹھ ساہوکاروں کی ذہنیت بدل دی ہے اور پاٹ شالوں کی بجائے گانو گانو، قریہ قریہ پرائمری اسکول، مڈل اسکول اور ہائی اسکول کھول دیے گئے ہیں۔ ان کے دروازے مسلمانوں پر قطعاً بند ہیں۔ خود سرکاری ملازم جو مسلمان ہیں۔ اپنے بچوں کو ان میں داخل نہیں کرا سکتے۔ اجمیر میں شکشا منڈل قایم ہے جس نے اس علاقے میں مدارس کا جال پھیلا رکھا ہے۔ اس منڈل کے ملازم زیادہ تر برہمن ہیں، ان میں بھی اکثریت یو۔پی کے برہمنوں کی ہے۔ جن کی ذہنیت ان کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں نے جا بجا پرجا منڈل کے نام سے جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ بھولے بھالے دیہاتیوں کو ہمدردوں کا سا روپ بنا کر آسانی سے پھانس لیتے ہیں۔ یہ تنظیم کی جارہی ہے کہ ان پرجا منڈلوں کے پلیٹ فارم سے جو آواز بھی اٹھائی جائے ناکام نہیں ہو سکتی اور ان سے خطرہ ہے کہ کسی وقت ضرور یہ اس قسم کا مطالبہ کریں گے جس سے اُردو کی موجودہ حیثیت کو بھی نقصان پہنچے۔

کل علاقے میں تقریباً مکتبوں کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ ان میں سے صرف پچاس اُردو کے مکتب ہیں اور ان کی حالت بہت خراب ہے۔ یہ مکتب گورنمنٹ کی جانب سے کھُلے ہیں۔ جن مکتبوں میں یا پرائمری اسکولوں میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہے وہ آبادی کے ایسے مقامات پر واقع ہیں کہ کم از کم غریب آدمیوں کے بچوں کا وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔

یہ تو مدارس کی حالت ہے۔ کتب خانوں کا پتا بھی نہیں ہے۔ البتہ بعض پُرانے خاندانوں میں کتابوں کے ذخیرے موجود ہیں۔ اوّل تو عام لوگوں کی

ان تک دسترس نہیں ہے۔ دوسرے یہ ذخیرہ عالم لوگوں کی دلچسپی کا نہیں ہے۔ سرکاری دفاتر میں ابھی تک تو کثرت سے اُردو ہی استعمال ہو رہی ہے، لیکن ہندی تعلیم کی رفتار کسی دن اس کو مٹا کر چھوڑے گی۔

غرض مجموعی طور پر اس علاقے کی حالت اچھی نہیں ہے، کچھ تو اس وجہ سے کہ ریاست کے محکمۂ تعلیم کی پالیسی قابل اصلاح ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ علاقے کے دولت مندوں کا روپیہ بہت دریا دلی کے ساتھ ہندی کی نشر و اشاعت اور اسی قسم کی دوسری تحریکات پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو اس علاقے کے مقتدر مسلمان خاندانوں کو اس طرف توجہ دلا کو حالت درست کرنے پر تیار کیا جا سکتا ہے۔

اس علاقے کے بعض تعلیمی اداروں کا مختصر حال اس رپورٹ میں شامل کیا جاتا ہے، اس سے ان کی کیفیت معلوم ہو سکے گی:-

۱۔ "پلانی کالج" اس کا تعلیمی معیار انگریزی میں الف، اے تک ہے۔ سیٹھ پلانی اس کے مصارف کے کفیل ہیں۔ اُردو کی تعلیم کا مطلق انتظام نہیں ہے۔ اس لیے یہ سنسکرت کالج کہلاتا ہے۔

۲۔ "سیکر ہائی اسکول" ٹھکانہ سیکر سے اس کے مصارف ادا کیے جاتے ہیں، اس میں اُردو کا انتظام بھی ہے۔

۳۔ "نول گڑھ ہائی اسکول" اس کے مصارف ایک سیٹھ ادا کرتا ہے۔ اُردو کی تعلیم کا اس میں کوئی انتظام نہیں ہے

۴۔ "کھتیڑی ہائی اسکول" ٹھکانہ کھتیڑی کی جانب سے اس کے مصارف ادا ہوتے ہیں۔ اس میں اُردو بھی پڑھائی جاتی ہے۔

۵۔ "بگڑ ہائی اسکول" ایک سیٹھ اس کے مصارف برداشت کرتا ہی۔ اُردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

۶۔ "سناتن دھرم مڈل اسکول جھونجھنوں" اس کے مصارف ٹھکانہ جھونجھنوں کے ساہوکار اور مہاجن ادا کرتے ہیں، اُردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہی۔

ٹھکانہ سیکر

سیکر جے پور سے شمالی کی جانب ۸۰ میل کی دوری پر واقع ہی۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت خاصی ہی اور ان میں سے بعض چھوٹے چھوٹے فرقے کافی مالدار بھی ہیں۔ اِس ٹھکانے میں مصاحب اعلیٰ کا عہدہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ اِن کے بعد کائستھ برادری کا عروج ہوا اور اس فرقے کے افراد مصاحبت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا بعض مواقع پر جے پور کے مسلمان افسروں کو اِس ٹھکانے کا سینیر افسر بنا کر بھیجا گیا۔ مگر ہمیشہ کائستھوں نے اُن کی مزاحمت کی۔ آخر کار کائستھوں نے رام گڑھ میں ہندو مسلم سوال پیدا کر دیا۔

اِس فساد کے نتیجے میں مسلمان سینیر افسر خان بہادر سید بہاؤ الدین صاحب دہلوی کو یہاں سے ناکام لوٹنا پڑا۔ اُن کے جاتے ہی مسلمانوں پر بڑے بڑے مظالم توڑے گئے، راؤ راجہ سیکر کو وفادار مسلمانوں نے نازک حالات کی طرف توجہ دلا کر انصاف کی درخواست کی، لیکن کائستھ پارٹی کا کچھ اس قدر

اثر تھا کہ مسلمانوں کو انصاف حاصل نہ ہو سکا۔

جب حالات بہت ابتر ہوئے تو راؤ راجہ صاحب کو ٹھکانے سے بے دخل کر دیا گیا اور کپتان ویب کے سپرد ٹھکانہ کا انتظام ہؤا۔ راؤ راجہ کے ختم ہوتے ہی کالیستھ پارٹی کا زور تو گھٹ گیا، لیکن اِدھر ہندو سیٹھ ساہوکاروں نے انگریز افسر پر ڈورے ڈالے اور یہ لوگ اس انگریز پر اتنے چھا گئے کہ یکایک ۱۹۳۴ء میں ہندی کے احکام جاری کرا لیے۔ مسلمانوں کی جانب سے بعض اخبارات میں مضمون نگاری کرنے کے سوا اس سلسلے میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔ سوائے پولس دفتر کے تمام دفاتر میں ہندی استعمال ہونے لگی۔ اور یہ سب کچھ کپتان ویب کی ہندی نوازی کا کرشمہ تھا حالانکہ خود مسٹر ویب اور اُن کی بیوی بلا تکلف نہایت عمدہ اُردو بولتی تھیں۔

تھوڑا بہت جو اخباری پروپیگنڈا کیا گیا تھا اُس کا اثر یہ ہؤا کہ کچھ دنوں کے لیے اِس حکم کو واپس لے لیا گیا۔ گویا اس پر شدت سے عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ورنہ باقاعدہ اس حکم کی واپسی کے کوئی احکامات نہیں، صرف شور وغل اور اخباری احتجاج کو بند کرنے کے لیے تھوڑے عرصہ کے لیے اُس حکم کو التوا میں ڈال دیا گیا تھا۔ ابھی اسے زیادہ عرصہ نہ ہؤا تھا مسٹر کنور لعل سابق پبلک پراسیکیوٹر ریاست جے پور کو ٹھکانے کا جوڈیشل کمشنر مقرر کیا گیا اور ۱۹۳۶ء میں اُنھوں نے دفاتر میں ہندی کا استعمال شروع کرا دیا اور سختی سے حکم دے دیا کہ کوئی درخواست وغیرہ اُردو میں پیش نہ کی جائے۔ مزید برآں اُردو کے الفاظ کے استعمال پر فی لفظ ایک آنہ جرمانہ بھی وصول کیا جانے لگا۔

۱۹۳۲ء تک ٹھکانہ سیکر کے کسی مسلمان طالب علم نے میٹرک کا امتحان

پاس نہیں کیا تھا۔ خاص سیکر میں سرکاری طور پر ایک ہائی اسکول، ایک پرائمری اسکول اور ایک ہندو گرلز اسکول قایم ہے۔ سید اشرف علی صاحب اور جناب علیم خاں صاحب مرحوم نے ایک مسلم پرائمری اسکول قایم کیا تھا اور ٹھکانے کی طرف سے تیس روپیہ ماہانہ امداد بھی ملتی تھی، مگر آج کل یہ اسکول مسلمانوں کی نااتفاقی کا شکار ہو رہا ہے۔

ٹھکانے کی جانب سے ہندواداروں کو ہزاروں، لاکھوں روپیہ کی امداد ملتی ہے۔ لیکن مسلمان قوم مجموعی حیثیت سے اس داد و دہش سے مستفید نہیں ہوتی۔ یہاں کے ہندوؤں کا تعلق زیادہ تر کلکتہ سے ہے، اس لیے کلکتہ سے ہندی زبان میں شایع ہونے والے اخبارات و رسائل اپنے مضامین اور کارٹونوں میں مسلمانوں کے خلاف بائیکاٹ کی تحریک کو اُکساتے ہیں۔ چنانچہ چار پانچ سال تک علاقے میں مسلمانوں کا بائیکاٹ رہا۔ رام گڑھ، لچھمن گڑھ اور فتح پور کی مسلمان آبادی تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ سیکر ہائی اسکول سے دو تین سال کے عرصے میں تقریباً ایک درجن مسلم طلبا میٹرک پاس کر چکے ہیں۔

غرضیکہ عموماً مسلمان کی تعلیم پر سیکر کے خزانے سے روپیہ صرف نہیں کیا جاتا تھا۔ اب کہیں قایم خانیوں کے بعض گانوں میں اسکول کھولے گئے ہیں لیکن ان کا معیار پرائمری مدارس سے بھی کم ہے۔ اول تو مسلمان کی مالی حالت ہی اس کی تعلیمی ترقی میں مانع ہے اور اگر مالی حالت درست بھی ہو تو مسلمانوں کی نظر میں تعلیم کو ابھی تک اہمیت حاصل نہیں ہے۔ جدید تعلیم جاری ہوئے ۴۰ ، ۵۰ برس کا زمانہ گزر چکا ہے۔ مگر مسلمان اس سے دور ہی رہے ہیں۔

برخلاف اس کے ہندوؤں کے متعدد کالج اور اسکول اس علاقے میں موجود ہیں۔ سنسکرت کے متعدد گروکل قایم ہیں اور یہ سب کے سب سیٹھ برلا کی

فیاضیوں کا نتیجہ ہیں۔ سیٹھ جمنالال بجاج کا چرخہ سنگھ خاص سیکر میں قایم ہو اور اور اس سنگھ نے کھدر کی ساری تجارت مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کے ہاتھوں میں پہنچا دی ہو۔

سیکر میں جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا دم بہت غنیمت ہو۔ ان صاحب نے اپنی مخلصانہ کوششوں سے چند نوجوانوں کو پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرائے۔ انھیں کا خاندان سیکر میں ایسا ہو جو ہمیشہ سے علم و فضل کا گہوارہ ہو۔ مولوی صاحب کا ذاتی کتب خانہ بھی ہو جس میں عربی و فارسی کی ڈیڑھ ہزار کے قریب نادر کتابیں ہیں۔ علیم خاں صاحب مرحوم اور سید اشرف علی صاحب نے ۱۹۳۰ء میں ایک کتب خانہ قایم کیا تھا لیکن کتابیں دوستوں کی، نذر اور کتب خانہ بند ہو گیا۔

بہرحال ضرورت ہو کہ یہاں کے اُردو دوست حضرات کو اُردو کے کام کرنے پر آمادہ کیا جائے تاکہ نہ صرف مسلمانوں کی تعلیم کو اس طرح فائدہ پہنچے بلکہ لوگوں میں اپنی زبان کی حفاظت کا احساس بھی ہو۔

ٹھکانہ چوموں

ٹھکانہ چوموں میں زمانۂ قدیم سے دفاتر میں اُردو اور ہندی دونوں رسم الخط اور زبانیں استعمال ہوتی رہی ہیں۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں اُردو کو کیا خود مسلمان قوم پر چوموں میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ تلاوت قرآن، اذان اور دیگر مذہبی ارکان کی ادائی ممنوع قرار دی گئی تھی اور یہ سلسلہ کچھ

اس قدر بڑھا تھا کہ پورے راجپوتانہ کے مسلمان بے چین و بے قرار ہوکر فساد کی آگ میں کود پڑے تھے اور مسلم قوم کے بڑے بڑے لیڈروں اور برطانوی حاکموں کی کوششوں سے یہاں کے مسلمانوں کو زندگی کے ابتدائی حقوق حاصل ہوئے تھے۔ اس میں مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان بھی ہوا تھا۔

چوموں کے سرکاری مدرسے میں پہلے اُردو کی تعلیم جاری تھی، لیکن ۲۰ برس کا عرصہ ہوا کہ اس کو مدرسے سے خارج کر دیا گیا۔ اس پر مسلمانوں نے اپنا مدرسہ علیحدہ قایم کیا اور اس کے قیام میں ہندوؤں کی طرف سے مزاحمت، مداخلت اور ہنگامہ آرائی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ہندوؤں کی خواہش تھی کہ مدرسہ نہ کھلنے پائے مسٹر الیف۔ ایس ینگ کے بیچ میں پڑنے سے اس شورش اور کشمکش کا خاتمہ ہوا اور خدا خدا کرکے "دار العلوم جدید" کے نام سے ایک درسگاہ قایم ہوگئی۔

اس تعلیم گاہ میں آٹھ اساتذہ ایک سو پچاس طالب علموں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ تعلیم کا نصاب ریاستی مدارس کے مطابق ہے۔ دینی تعلیم مسلمانوں کے لیے لازمی ہے اور اس کے عوض میں ہندوؤں کے لیے اسلامی تاریخ کی تعلیم لازمی و ضروری ہے۔ ریاست میں مدرسہ قایم کرنے کے لیے بھی خاص اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چناں چہ اس مدرسے کی اجازت، الحاق اور امداد کے لیے ریاست میں خط و کتابت کی جارہی ہے عنقریب یہ مرحلے طے ہوجائیں گے۔

اس مدرسے کو دس روپیہ ماہانہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ سے امداد ملتی ہے۔ اور دس روپیہ ماہانہ کی امداد کا سرکار چوموں کی طرف سے وعدہ کیا گیا ہے جو عنقریب ملنا شروع ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ سرکار چوموں نے دار العلوم کی عمارت کی تعمیر کے لیے ایک زمین عطا کی اور ساتھ ہی پندرہ سو روپیہ

نقد بھی مرحمت فرمایا گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے چندے اور اس امداد کی بدولت اس مدرسے کے لیے ایک خوبصورت عمارت تیار ہو گئی ہے۔ البتہ بعض حصے نامکمل ہیں۔

چوموں میں انجمن ترقی اُردو کی شاخ بھی قایم ہے مگر اس شاخ کا نہ تو باقاعدہ دفتر ہے نہ سائن بورڈ! نہ کوئی عملہ ہے اور نہ فنڈ! پھر یہ انجمن کیسے چل رہی ہے اور اس نے اب تک کیا کام کیا ہے؟ اس انجمن نے چوموں کے سرکاری مدرسے میں پھر سے اُردو کی تعلیم کا بند و بست کرایا، مسلمان بچوں کو اُردو سے دلچسپی کا شوق دلایا، قصبے کے مسلمانوں میں اردو زبان کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ سارے راجپوتانے کی ریاستوں کو اردو کی پالیسی پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کیا اور باشندگان راجپوتانہ کو یاد دلایا کہ اُنھیں اردو زبان کی حفاظت کرنا چاہیے۔

بغیر کسی سامان اور فنڈ کے اتنے کام کیوں کر انجام کو پہنچے؟ یہ سب کام صرف ایک ذات کی مخلصانہ کوششوں اور بے لوث جذبۂ خدمت کا نتیجہ ہیں! اس ذات کو ہم **محمد بہلول خاں داناؔ** کے نام سے جانتے ہیں۔ داناؔ صاحب نے ۱۹۳۳ء میں اپنے استقلال، تنظیم کی صلاحیت اور غیر معمولی قابلیت سے نہ صرف اُردو کو مٹ جانے سے بچا لیا بلکہ چوموں کے متعصب ٹھاکر اور دوسرے مخالف فرقوں کو بتا دیا کہ ایک سیدھا اور سچا انسان دنیا کے موانع اور مشکلات پر کیوں کر غالب آسکتا ہے اور کس طرح اپنی حفاظت میں جان تک لگا دیتا ہے۔

داناؔ صاحب کو قید و بند کی آزمایش میں بھی مبتلا ہونا پڑا، دولت کی پیش کش بھی کی گئی اور ریاستی عہدوں کا لالچ دیا گیا، مگر یہ کسی قیمت پر نہ خریدے جا سکے اور اپنے مقصد کے حصول میں ایک پہاڑ کی طرح اڑے رہے، اپنے دوستوں اور عزیزوں کے طعنے سُنے، ملنے والوں کی پھبتیاں

برداشت کیں اور دشمنوں کے لائے ہوئے مصائب کا مقابلہ کیا مگر یہ کسی طرح گوارا نہ کیا کہ اپنی ذات پر زبان، مذہب اور قومی خصوصیات کو خیرباد کہ دیں یا اِن کے بدلے میں دنیا کے عارضی سامانِ راحت حاصل کرلیں۔

دنیا میں انسان کے لیے اسی قسم کے چند لمحات آزمایش کے ہوا کرتے ہیں۔ اگر وہ ان سے کامیابی سے گزر جائے تو سمجھو کہ آیندہ اُس کا مستقبل بڑا شاندار ہے۔ دانا صاحب ان سے گزر چکے بلکہ آج اُن کی ذات راجپوتانہ کے مسلمانوں کے لیے ایک فوج کا کام دے رہی ہے۔ اُن کی سابقہ حریت اور استقلال کی نہ صرف ریاست جے پور قائل ہے۔ بلکہ آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی اُن کے نام سے لرزتی ہیں، الور کے فساد میں اُنھوں نے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اُنھوں نے اب ارادہ کیا ہے کہ ریاست جے پور کے تمام علاقوں میں پھر کر اُردو مدارس قایم کرائیں گے اور اس سلسلے میں محکمہ تعلیمات سے خط وکتابت کر رہے ہیں۔ اور وزیر تعلیمات کو توجہ دلائی ہے کہ ریاست کے سرکاری اور امدادی پرائمری مدارس میں اُردو مدرسین کا کافی انتظام کیا جائے اور جن سرکاری مدارس میں طلبہ اُردو پڑھنے کے خواہش مند ہوں، وہاں اُردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اسلامی خانگی مدارس کو امداد عطا کی جائے۔ وزیر صاحب نے اِن اُمور پر توجہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

تعلیمی ادارے

۱- مدرسۂ تعلیم اسلام جے پور

یہ اسلامی درسگاہ علوم اسلامیہ کی بقا کے لیے ۱۳۳۰ھ میں قایم ہوئی جس میں دینی تعلیم کے ساتھ فارسی اور اُردو کی تعلیم دی جاتی ہو۔ اس کے بانی مولانا محمد ہدایت علی صاحب نقشبندی ہیں۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر منشی، منشی کامل، مولوی، عالم، فاضل اور اردو اعلیٰ قابلیت (الہ آباد) کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہو، اور ساتھ ہی دوسرے مضامین مثلاً جغرافیہ، تاریخ، الجبرا وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ مدرسہ مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہو۔ بانیٔ مدرسہ نے بڑی کوشش سے کچھ سرمایہ جمع کر کے ایک عمارت تعمیر کی جس کے کرایہ سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ وصول ہوتا ہو اور اسی سے مدرسہ چلتا ہو۔ اس کے علاوہ ہمدردان مدرسہ متفرق امداد بھی دیتے رہتے ہیں۔ مگر یہ آمدنی ضروریات مدرسہ کے لیے ناکافی ہو۔ ابھی اس درسگاہ کو مستقل بنانے اور ترقی دینے کے لیئے بہت جدوجہد کی ضرورت ہو۔

۲- مسلم ہیلپنگ اسکول و ممبران لٹریری کارپوریشن جے پور

۱۹۳۱ء میں چند نوجوان مسلمانوں نے مسلمان طلبہ کی اس ضرورت کو محسوس کر کے کہ غریب طلبہ جن کی تعداد مسلمانوں میں زیادہ ہو وہ اپنے لیے اپنے مکانوں پر پرائیوٹ ٹیوٹر مقرر نہیں کر سکتے مسلم ہیلپنگ اسکول

کی بنیا ڈالی اور نہایت خاموشی سے کام شروع کر دیا گیا۔ کچھ عرصے تک پرائمری طلبا کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا لیکن مسلمان طلبا کی بڑھتی ہوئی ضروریات نے نوجوانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اسکول کو آٹھویں کلاس تک کھول دیں چناں چہ سرکاری اور پرائیویٹ اسکولوں کے مسلمان طلبا جوق در جوق آکر اس مدرسے میں اپنے درس کو دوبارہ پڑھتے ہیں۔ سَو کے قریب طالب علم آتے ہیں۔ اور انگریزی اُردو۔ تاریخ جغرافیہ ارتھمیٹیک وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ چند نوجوانوں کی آواز تھی۔ اس آواز پر بیسیوں فارغ التحصیل مسلمان نوجوانوں نے لبیک کہا۔ جو آج خاموشی سے قوم کے نوجوانوں کی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ان میں ایم۔ اے بھی ہیں، فاضل بھی ہیں، میٹرک بھی ہیں۔ جو اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ جہاں سرکاری نصاب کے مطابق پڑھائی کا انتظام ہے وہاں اُن لوگوں کے لیے بھی تعلیم کا انتظام ہے۔ جو اپنی عزیز عمر کو اپنی خانگی مجبوریوں کی وجہ سے بیکار کھو چکے ہیں۔ ان کو آگے بڑھانے کے لیے پنجاب یونیورسٹی، الٰہ آباد یونیورسٹی کے منشی کلاس و ادیب کلاس بھی دو سال سے کھول دیے گیے ہیں۔ تاکہ وہ ایک زبان کا امتحان پاس کر کے آیندہ انگریزی زبان کو حاصل کر سکیں، جو حصول ملازمت و معاش کے لیے ریاست میں ضروری ہے۔ ان نوجوانوں میں بانیٔ مدرسہ منشی معین الدین احمد صاحب مسرور احمد صاحب توقیر بی۔ اے، مشکور علی صاحب برق قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد نوجوان اپنا بیشتر وقت مسلم ہیلپنگ اسکول کو مسلسل دے رہے ہیں۔

انھیں مخلص نوجوانوں نے اُردو ادب کی خاموش خدمت کے لیے لٹریری کارپوریشن قایم کر رکھی ہے جہاں نوجوانوں کو بحث مباحثہ و تبادلۂ خیال کا موقع ملتا ہے۔ لٹریری کارپوریشن کا اپنا دارالمطالعہ ہے جس میں متعدد اُردو اخبارات

اور رسائل آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادبی، اخلاقی کتابوں کا ذخیرہ بھی ہے۔ اس کا مقصد ترقی و ترویج زبان اُردو ہے، ۵۰ کے قریب ممبر ہیں۔ ان میں ہندو صاحبان بھی شامل ہیں۔

یہ سب مخلص نوجوان بلا کسی معاوضہ کے مسلم ہیلپنگ اسکول میں بھی کام کر رہے ہیں۔ اور ان میں بیشتر افراد خود متعلم ہیں یا ملازم اور جنھوں نے اتفاق و یگانگت کا ایسا مظاہرہ کیا ہے جس کی مثال جے پور میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے سکریٹری شکور علی صاحب برق ہیں۔

۳۔ بزم ادب قدیم

یہ بزم ۱۸۹۴ء میں قایم کی گئی، جے پور والوں کا موجودہ مذاق ادب و شاعری بہت کچھ اس بزم کا رہینِ منت ہے۔ اس بزم کے عناصر کچھ ایسے تھے کہ اس نے بڑے بڑے کام کیے۔ اس بزم سے متعلق ایک تنقیدی کمیٹی بھی تھی، اس کمیٹی کا کام صرف یہ تھا کہ وہ شعرا کے کلام پر تنقید کرے اور بڑے بڑے اساتذہ بھی اس کمیٹی کی تنقید سے محروم نہ تھے، اس بزم نے "جوہر سخن" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا تھا جو اس بزم کا آرگن سمجھا جاتا تھا اور ساتھ ہی اس میں شعرا کا کلام بھی شایع کیا جاتا تھا۔

اس بزم نے مشاعروں کے ذریعے اُردو زبان کی کافی خدمت کی ہے۔ ۱۹۲۳ء کی ہنگامہ آرائیوں کے زمانے میں "اُردو ڈیفنس کمیٹی" کا قیام اس بزم کے وزن و وقار کے لیے کافی ہے۔ درمیان میں کچھ عرصے کے لیے اس کے کام کی رفتار سست ہو گئی تھی، لیکن ۱۹۳۵ء سے دوبارہ

زندہ کی گئی ہے۔ چناں چہ ۱۹۳۵ء کا آل انڈیا مشاعرہ بھی اسی بزم کا کارنامہ ہے۔
اس بزم میں شہر کے شرفا اور معززین شریک ہیں۔ گو عمل میں قدیم سی سرگرمی تو نہیں ہے پھر بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اس بزم کے کارکن حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہر۔	صدر
۲۔ مولوی سید انوار الرحمٰن صاحب بسمل۔	نائب صدر
۳۔ منشی محمد یوب خاں صاحب فضا۔	سکرٹری
۴ ممبران:۔	

مولوی عبدالسلام صاحب خیال، منشی چند بہاری لال صاحب ضیا، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رزمی، شوکت حسین صاحب آثر، ذاکر حسین صاحب رعنا۔

۴۔ اسلامی پنچایت جے پور۔

مارچ ۱۹۲۶ء میں یہ پنچایت قایم ہوئی اور محکمہ خاص سے اس کی منظوری حاصل کی گئی۔ اس کے دو مقاصد ہیں:۔

۱۔ مسلمانوں میں ہر طرح کی تعلیم پھیلانا۔

۲۔ اصلاح رسوم اور مالی حالت درست کرنا۔

ایک اسکول اپر پرائمری تک قایم کیا گیا جو اب مڈل اسکول ہے اور عنقریب انشاء اللہ ہائی اسکول بننے والا ہے۔

جے پور کے مسلمانوں میں صرف مفلسی کی وجہ سے ہی تعلیم کی طرف

عدم رغبتی نہیں تھی بلکہ یہاں کا ایک مقتدر مذہبی گروہ انگریزی تعلیم کے خلاف تھا، اس وجہ سے یہاں جے پور کے اصلی باشندے، جن میں شہر اور علاقے کے تمام اہلِ حرفہ و مزدور و کاشتکار شامل ہیں، انگریزی پڑھنا گناہ سمجھتے تھے۔ اسلامی پنچایت کے ارکان نے سالہا سال مساجد اور خانقاہوں میں وعظ کے ذریعے سے اور علماء و صوفیا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کر کے طبقۂ عوام میں جدید تعلیم کی طرف رُجحان پیدا کیا۔ اب تک پڑھنا لکھنا صرف اُن خاندانوں تک محدود تھا جو باہر سے بسلسلۂ معاش یہاں آئے مگر یہاں کے خاص باشندوں کی طرف کبھی کسی نے توجہ نہیں کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کا عام طبقۂ آبادی جس کو ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے تعلیمی اور تمدنی ہر طرح کی ترقی سے محروم رہا۔ اسلامی پنچایت نے خصوصیت کے ساتھ اس طبقے کی طرف توجہ کی۔ چناں چہ اب رنگریزوں، موچیوں، کٹھیاروں، منہاروں اور مزدوروں تک میں تعلیم پھیلتی جاتی ہے؛ ارکانِ پنچایت نے علاقۂ ریاست میں مسلسل دورے کیے۔ اب تک مختلف مقامات میں قریب ۶۵ کے مکاتب کھلوائے جن میں کچھ بند ہو گئے، کچھ جاری ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے گراں قدر وظائف دیے، چناں چہ اکثر ایل ایل بی اور بی۔ ٹی اور سی۔ ٹی اسی امداد کی وجہ سے کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں اور ریاست جے پور میں جو کالج میں طلبہ اور دفاتر میں کلرک، بار میں وکلا اور اکثر اچھے عہدوں پر فائز نظر آتے ہیں وہ اسلامی پنچایت کے انتظامات تعلیم سے مستفید ہیں۔ اسلامی پنچایت اب تک قریباً ڈھائی لاکھ اشتہارات اور پمفلٹ مختلف مضامین کے شائع کر چکی ہے۔ ایک ماہانہ رسالہ "روشنی" کے نام سے نکل رہا ہے۔ اس رسالے کا "آل انڈیا مشاعرہ نمبر" اپنی ادبی

خصوصیت کے لحاظ سے تاریخ ادب جو پور میں تو بے مثل ہو ہی بلکہ ملک کے حلیہ نگاری کے سلسلۂ ادب میں اچھی جگہ پانے کے قابل ہو۔

تعلیم نسواں مالی دشواریوں کی وجہ سے ابھی منظم طریق پر شروع نہیں ہوئی ہو، لیکن اسلامی پنچایت نے انفرادی طور پر تعلیم نسواں کی ترغیب سے بڑا کام نکالا۔ سب سے پہلے منشی محمد امیرالدین خاں صاحب سیکرٹری نے اس کو اپنے گھر سے شروع کیا۔ اُن کی صاحبزادی جمیلہ بیگم ادیب اور انٹرمیڈیٹ ۱۹۳۵ء میں پاس کر چکی ہیں۔ اور اب بی۔ اے کی تیاری میں مشغول ہیں۔

اسلامی پنچایت کی عرضداشت پر سر مہاراجہ صاحب بہادر نے اسکول کی تعمیر کے لیے تقریباً بارہ بیگھ کا ایک قطعۂ اراضی عطا فرمایا ہو۔

اب تک کوئی علمی یا تعلیمی اجتماع راجپوتانہ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسلامی پنچایت کی کوشش سے ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اجمیر میں زیر صدارت آنریبل ڈاکٹر سر شاہ سلیمان بالقابہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح اور اُن کی لیڈی صاحبہ خاص طور پر پنچایت اور اس کے اسکول کی سرپرستی فرماتی ہیں۔

نقشہ امتحانات

ذیل میں ایک ایسا نقشہ دیا جا رہا ہے جس سے یہ پتا چلے گا کہ دس سال کے اندر مختلف زبانوں کے امتحانات میں شریک ہونے والے طلبا کا کیا تناسب رہا ہے۔ اس نقشہ میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۷ء تک کے اعداد دیے جا رہے ہیں اجمیر ایجوکیشن بورڈ سنہ ۱۹۳۰ء میں قایم ہوا تھا اور اس نقشے میں اجمیر بورڈ کے امتحانات ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے شریک طلبا کی تعداد درج ہے:-

سنہ	انٹرمیڈیٹ: عربی	فارسی	سنسکرت	اردو	ہندی	ہائی اسکول: عربی	فارسی	سنسکرت	ہندی	اردو
سنہ ۱۹۳۰ء	۱	۶۷	۲۶۹	۵۳	۲۳۶	۱	۲۳۶	۶۶۸	۱۳۰۸	۴۱۳
سنہ ۱۹۳۱ء	۰	۷۲	۲۷۰	۴۸	۲۹۶	۳	۲۲۹	۷۲۸	۱۶۳۷	۴۳۶
سنہ ۱۹۳۲ء	۰	۹۵	۳۵۸	۸۸	۴۳۳	۲	۲۷۳	۸۶۴	۱۹۰۴	۵۴۴
سنہ ۱۹۳۳ء	۰	۷۴	۲۶۸	۹۰	۴۳۰	۰	۲۴۵	۸۱۰	۲۰۰۹	۵۰۳
سنہ ۱۹۳۴ء	۰	۱۰۰	۲۴۶	۱۱۷	۴۳۰	۵	۲۵۶	۹۷۱	۲۳۸۹	۵۶۲
سنہ ۱۹۳۵ء	۰	۸۶	۲۶۳	۸۷	۴۰۰	۵	۲۶۵	۹۵۳	۲۴۱۹	۵۷۵
سنہ ۱۹۳۶ء	۰	۵۸	۲۰۵	۶۰	۴۳۷	۵	۲۷۰	۹۲۵	۲۵۷۴	۵۸۵
سنہ ۱۹۳۷ء	۰	۷۰	۱۷۵	۷۲	۳۹۹	۲	۲۵۳	۷۹۸	۲۴۳۷	۵۸۳

ذیل میں ریاست کی عدالتی کارروائیوں کے نمونے دیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہاں اب تک عدالتوں میں اُردو زبان رائج ہی :-

نقل بیان مستغیث عدالت فوجداری راج سوائی جےپور با جلاس منشی محمد نصر اللہ خان جی، بی اے، ایل، ایل، بی۔ فوجدار۔ ۶ر فروری ۱۹۳۴ء

نمبر ۱۶۸ ۲۴ر نومبر ۳۲ء

مہرِ عدالت

دستخط انگریزی

نقل مطابق اصل ہے

دستخط احمد الحاج سلمہ اللہ

بادشاہ حسین ولد خادم حسین مستغیث بنام عبدالرب عرف بالکا ملزم

جرم دفعہ ۳۹۵

بادشاہ حسین ولد خادم حسین سید ۴۰ سالہ ساکن کہرہ بوہاران پیشہ ہوٹل بحلف لکھایا۔ میں نے ۳ ماہ کا عرصہ ہوا خواجہ صاحب کے میلے کی ۱۳ تاریخ کو ۱۳۰ جوڑ سے جوتے ملزم کو دیے تھے۔ میں نے جوتے محمد حسین عزیزم کے پاس اجمیر بھجوانے کو دیے تھے اور محصول وغیرہ کے لیے دس رُپے بھی ملزم کو دے دیے تھے۔ میں نے جوتے یہ کہہ کر دیے تھے کہ یہ تم محمد حسین کو دے دینا میں دو ایک روز میں آتا ہوں۔ ملزم نے کہا کہ مال میں اسی وقت محمد حسین کو دے دوں گا اور ایک پرچہ پر پتا لکھ کر ملزم کو دے دیا تھا۔ ملزم نے جوتے محمد حسین کو نہیں پہنچائے۔ میں نے تین روز بعد اجمیر جاکر محمد حسین سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ نہ یہاں ملزم آیا اور نہ مال آیا۔ پھر میں نے ملزم کو تلاش

گیا مجھے یہ پتا چلا کہ ملزم جوتے بیچ کر چلا گیا۔ پھر میں جے پور آیا اور ڈھائی ماہ ہوئے تب میں نے ملزم کو مل کر پوچھا کہ تم نے میرا مال کیوں نہیں پہنچایا تو ملزم صاف منکر ہو گیا۔ مجھے تم نے کوئی مال نہیں دیا۔ (جرح) میری ملزم سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، دوستانہ ہے۔ میں جے پور میں جوتے کی تجارت نہیں کرتا ہوں اور نہ جوتا بناتا ہوں۔ عبدالرب ملزم موچی ہے اور جوتے بنانے کا کام کرتا ہے اور جوتے بنا کر بیچتا ہے، محمد حسین ڈاک خانہ میں چٹھی رساں ہے اس کی کوئی دوکان جوتے فروشی کی اجمیر میں نہیں ہے، جوتہ بنانے کا کوئی کارخانہ بھی نہیں ہے، سب ۱۲۰ جوڑے کا مدار تھے۔ کلابتو اور ریشمی دونوں طرح کے کام کے تھے، سب مخمل کے تھے۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ ریشمی کام کے کتنے تھے اور کلابتو کے کام کے کتنے تھے۔ سب جوتے بڑے تھے۔ بچکانہ کوئی نہیں تھا سب مردانہ تھے۔ جوتے میں نے اپنے مکان پر دیے تھے ملزم کو میں نے کوئی قیمت وغیرہ نہیں بتائی تھی۔ صرف یہ کہہ دیا تھا کہ یہ میری امانت محمد حسین کو دے دینا۔ محمد حسین کا کوئی خط میرے پاس جوتے بھیجنے کے لیے نہیں آیا تھا، میں نے جوتوں کی کوئی رسید ملزم سے نہیں لکھائی تھی۔ دن کے نو بجے جوتے دیے تھے، اس وقت نظیر حسین، محمد حسین بھی موجود تھے نظیر حسین اسی کا کرایہ دار ہے جس کا میں۔ اور محمد حسین تالاب پر رہتا ہے، نظیر حسین اور محمد حسین میرے دوست نہیں ہیں، وہ لوگ عبدالرب کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے سے میرے پاس بیٹھے تھے، گواہان لیٹے ہوئے تھے ملزم اُن کے سامنے ہی چلا گیا تھا یہی دونوں میرے گواہ ہیں۔ نظیر حسین اور محمد حسین میرے مکان پر خود آئے تھے۔ جوتے لے جانے کی خواہش ملزم نے خود کی تھی، عبدالغنی ولد عبدالرب ملزم، بشیر ملزم اور ملزم کے چچا سے

میں نے جوتے خریدے تھے۔ کتنے کتنے جوتے کس کس سے خریدے مفصل نہیں بتا سکتا۔ مال کا روپیہ میں نے دے دیا تھا۔ رسید نہیں لکھوائی۔ اعتقاد حسین باشندہ جے پور مجھے اجمیر میں ملا تھا اور کسی نے کہا تھا کہ ملزم جوتے بیچ کر جے پور گیا تھا، میں نے اس کی جانچ نہیں کی کہ ملزم جوتے کس کو بیچ گیا۔ صرف یہ معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو بیچ گیا۔ اعتقاد حسین میرا دوست ہے۔ میں نے اس واقعہ کی تھانہ رام گنج میں رپٹ کرائی تھی۔ رپٹ اور استغاثہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔

بیان سُن کر صحت تسلیم کی۔ ۶؍ فروری ۱۹۳۴ء دستخط بادشاہ حسین

مقابلہ شد

قرأت سماعت

عبد اللطیف سورج نراین دستخط حاکم

مہر عدالت

تاریخ گزارنے عرضی	تاریخ تیاری نقل	تاریخ دینے نقل	تاریخ سپردگی
۲۳؍ جولائی ۱۹۳۴ء	۲۶؍ جولائی ۱۹۳۴ء	۲۶؍ جولائی ۱۹۳۴ء	۲۶؍ جولائی ۱۹۳۴ء

(۲)

نوٹس مجریہ عدالت منصفی شرقی راج سوائی جےپور

بمقدمہ ع ۵۲/۲۶۷ مرجوعہ ۲۵ر فروری سنہ ۱۹۳۶ء عنوانی

عبدالغفور ولد نبی بخش سلمان سکنہ جےپور بنام قاضی فیاض حسین ولد نامعلوم قوم سلمان سکنہ جےپور مدعاعلیہ

دعویٰ باجرا حکم امتناعی دیوانی

بنام قاضی فیاض حسین ولد نامعلوم قوم سلمان سکنہ جےپور

ہرگاہ کہ مسمی عبدالغفور مدعی نے عدالت ہذا میں درخواست گزرانی ہو کہ تعمیر عمارت وایک کھڑکی کہ اس کے دروازے کے سامنے بلا استحقاق نکالی ہو جس کا دعویٰ اُس نے عدالت میں دائر کردیا ہو اور سرگرمی سے تعمیر کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے موقع کی حالت تبدیل ہوجائے گی اس تعمیر عمارت اور کھڑکی کو روک دیا جائے۔

تم کو ذریعۂ ہذا مطلع کیا جاتا ہو کہ عدالت ہذا میں بتاریخ ۲۸ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء بوقت ۱۱ بجے اصالتاً یا بذریعہ وکیل کے حاضر ہوکر خلاف منظوری درخواست اگر کوئی وجہ رکھتے ہو تو ظاہر کرو بصورت تمہاری عدم حاضری کے درخواست یک طرفہ سماعت کی جاکر فیصل ہوگی۔

آج بتاریخ ۲۷۔ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۶ء بہ ثبت ہمارے دستخط مہر عدالت کے جاری ہوا حسب گزارنے درخواست تم کو مطلع کیا جاتا ہو کہ حاضر ہوکر جواب درخواست پیش کرو اور کوئی تعمیر نہ کرو

دستخط حاکم

مہر عدالت

۲۷ ۴/۳۶

جناب عالی مقدمہ مندرجہ عنوان میں جواب دعوئے ۵ ارمئی ۳۶ء کو پیش کیا گیا ہے اور باری اور کھڑکی اڈ ہِ پے جائیں گے ۔ اب مدعی سے اس طرح تصفیہ قرار پایا ہے کہ طہارت کی موکھی گلی شترکہ میں نہیں رکھی اور طہارت کی موکھی سرائے گلی کے کسی دوسرے موقع باجازت کمیٹی نکالی جائے گی۔ اس لیے طہارت کے متعلق دعویٰ ڈگری کردیا جائے (۲) جالی باری کے متعلق سابق میں مابین مدعی و بائعان اراضی بذریعۂ عدالت منصفی شرقی یہ طے ہو چکا ہے کہ گلی میں فریقین کو جالی باری رکھنے کا اختیار ہوگا۔ اس لیے جالی باری کے متعلق دعویٰ مدعی خارج کیا جائے۔

(۳)

اسٹامپ قیمتی آٹھ آنے

(دستخط حاکم منظوری)

سرکار بنام سری لال ولد مادھو کلال سانوت گڑھ ملزم

جرم دفعہ ایکٹ شراب

منکہ سری لال ولد مادھو کلال سانوت گڑھ ام مقدمہ صدر میں جانب مقر سے مولوی معشوق حسین اطہر وکیل سرشتہ کو بہ تقرر محنتانہ مبلغ ... مقرر کر اقرار ہے کہ جو کچھ پیروی کرے وہ قبول و منظور ہے فقط

۱۵ اپریل

۱۵ اپریل

جناب عالی

محنتانہ پیروی منظور ہے

العبد

معشوق حسین

۷۵

۲۔ ریاست کشن گڑھ

سوال نمبر ۱

(الف) ۱۵ ہزار ۷ سو ۴۴ نفوس کی مادری زبان اُردو ہے ۔

(ب) دس ہزار نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اردو بولتے ہیں۔

(ج) ۳،۵ نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔

(د) پچاس ہزار نفوس اُردو خوب سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) ایک سرکاری اسکول ہے۔

(ب) ہائی اسکول ہے۔

(ج) اجمیر بورڈ سے تعلق ہے۔

(د) اُردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد (۲۱) ہے ۔

سوال نمبر ۳

دو نجی مکتب ہیں، ایک میں لڑکے اور دوسرے میں لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ طلبہ کی مجموعی تعداد (۶۰) ہے

سوال نمبر ۴

ایک سرکاری کتب خانہ ہے۔ اس میں اُردو کی کتابیں بھی موجود ہیں ۔

سوال نمبر ۷

۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۷ء کی عدالتی تحریرات کی ایک ایک نقل ملاحظہ کے لئے منسلک کی جاتی ہو۔

حصۂ دوم

سوال نمبر ۵ و ۶

(۱) آج سے ۳۵ سال پہلے نبی بخش صاحب خرادی متوتم مرحوم۔ مولوی امراؤ علی صاحب مرحوم۔ شیخ عبدالکریم صاحب مرحوم عارف۔ مرزا امیر بیگ صاحب مرحوم اور بھورے خاں صاحب مرحوم سابق جمعدار توپ خانہ وغیرہ ایک مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ اس مشاعرے میں خصوصیت کے ساتھ نعتیہ کلام پڑھا جاتا تھا۔ یہ کلام ایک مجموعے کی شکل میں طبع بھی کرایا جاچکا ہو۔ ولی محمد خاں صاحب عاطر ابھی زندہ ہیں اور اُس زمانہ کی صرف یہی ایک یادگار باقی ہو۔ ان میں سے بعض صاحبوں نے میلاد شریف وغیرہ پر کتابیں تالیف کیں مگر وہ چھپ نہیں سکیں۔ غرض اس مجموعہ اشعار کو ہی سب سے قدیم کتاب شمار کیا جاسکتا ہو۔

(۲) احمد علی خاں صاحب، پہلے ہائی اسکولوں میں فارسی کے مدرس تھے۔ اُنھوں نے آٹھ برس پہلے آسان قاعدہ لکھ کر چھپوایا تھا۔ اس میں بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانی مدِ نظر رکھی گئی تھی۔ یہ مولوی صاحب آج کل جے پور میں موجود ہیں۔

(۳) "نذرانۂ حبیب" از شیخ حبیب احمد صاحب۔ کسی بزرگ کی شان میں بعض اُردو نظمیں۔ مطبوعہ صوفی برقی پریس، اجمیر۔ صفحات ۱۴۔

ریاست کشن گڑھ کی کل آبادی ۸۵ ہزار ۷ سو ۴۴ نفوس پر مشتمل ہی۔ یہ ریاست عالمگیر کے عہد میں قائم ہوئی ہی۔ بتایا جاتا ہو کہ یہاں ہمیشہ سے دفاتر میں ہندی استعمال ہوتی ہو۔ شاہانِ اسلام اور بعد میں حکومت برطانیہ سے خط و کتابت کے لیے ایک فارسی دفتر قائم تھا، لیکن اب وہ فارسی دفتر بھی ختم کر دیا گیا اور فارسی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہے۔ اب فارسی کا کام صرف اس قدر رہ گیا ہو کہ بعض شاہی تقریبات کے موقع پر ہمعصر والیانِ ریاست کو خریطے لکھ کر بھیج دیے جائیں اور نئے وائیسرائے کے تقرر پر برطانوی حکومت کی جانب سے جو خریطے وغیرہ آئیں اُن کا جوابی خریطہ فارسی میں تحریر کر دیا جائے۔ شاید یہ رسم بھی صرف اس لیے باقی رہ گئی ہو کہ مذکورہ درباروں سے اس قسم کی تحریرات اسی زبان میں آتی ہیں۔ ورنہ ریاست بھر میں اس وقت ایک بھی فارسی داں موجود نہیں ہو۔

پہلے ہائی اسکول میں اُردو کے ساتھ فارسی تعلیم کا انتظام بھی تھا مگر ۱۹۳۲ء سے وہ انتظام توڑ دیا گیا۔ اُس کی صورت یہ ہوئی کہ فارسی کی تعلیم کے لیے جو مولوی صاحب رکھے گئے تھے۔ وہ اپنی تنخواہ میں ترقی کے امیدوار تھے۔ برخلاف اس کے ریاست میں، تنخواہیں تخفیف کی گئیں، مولوی صاحب نے ملازمت سے استعفا دیدیا۔ اس کے بعد سے یہ جگہ ہی تخفیف میں آ گئی۔ اس کے متعلق مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۲۵ء منعقدہ اجمیر میں پیشین گوئی بھی کی گئی تھی۔ چنانچہ رپورٹ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:-

"صدر میں ہائی اسکول ہے اور چونکہ بنارس یونیورسٹی سے تعلق ہو گیا ہے، اس لیے اُردو اور فارسی صرف اسی سال کی مہمان ہے"

اُردو تو باقی رکھی گئی، البتہ فارسی چار سال کے بعد رخصت کردی گئی، اب بنارس یونیورسٹی سے بھی تعلق نہیں رہا۔ ۱۹۳۷ء کے اسکول کے معائنے کے وقت انسپکٹر آف اسکولز نے اعتراض کیا تھا کہ جب یہ ہائی اسکول ہے تو فارسی تعلیم کا انتظام کیوں نہیں ہے۔ اس پر دیوان ریاست نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔

فارسی کا انتظام تو درکنار آج کل اُردو کو ختم کیے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور اس کے لیے اس کی کوشش کی جا رہی ہے کہ لوگ خود ہی اپنے بچوں کو اُردو پڑھانا بند کر دیں اور اس طرح اجمیر بورڈ کے سامنے یہ عذر پیش کیا جا سکے گا کہ جب پڑھنے والے ہی نہیں ہیں تو اُردو کی تعلیم کا انتظام بھی کیوں رکھا جائے۔

موجودہ راج کے مالک یعنی مہاراجہ بگیہ نرائن سنگھ اور دیوان ریاست لالہ کیسری سنگھ کے حالات جہاں تک معلوم ہوئے ہیں اُن سے کسی قسم کی توقع نہیں ہو سکتی اور اُن کے رُجحان طبع کا اثر مجموعی حیثیت سے تمام ملازمین ریاست پر پڑا ہے۔ خود راجہ میو کالج اجمیر کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور وہیں سے نئی حکومت کے ڈھنگ سیکھ کر آئے ہیں۔ اس اظہار سے مطلب صرف اس قدر ہے کہ جب تک کوئی مضبوط جماعت اُردو زبان کی حمایت پر کھڑی نہ ہو۔ یہاں کم از کم اُردو تعلیم کا پنپنا ذرا مشکل ہے۔ اس بیس تیس برس کے عرصے میں متعدد نجی مکتب کھولے گئے مگر مسلمانوں میں اس قسم کی پھوٹ ڈلوا دی گئی کہ یہ مفید ادارے ختم ہو گئے۔

یہاں کے مسلمان ابھی تعلیم کی اہمیت کو ہی نہیں سمجھتے تو ان اداروں کی

حفاظت کا احساس کیوں کر پیدا ہو سکتا تھا۔ اب مسلمانوں کے نجی مکتب صرف دو ہیں اور وہ بھی حاجی عبدالرحمن خاں کی ذاتی امداد سے چل رہے ہیں۔ یہ صاحب کشن گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ بہ سلسلۂ کاروبار زنجبار تشریف لے گئے وہاں ان کے کاروبار میں ترقی ہوئی اور انھوں نے اپنے وطن کشن گڑھ کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا احساس کرتے ہوئے دونوں مکتبوں پر تیس روپے ماہوار خرچ کرنا شروع کر دیئے۔ مگر اب یہ بھی تنہا اس بوجھ کو برداشت کرنے میں پس و پیش کر رہے ہیں۔ اگر کسی مضبوط جماعت نے اس وقت دست گیری نہ کی تو یہ مکتب بھی ختم ہو جائیں گے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ کشن گڑھ کے ہندوؤں میں اُردو کو حاصل کرنے کا شوق ضرور ہے۔ اس کی وجہ اجمیر اور جے پور سے تجارتی اور دیگر قسم کے تعلقات ہیں اور ان علاقوں میں ابھی تک اُردو کی خاصی ضرورت ہے محکمۂ پولیس کشن گڑھ میں دوسرے علاقوں سے تحریرات اکثر اُردو میں آتی ہیں، اس لیے اُن کے جوابات بھی یہاں سے اردو ہی میں دیئے جاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ یہاں لوگوں کو زمین کے پٹے اور بعض دیگر کاغذات اُردو رسم الخط میں دیئے گئے ہیں اور متعلقہ شعبوں میں کافی عرصہ تک اُردو رسم الخط کا استعمال رہا ہے، اور یوں تو ہمیشہ سے رسم الخط کے علاوہ زبان اُردو ہی استعمال ہوتی رہی ہے۔ قانونی اصطلاحات اور محکموں کے نام وغیرہ سب اُردو ہیں۔ دونوں منسلکہ تحریروں سے اندازہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ عدالتوں میں زبان صاف ہوتی جا رہی ہے۔

دیگر محکموں کے افسروں کے علاوہ خود دیوان بھی اپنی آسانی کے لیئے کاغذات کا خلاصہ اُردو میں مُرتب کرتے ہیں۔ پی۔ ڈبلو۔ ڈی میں آج کل

مسٹر ہری ہر سروپ دہلوی افسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اس لیے اُردُو کا استعمال عام ہی۔ اگرچہ اکثر کاغذات کا رسم الخط ہندی ہی ہوتا ہی۔

سرکاری کتب خانہ اور شاہی خزانہ میں بعض کتابوں کے نادر قلمی نسخے اور پنسل اسکیچ موجود ہیں۔ مگر یہ اس وقت تک نہیں دکھائے جاتے جب تک مہاراجہ کا خاص حکم حاصل نہ کیا جائے۔ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کا یہ گمان ہی کہ کہیں اِن قیمتی چیزوں کو ضائع نہ کر دیا جائے۔

ذیل میں ہم عدالت ریاست کشن گڑھ کی ایک دستاویز پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ عدالتی زبان کا کیا حال تھا۔ اصل عبارت ناگری رسم خط میں تھی، ہم نے اسے اُردو رسم خط میں لکھ دیا ہے۔ رسم خط کے سوا کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی :-

Kishangarh State Four annas	H.H. Maharaja Madansingh ji	شری مہاراجہ صاحب	مہاراجہ صاحب سری مدن سنگھ جی	راج کشن گڑھ چار آنے

30.6.26

مُہر عدالت

عبدالرحمٰن مستغیث بنام خدابخش بھٹہ ساکن شہر ملزم

جرم دفعہ ۷۵ قانون راج

مطابق دفعہ ۷۷۴ الف

درخواست عذرات محکمہ عدالت فوجداری صدر راج کرشن گڑھ از طرف مستغیث

جناب عالی

اس مقدمہ کی تحقیقات ختم ہو کر تجویز سنانے کی تاریخ بیسا کھ سدی ۱۵ سمبت

مقرر ہوئی تھی جس پر ملزم کی درخواست پیش ہوئی کہ اس مقدمہ میں دفعہ ۱۹۵ ج فوجداری کے موافق منظوری اس عدالت کی استغاثہ کے ساتھ پیش ہونا چاہیے کیونکہ اس میں حساب کیا گیا۔ بغیر منظوری کے مقدمہ خارج ہونا چاہیے جس کا جواب پیش کرنے کی تاریخ مقرر ہوئی ہو، اس لیے جناب سے حسب ذیل عرض ہو

(۱) یہ کہ یہ مقدمہ ...... میں دائر کیا تھا کہ جس کو عرصہ تین سال اوپر ہو گیا اور جس کی شروع سے اخیر تک تحقیقات یعنی ثبوت بریت پیش ہو کر مکمل ہونے بعد فیصلہ سنانے کی تاریخ مقرر ہونے بعد ملزم نے یہ درخواست دی ہو جو قابلِ سماعت عدالت نہیں ہو۔ ایسی درخواست جانب ملزم استغاثہ پیش ہو کر ثبوت پیش ہو چکنے پہلے آتی، عدالت سے ملزم گردان کر بیان لینے پر آمادہ ہو اس کے پہلے پیش ہو سکتی ہو نہ کہ ملزم کے بیان و ثبوت بریت پیش ہو کر مقدمہ تجویز میں رکھنے بعد۔ ایسی حالت میں اب یہ درخواست قابلِ سماعت عدالت نہیں ہو۔ دفعہ ۵۳۷ ضابطہ فوجداری۔

(۲) یہ کہ دفعہ ۱۹۵ ضابطہ فوجداری۔ اس میں صاف درج ہو کہ ایسے جرم کی سماعت نہ کرے گی جو دفعہ ۶۳۱، دفعہ ۴۷۱ و ۴۷۵ و ۴۷۶ میں درج ہو۔ جرم کسی مقدمہ دائر عدالت کسی فریق کی طرف سے نسبت کسی دستاویز کے کیا گیا ہو پیشتر سے منظوری لے کر (الف) بذریعہ نالش اس عدالت کی طرف سے۔ چنانچہ اس کے لیے یہ عرض ہو:۔

(۱) دفعہ ۱۹۵ کے موافق منظوری کی جائے گی۔ دستاویز پیش ہونے کے لیے ہو نہ کہ کھلا حساب بلا دستخطی کے لیے۔ اور یہ مقدمہ ملزم پر دستاویز میں جعل سازی کرنے کا نہیں ہو بلکہ حساب کی بابت ہو اور دستاویز کی تاریخ دفعہ ۲۹ میں درج ہو۔ اس میں یہ حساب درج نہیں ہو، بلکہ حساب کا معاملہ دستاویز کے علاوہ

دوسری دفعہ میں آتا ہو۔ دفعہ ۱۹۵ سے تعلق نہیں۔ اس لیے اس مقدمہ میں دفعہ ۱۹۵ کے موافق منظوری لینا لازمی نہ تھا۔

(۲) یہ کہ دفعہ ۱۹۵ کے موافق منظوری لینا لکھا اوپر دفعات کے بھی منظوری ہو یعنی دفعہ ۴۶۳ و ۴۷۱ و ۴۷۵، ۴۷۶ تعزیرات ہند کا جرم کے لیے۔ میرا استغاثہ ان دفعات کا نہیں ہو۔ میرا استغاثہ دفعہ ۱۹۵ جرم فوجداری میں منظوری لینے کا حکم نہیں۔ اس لیے درخواست ملزم بے سود ہو۔

میرا دفعہ ۴۷۷۔ الف میں اس طرح آتا ہو۔

(ک) یہ کہ فریقین کے درمیان ہڈی کا ٹھیکہ سیر میں تھا اور یہاں کا حساب کتاب لکھنے کا او۔ آمد کا ملزم کے ذمہ تھا اور ملزم ہی اس کے لیے روپیہ دیتا تھا تو مال کی فروختگی کی رقم وصول کرتا تھا۔ چنانچہ مستغیث نے حساب و رقم بحیث ملزم سے طلب کی لیکن اس نے نہیں دی۔ تب نوٹس دیا تو اس کا جواب ساون سدی ۹ ۱۹۷۷ کو آیا کہ میرے پاس رقم آئی اور خرچ ہوئی، اس میں سے ۵۲۵ روپلے اُلٹے میرے باقی رہتے ہیں جس پر میں نے حساب فہمی کا دعوےٰ ملزم پر الف عدالت دیوانی کیا تو اس میں ملزم نے اصلی حساب غائب کرکے وُجدا حساب بنا کر پیش کیا۔ بعدہ اس میں پنچ منقولہ فریقین نے مقرر ہوکر یہ فیصلہ دیا کہ ساون ۱۹۷۷ تک تو فریقین کا حساب برابر ہو پر کچھ لینا دینا نہیں رہا اور اس کے بعد ۱۰۵ روپلے باقی رہے ہیں تو بھی گوڑی شراکتی قیمت سے برابر ہوگئے۔ اسی موجب تجویز ہوگئی جس کی نقل پیش ہو ملزم کی طرف سے۔ مقام غور ہو کہ ملزم نے جو حساب پیش کیا تو ہر حالت سے اس طرح جھوٹا ثابت ہو۔

(۱) نوٹس میں ساون سدی ۹ تک ملزم نے اس حساب کا ۵۲۵ باقی رہنا لکھا ہو اور اس حساب کی جس میں ساون تک ۱۳۶۷ کی رقم تو جھوٹی نادیں میں جوڑ دی اور جس میں صرف ۳۰۴ روپلے جمع کرکے ۱۰۶۳ روپلے باقی رہتے ہیں۔ غرض کہ

خود اسی کے نوٹس سے جھوٹا حساب بنانا ثابت ہی۔

(۲) رپورٹ پنچ مقبولہ فریقین سے بھی یہ حساب جھوٹا بنا کر پیش کرنا ثابت ہی کہ وہ تو ساون تک ہی سب برابر ہوجانا لکھا ہی اور ملزم نے ۱۰۶۳ باقی نکال رکھا ہی۔

(۳) اس حساب کے شروع میں ۵۰ روپے، ۲۵ روپے، ۳ روپے، ۲۲ روپے پیچھے لکھے ہوئے ناؤں موڑ کر پیش کر دیا گیا ہی کیوں کہ یہ رقم کبھی کی پیچھے لی تھی، جس کی ملزم کے دستخطی رسید مسل میں پیش کر دی گئی تھی۔ اس کے بجائے جھوٹا حساب بنا کر پیش کرنا کیا ثابت کیا جائے۔

(۴) یہ کہ اس حساب میں ۸۷۵ روپے سرکار میں ٹھیکہ کا جمع کرنا لکھا ہی۔ وہ بھی صاف جھوٹ لکھا ہی۔ کیوں کہ سرکار میں ۸۷۵ روپیہ اب خود میں نے پیش کیا ہی جب کہ رسید محکمہ و بیان و نیز فیصلہ پنچ مقبولہ گواہی استغاثہ سے ثابت ہی۔

(۵) اس حساب جیٹھ سدی ۵ کو صرف "۶۷" روپے سرکار کو کب دینے تھے، اس کے بجائے کچی روکڑ میں کاٹ کر صاف ۳۵۰ بنا لیے۔ وہ تمسک لکھا تھا جس کو کاٹ کر میرا نام بنا دیا جو ظاہرہ مبلغ کچی روکڑ سے اور بیان اس بکارکن سے ثابت ہی۔

(۶) اسی طرح اس حساب میں جمع کی طرف بہت کچھ روکڑ جمع کر کے جھوٹا حساب بنا کر پیش کر دیا۔ بلکہ روکڑ کا پنّا تک نکال کر جمع خرچ بدل دیا جو ظاہرہ روشن ہی اور اس میں چند رقم کا بھی بیشی اندراج ڈالا گیا۔ جیسا کہ ۲۵۰ روپیہ اللہ دیلی ہرماڑہ والا کے کھڑی بیٹھ ملزم کی دکان میں جمع ہوئی، جس کی رسید پیش ہی و نیز بیان نبی داد خاں و آغا بھائی رام چندر سے روشن ہی۔ چوں کہ یہ جرم دفعہ ۴۰۸ و ۴۰۹ تعزیرات ہند کی دفعات میں آتا ہی۔

(۷) اسی طرح سے دیگر روکڑ کو جمع لیکھے کی اس حساب میں جھوٹی درج کی ہی۔ اوپر لکھے ہوئے وجوہاتوں سے ملزم کا عام ارادہ ظاہر ہی وجھوٹے حساب بناکر دینے کا و چند رقم غبن کر جانے کا بخوبی ثابت ہی کہ جس کی تعریف دفعہ ۴۷۷ الف و دفعہ ۴۰۸ و ۴۰۹، استغاثہ میں درج ہی نہیں ہو مگر درمیان تحقیقات اگر دیگر دفعات کا جُرم بھی ثابت ہو جائے تو عدالت کو اب اختیار ہی کہ وہ حسب دفعہ ۲۳۲ ضابطہ فوجداری کے دیگر جرائم کو بھی شامل کرکے وہی سزا تجویز کر دیویں۔

(۸) یہ کہ ملزم پر استغاثہ نہیں ہؤا تب تو کُل کارروائی دعوی نالش وجواب دعویٰ نوٹس وغیرہ کے یہ جھوٹا حساب پیش کرنا وغیرہ اپنے نام سے کیا وسب از خود کرتا رہا ہی، اور جب یہ استغاثہ دائر ہؤا تب اپنے دل میں یقین کرلیا کہ میں نے واقعی یہ جُرم کا فعل کیا ہی مگر پھر ان سے بچنے کے لیے یہ ظاہر کیا ہی کہ ہڈی کے کام میں میرے ۶ جرگے مستعد ہیں اور ان کو شہادت میں بھی پیش کیا ہی کہ حساب کوئی دوسرا لکھتا تھا اور کوئی دوسرا رکھتا تھا سو اس سے ملزم اپنی ذمہ واری سے بری نہیں ہوسکتا۔

ان سب سے کچھ تعلق نہ تھا بلکہ جو کچھ ان سب کا تعلق تھا وہ ملزم سے تھا وہ ملزم نے نوکر کی حیثیت سے کام کرتے تھے وکیا ہی۔ چنانچہ ہر قانون ونیز دفعہ ۴۰۹ (ت) میں درج ہی کہ کوئی فعل خود کرے یا کسی سے کرائے تو اس کا وہ خود ملزم ہوگا۔ سو بعد غور سزا فرمائیں۔

(۹) یہ کہ جُرم سے بچنے کے واسطے ملزم کا یہ کہنا کہ میں پورا پڑھا ہؤا نہیں یہ عذر قابل تسلیم وسماعت عدالت نہیں ہی کیونکہ مسل سے نیز حالات سے صاف ثابت ہی کہ وہ بڑے کام کا ملزم تھا اور ہزارہا روپے ہر جگہ سے لا دیتا تھا اس لیے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ جو بھی کارروائی اس کی ہاتھوں میں ہوئی اس کے بغیر علم

و اجازت کے ہوئی ہو وہ ہو سکتی ہے اور بعد غور سزا سخت فرمائی جاوے سمت ۸۲
جیٹھ سدی ۶ عبدالرحمٰن پیرے تاریخ تیاری اسارڑھ بدی ۲ - تاریخ دیے جانے
نقل اسارڑھ بدی ۹ -

مقابلہ شد
سماعت بقرأت

دستخط
جگدیش نراین

ہڑوتی ٹونک ایجنسی

۱ - جھالاواڑ

۲ - بوندی

۳ - کوٹہ

۴ - ٹونک

ا- جھالاواڑ

عام حالات

"ریاست جھالاواڑ راجپوتانہ ایجنسی کی ایک چھوٹی سی ریاست ہو۔ یوں تو اس ریاست کو بھی دوسری ریاستوں کی طرح قدیم ریاست ہی شمار کرنا چاہیے، مگر بعض سیاسی حالات کی بنا پر، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہو، اس میں اس قدر تبدیلیاں ہوتی رہیں کہ اس ریاست کے والیوں کو انفرادیت قایم کرنی نصیب نہ ہوئی۔ چناں چہ موجودہ ریاست یکم جنوری ۱۸۹۹ء کو عالمِ وجود میں آئی اور ہم جائزۂ زبان کی غرض سے اپنی تحقیق اُسی زمانے سے شروع کریں گے۔"

ریاست کی کُل آبادی ایک لاکھ ۷ ہزار ۸ سو نوّے نفوس پر مشتمل ہو۔ نئی حکومت کے قیام سے پہلے بھی اُردو زبان اپنے رسم الخط کے ساتھ موجود تھی اور اس کے بعد بھی موجود رہی، بلکہ اس کے بعد ہی اس کی ترقی اور بلندی کا زمانہ آیا۔ اس دعوے کے ثبوت میں اوّل تو ابھی بعض بزرگ اور مشاہیر موجود ہیں، جن سے اُس زمانے کے حالات معلوم کیے جاسکتے ہیں، دوسرے یہاں کی مطبوعات اور بول چال کی زبان بھی پیش کی جاسکتی ہو۔ جس سے پتہ چلتا ہو کہ اُردو زبان کے علمی و ادبی مشاغل نے یہاں کے بسنے والوں پر اپنا کس قدر گہرا اثر چھوڑا ہو۔ تقسیم ریاست کے بعد مشاعرے قطعاً موقوف اور بازارِ شعر و سخن سرد پڑ گیا تھا، مگر ۱۹۰۵ء میں مولوی عبدالوحید صاحب

نیرنگؔ کاکوروی کو پنڈت پرمانند چترویدی دیوان ریاست نے جھالاواڑ میں طلب فرمایا اور ہز ہائنس مہاراج رانا سر بھوانی سنگھ صاحب کے ایما سے پندرہ روزہ بزم مشاعرہ کی بنیاد پڑی۔ یہ مشاعروں کی صحبت بڑی چہل پہل، رونق اور گرماگرمی سے ہوتی رہی۔ حضرت نیرنگ کا دیوان طبع ہو چکا ہو اور اس پر دیباچہ قاضی سر عزیز الدین صاحب دیوان ریاست دتیا نے لکھا ہو۔ اس کا اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہو کہ مہاراجہ کو اُردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی:۔

"میں اس کو اُردو شاعری کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں کہ راجپوتانہ کی ایک دور دراز ریاست جھالاواڑ میں ایک ہندو فرمان روا یعنی مہاراج رانا سر بھوانی سنگھ صاحب بہادر کو منشی عبدالوحید صاحب کے کلام بلاغت نظام کی طرف متوجہ فرمایا اور منشی صاحب نے اپنے نصف صدی کے زمانۂ قیام میں جھالرا پاٹن میں رہ کر اور اپنے قدر دان و محسن و مُربی فرمان روا کے زیر سایہ نہ صرف اُردو شاعری کو معراج کمال پر پہنچایا بلکہ بکثرت قابل و ہونہار اُردو شاعر راجپوتانہ میں پیدا کر دیے۔"

خود حضرت نیرنگ اسی دیوان میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ امر میرے لیے باعث مسرت اور ہزار گونہ افتخار ہو کہ میرے آقائے نعمت سر بھوانی سنگھ صاحب بہادر آنجہانی نے (مہاراجہ اپنی زندگی میں دیوان طبع نہ کرا سکے) اس مجموعہ کی ہر غزل کو مطلع سے مقطع تک ملاحظہ و سماعت فرما کر جابجا قیمتی مشوروں سے عزت بخشی۔ غالباً یہ دُنیا میں پہلا دیوان ہو، جسے ایک والیٔ ملک نے خاص وقت مقرر کر کے حرف بحرف سماعت فرمایا۔"

اوپر کے دو اقتباس دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ مہاراج کو اُردو زبان خصوصاً

شاعری سے کس قدر گہری دلچسپی تھی، نہ صرف یہ بلکہ آپ کے دربار میں زبان انگریزی کے فاضل، ہندی اور سنسکرت کے وِدھوان پنڈت، عربی و فارسی کے عالم اور زبان اُردُو کے ادیب و عالم روزانہ صبح سے دس بجے تک حاضر رہتے تھے۔ مگران سب میں زبان اُردُو کو درجۂ امتیاز حاصل تھا۔

غرض یہ کہ کچھ دنوں تک اسی طرح شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہیں۔ شعرا اور علما کو نوازا جاتا رہا، دُور دُور سے فضلا اور اہلِ فن کو بلاکر دربار میں ملازمت دی جاتی رہی، دفاتر پر عربی اور فارسی آمیز اُردُو کا غلبہ رہا اور ساتھ ہی اُردُو رسم الخط بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آتا ہے جب کہ اُردُو زبان پر چاروں طرف سے حملے شروع ہوتے اور اُردُو زبان کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں، طرح طرح کے جھگڑے کھڑے کیے جاتے ہیں اور ہر طرح کی کوشش کی جاتی ہے کہ اُردُو زبان کو فنا کرکے اُس کی جگہ پر ہندی (سنسکرت آمیز بھاشا) کو رائج کیا جائے اور وابستگانِ حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ دیوناگری رسم الخط حاصل کرکے ہندی زبان میں کام کرنے کی اہلیت پیدا کریں۔

بیرونی پروپیگنڈے اور ہندی کی حمایت نے وہ زور پکڑا کہ اُردُو کو اُس حالت پر باقی رکھنا دوبھر ہو گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۶ء میں مہاراجہ صاحب نے سرکاری دفتروں میں اُردُو رسم الخط کی بجائے دیوناگری رسم الخط کے اجرا کا حکم نافذ کیا، اور اس طرح حامیانِ ہندی کے آنسو پونچھے۔ مہاراج پر ہم تعصب اور اُردُو زبان سے نفرت کا الزام اس لیے عائد نہیں کر سکتے کہ اس وقت سے اُن کی اُردُو دوستی، شعرا کی قدر دانی اور اُردُو زبان کی خدمت کا جذبہ اور بھی ترقی کرنے لگا۔ دفاتر میں اس قسم کے احکام ہوئے کہ رسم الخط سے قطع نظر ہندی اور سنسکرت کے نامانوس اور ادق الفاظ کاری مراسلتوں میں نہ لائے جائیں۔

اُردو کے شستہ اور خوبصورت الفاظ، اُردو کا طرزِ عبارت و انشا اور اسی قسم کی دیگر خوبیوں کو بطور خاص دیکھا جانے لگا۔ اُردو رسائل کو سرکاری مطبع میں چھاپ کر جاری کیا گیا۔ اُردو میں مختلف موضوعات پر لکچروں کا سلسلہ شروع کیا گیا، شاعری پر لوگوں کو خاص طور پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا گیا، اُردو لائبریری کا قیام عمل میں آیا اور اس قسم کے متعدد کام کیے جس سے اُردو زبان کو فروغ ہو۔ مہاراج کی بے تعصبی اور عالی حوصلگی کے متعلق یہاں کے ایک باشندے سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی کی شہادت کافی ہو۔ چناں چہ رسالہ 'شاعری کی کایا پلٹ' میں وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اُردو زبان کی یہ کم مائگی اور اس پر تمام دفاترہائے راجپوتانہ و دیگر ممالک میں اُردو حرفوں کے بجائے ناگری اکشروں کا رواج پا جانا، راجپوتانہ میں اُردو زبان کی فنا کے لیے کافی تھا اگر کوئی سرجیون چشمہ اس کی آبیاری پر نہ تُل جاتا اور اُس کی مدد پر کمرِ ہمت نہ کس لیتا۔ ان ہی خیالات سے متاثر ہو کر اور زبانِ اُردو کو بلحاظ زبان راجپوتانہ و دیگر ممالک کے لیے ضروری خیال فرما کر ہمارے آقائے نامدار حضور مہاراج بھوانی سنگھ صاحب بہادر ایم۔ آر۔ اے۔ ایس والئ ریاست جھالاواڑ نے جو علوم و فنون کے مخزن ہیں اور جو دنیا کی کئی زندہ زبانوں کے ماہر ہیں، جہاں دفاتر میں ناگری حرفوں کے رواج کا حکم نافذ فرمایا، وہاں ساتھ ہی ساتھ بقائے اُردو کے لیے زیرِ ایڈیٹری سید محمد حسین رضوی بی۔ اے مرحوم ایک رسالہ موسومہ "آفتاب" ریاست ہذا سے نکالے جانے کا حکم بھی نافذ فرمایا۔ یہی آفتاب جو سابق ایڈیٹر کی ناگہانی موت کے باعث صرف تین چار سال ہی اپنی شعاعیں پھیلا کر یک لخت غروب ہو گیا تھا، اب شروع جنوری ۱۹۲۰ء سے زیر ایڈیٹری افسر الشعرا جناب آغا شاعر

قزلباش دہلوی پھر نہایت آب و تاب سے طلوع ہوا ہو اور زبان کی
جو خدمت کر چکا ہو اور کر رہا ہو اہلِ ملک سے پوشیدہ نہیں ہو۔ اس دلدادۂ
علوم نے اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اکتوبر ۱۹۱۸ء سے انجمن سخن کی بنیاد ڈالی
اور اس طرح زبان اُردو کی بقا کے لیے ہمیشہ ہمیش کو انتظام فرما کر جو احسان
شعرائے ہند پر کیا ہو اُس کا شکریہ اگر ہمارے بال بال زبان ہو جائیں
جب بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

جس رسالے کا تذکرہ اوپر والی تحریر میں ہو اس کے دور اول کے متعلق ہندوستان کے بعض مشاہیر کی آرا کو نقل کیا جاتا ہو، جس سے معلوم ہو سکے گا کہ اس وقت اس رسالے کو کیا اہمیت حاصل تھی اور ان بزرگوں کی نظر میں اسے وقعت کا کون سا درجہ حاصل تھا۔ عالی جناب شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مرحوم نے اڈیٹر صاحب آفتاب کو حسب ذیل خط لکھا تھا:-

"مکرمی، رسالۂ آفتاب کے دو نمبر پہنچے۔ اُن کو دیکھ کر طبیعت
بہت خوش ہوئی۔ اس کو پڑھ کر بے انتہا مسرت حاصل ہوئی،
کیوں کہ ہمارے رئیسوں کا اس طرف متوجہ ہونا اور ایسی لیاقت سے علمی
مضامین لکھنا ہندوستان کے بھلے دن آنے کی دلیل ہو۔ بابو امبالال صاحب
کا مضمون تعلیم پر اور آپ کا مضمون تعصب پر بھی بہت عمدہ مضمون ہیں
خدا سے امید ہو کہ آفتاب ملک میں چمکے گا۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ آپ
کامیاب ہوں اور آفتاب کی روشنی تمام راجپوتانہ میں پھیلے۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۷ء
حیدر آباد دکن"۔

عالی جناب شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاءُ اللہ صاحب دہلوی مرحوم نے تحریر فرمایا تھا:-

"میں آپ کے محبت نامے اور دو رسالوں کے عنایت کرنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آفتاب پرورائے ریاست جھالاواڑ کی نظر التفات رہی تو وہ اقلیم سخن میں ویسا ہی درخشاں ہوگا جیسا کہ ہندستان میں سورج بنسیوں کا خاندان تاباں ہوا تھا۔ ۲۶۔اپریل ۱۹۰۶ء"

چودھری خوشی محمد خاں صاحب بہادر ناظر مہتمم بندوبست کشمیر و وزیر لداخ اپنے ایک خط میں ایڈیٹر صاحب کو لکھتے ہیں کہ:۔

"آفتاب کا مسلک مجھے بہت پسند ہے، اس میں بہت سے بیش قیمت اور مفید عام مضامین شائع ہوئے ہیں، جو صرف لٹریری طراری نہیں بلکہ معلومات مفید کے اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں اور طلبا کے لیے بھی نہایت مفید ہیں۔ غزلیات کی نسبت جو سادہ نیچرل نظموں کا سلسلہ آپ نے ایجاد کیا ہے نہایت مفید ہے۔ غزلیات کے طوفانِ بے تمیزی سے لٹریچر کی کوئی خدمت متصور نہیں۔"

اِن خطوط کو نقل کرنے کا منشا صرف اتنا ہے کہ یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ یہاں کی علمی و ادبی محفلیں محض تفریح کی خاطر نہ تھیں، اور جیسا کہ عام طور پر بعض ریاستوں میں ہوتا ہے کہ اس قسم کے مشاغل محض رئیس کے ہنگامی ذوق یا چند صاحب غرض اصحاب کی سازشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، یہاں خود رئیس نے اچھے اچھے لوگوں کو انتخاب کر کے بلایا تھا اور اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق کام لیا تھا اور ایک خاص نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر زبان کی یہ خدمت جاری کی گئی تھی۔ علاوہ بریں خطوط لکھنے والے حضرات کے متعلق کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا کہ انھوں نے رئیسِ وقت کی خوشنودیِ مزاج اور تقربِ بارگاہ کے لیے تعریفی خط لکھے ہوں گے۔

علاوہ اِن مشاغل کے سابق مہاراج نے متعدد کتابوں کو طبع کرایا، شاعری کو

نیچرل رنگ پر لانے کے لیے اور زندگی سے زیادہ قریب تر بنانے کے لیے مختلف اوقات میں بذاتِ خود لکچر دیے اور ان کی پابندی کا بطورِ خاص خیال رکھنے کا حکم دیا۔ طوالت کے ڈر سے اقتباسات پیش کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ کتب خانے میں عمدہ عمدہ کتابیں دُور دُور سے منگا کر رکھیں۔ دورانِ جنگِ عظیم میں سرکاری افسران سے جو لیکچر دلوائے تو باوجود اس کے کہ رسم الخط بدل چکا تھا، مگر تمام کے تمام لکچر اُردُو رسم الخط میں طبع کرائے۔

اس عہد کے رئیس کی بے تعصبی اور اُردُو زبان سے محبّت کا ہمیں اُس وقت اور بھی یقین ہو جاتا ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ ہزہائنس کی اُردُو دوستی اپنے محترم باپ سے کچھ کم نہیں۔ بلکہ ایک اعتبار سے یہ اُن سے بڑھے ہوئے ہیں یعنی وہ بذاتِ خود شاعر نہ تھے، لیکن یہ خود شاعر بھی ہیں اور شاعر نواز بھی۔ یقیناً یہ خوش فہم اور صاحب ذوق باپ کی تربیت کا ہی نتیجہ ہو کہ آج جب کہ ہمارے رئیس اور امرا مشرقی خصوصیات کھوتے جا رہے ہیں اور انھیں مشرق کے تمدن و تہذیب، عادات و اطوار اور دیگر خصائص میں کوئی سامان دل بستگی نظر نہیں آتا، جھالاواڑ کا رئیس، جس نے آکسفورڈ میں تعلیم پائی ہو اور جس کی عمر کا کافی حصّہ یورپ میں بسر ہُوا، اُن چیزوں کو پسند ہی نہیں کرتا، بلکہ اُن کا دلدادہ ہو۔ چناں چہ تخت نشین ہوتے ہی ایسے تمام کاموں کی تکمیل کی جو سابق مہاراج اپنی زندگی میں پورے نہ کر سکے تھے۔ حضرتِ نیرنگ کا دیوان طبع کرایا، متعدد دیگر کتابوں کو اپنے خاص حکم سے چھپوایا۔ بزمِ سخن "انجمن راجندر" کی سرپرستی اور اُس کے ممبروں کی دلدہی اُسی طرح جاری رکھی، جس طرح ان کے باپ کے زمانے میں تھی۔ خود بہ نفسِ نفیس مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ شعرا کا کلام سنتے ہیں اور خود شعر کہتے ہیں اور شعر و شاعری کا اس قدر ذوق ہو کہ آج کل وہ یورپ میں مہارانی صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں تشریف فرما

ہیں، مگر وہیں سے طرح کے مصرعے روانہ کیے جا رہے ہیں اور اپنا کلام اصلاح کی غرض سے بھیجا جا رہا ہے۔ لوگوں کو مشاعرے جاری رکھنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔

غرض کہ مہاراج رانا سری راجندر سنگھ صاحب بہادر فرماں روائے ریاست جھالاواڑ اپنے قابلِ احترام والد بزرگوار کی طرح ایک بے تعصب، روشن خیال اور حوصلہ مند رئیس ہیں اور اُردو زبان کے شغف میں آپ اپنے باپ سے بعض حیثیتوں میں ممتاز ہیں۔

آج کل آپ کا منشا یہ ہے کہ ریاست جھالاواڑ کے تمام شعرا کا تذکرہ شائع کیا جائے تاکہ دنیائے اُردو کو معلوم ہو کہ جھالاواڑ جیسی جگہ میں بھی اچھے اچھے لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ چناں چہ اس کی ترتیب کا کام بڑے زور شور سے جاری ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ مہاراجہ کی واپسی یورپ پر یہ تذکرہ طبع کرا لیا جائے گا۔ اس موقع پر بعض اصحاب کا ذکر نہ کرنا فرض ناشناسی ہوگا۔ یقیناً ان اصحاب کو یہاں کی ادبی محفلوں کا روح و رواں کہنا چاہیے۔ شاید ان اصحاب کی عدم موجودگی کے باعث یہاں کی یہ مجلسیں سونی اور بے چراغ نظر آتیں۔ ان میں سے ایک تو مولوی منشی عبدالوحید صاحب نیرنگ کاکوروی کی ذات والا صفات ہے اور دوسری منشی سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی سیکریٹری انجمن راجندر کی معزز و ممتاز ہستی ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے جائزۂ زبانِ اُردو کی غرض سے جس محبت اور دل سوزی سے معلومات فراہم کیں، جلسے اور مشاعرے کرائے اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

تعلیم زبانِ اُردو کے متعلق اعداد و شمار آگے کسی جگہ دیے گئے ہیں یہاں صرف اتنا کہنا ہے کہ مدارس میں تعلیم اُردو کا بھی انتظام ہے، مگر بچے یا بچوں کے والدین اس طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے اور مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ تعلیم کی اہمیت کا احساس نہیں ہے، اس لیے اُردو کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس کے

اسباب دریافت کرنے پر معلوم ہؤا کہ اوّل تو سب سے بڑا سبب افلاس ہو، یعنی بچے کتابیں بھی نہیں خرید سکتے۔ اگرچہ اسکولوں میں کوئی فیس نہیں لی جاتی، مگر صرف ایک سبب سے مسلمان تعلیمی حالت میں پیچھے ہیں۔ بلکہ حصول معاش کے پیش نظر اکثر والدین اپنے بچوں کو ہندی ہی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اس میلان کو ضرور دفاتر میں ہندی رسم الخط کے رائج ہو جانے کا نتیجہ کہا جا سکتا ہو۔ مگر دفاتر میں حالت یہ ہو کہ سوائے رسم الخط کے زبان اب تک بالکل اُردو ہو، جیسا کہ بعض تحریروں سے معلوم ہوگا

ایک اور امر کا ذکر کرنا بھی مفید مطلب ہوگا۔ یعنی یہاں طلبہ کو ہندی تعلیم اس طرح کی دی جاتی ہو جس سے یہ توقع کرنا عبث ہو کہ آئندہ چل کر ہندی اور اُردو کے بین بین کوئی زبان پیدا ہو سکے گی۔

ہائی اسکول کے ایک جلسے میں شرکت کا اتفاق ہؤا، بچوں کی گفتگو اور اُن کی تحریری زبان دونوں کو سُننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ بہت صاف طور پر یہ نظر آتا ہو کہ بول چال کی زبان اور پڑھنے لکھنے کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہو۔

اس کا ذمہ دار راجپوتانہ بورڈ ہو جو بچوں کے لیے ہندی اور اُردو دونوں ریڈریں مقرر کرتا ہو۔ اس بات کی سخت ضرورت ہو کہ آل انڈیا انجمن ترقی اُردو اور کانگرس یا ہندی کی جماعتوں سے جو سمجھوتا ہؤا ہو اس کی اشاعت کی جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس پیام کو پہنچایا جائے۔ اور راجپوتانہ بورڈ پر زور دیا جائے کہ وہ اپنی ریڈریں مرتب کرنے میں احتیاط سے کام لے، ورنہ راجپوتانہ میں ہماری مشترک زبان کا مستقبل تاریک ہو۔

یہاں کے لوگوں میں ابھی تک پوری شدت سے اُردو کی نفرت کے جراثیم نے پرورش نہیں پائی ہو اور اگر یہی نوبت رہی تو شاید ہماری آئندہ نسلیں بھول جائیں گی کہ ہندستانی یا اُردو بھی کوئی زبان تھی۔ بنیادی چیز اُردو کی تعلیم ہو اور

ہمیں اس سے بالکل غافل نہ رہنا چاہیے۔

یہاں قوالیوں اور مختلف قسم کے جلسوں میں جب غزلیات یا گفتگو میں اُردو زبان کے بعض ایسے الفاظ آجاتے ہیں، جن سے لوگ نامانوس ہوتے ہیں تو وہ بڑے ذوق شوق سے اُن کے معنی اور تلفظ پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس جذبے کی افزائش اور ترقی کے سامان اگر نہ ہوئے اور مدارس میں زہریلی تعلیم دی جاتی رہی تو زمانہ قریب ہے جب کہ یہی لوگ نفرت کرنے لگیں گے۔

میں اپنا خوش گوار فرض سمجھتا ہوں کہ رائے بہادر بھائی لال شادی لال جی بی-اے، ایل ایل-بی دیوان ریاست اور بابو امرناتھ بی-اے ہوم سیکرٹری کا شکریہ ادا کروں، جنھوں نے اپنے ماتحت دفاتر کو میری امداد و معاونت کی ہدایت فرماکر میرے کاموں میں سہولت بہم پہنچائی۔ آخر میں لیکن سب سے زیادہ جوش اور ولولہ کے ساتھ شہر کے دیگر حضرات بالخصوص ریاست جھالاواڑ کے نوجوان لفٹنٹ مسٹر علیم الدین سپرنٹنڈنٹ گیسٹ ڈیپارٹمنٹ کا سپاس گذار ہوں کہ انھوں نے اپنی محبت و شفقت اور ہدایت و رہبری کی وجہ سے مجھے یہ نہ محسوس ہونے دیا کہ میں کسی غیر جگہ ہوں

ذیل میں سوالات کے جوابات درج کیے جارہے ہیں:-

چونکہ ریاست کی رپورٹ مردم شماری علیحدہ نہیں چھپی اس لیے راجپوتانہ ایجنسی کی رپورٹ سے اعداد و شمار حاصل کیے گئے ہیں اور اس رپورٹ میں زبان اُردو کے متعلق الگ کوئی تفصیلی معلومات درج نہیں کی گئی ہیں، لہٰذا امکان ہے کہ اعداد و شمار کو لیتے وقت کچھ غلطی ہو، پھر بھی اسی احتیاط کو پوری طرح مدِنظر رکھا گیا ہے جو اس نوعیت کے کاموں میں برتی جاسکتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ جھالاواڑ کے متعلق اعداد و شمار بہت زیادہ درست ہیں۔

حصہ اوّل

سوال نمبر ا

(الف) ۱۵ ہزار ایک سو چورانوے افراد کی مادری زبان اُردو ہو۔

(ب) ۴۵ ہزار ۸ سو ۷۷ افراد مادری زبان کے علاوہ اُردو خوب بولتے ہیں۔

(ج) ایک ہزار ۸ سو ۹۱ نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں اور لکھ پڑھ سکتے ہیں۔

(د) ۴۰ ہزار ۴ سو ۷ نفوس اُردو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) کل سرکاری مدارس ۸ ہیں جن میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہو۔

(ب) ایک ہائی سکول ہو۔ ۴ مڈل اسکول ہیں اور تین پرائمری اسکول ہیں اور ان میں کل درجوں میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہو۔

(ج) یو پی و راجپوتانہ بورڈ سے تعلق ہو اور تمام مدارس میں اُسی کے مطابق نصاب تعلیم جاری ہو۔ البتہ اتنا ضرور کیا جاتا ہو کہ لڑکوں کے افلاس کے پیش نظر اگر بورڈ جلدی کتابوں کو تبدیل کر دے تو مقامی اساتذہ کی سفارش پر ریاست کا محکمۂ تعلیم انھیں کتابوں کو منظور کر لیتا ہو جو پہلے تھیں۔ مگر ایسا صرف ابتدائی درجوں میں کیا جاتا ہو۔

(د) ان تمام اسکولوں میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۱۲ ہو۔

سوال نمبر ۳

(الف) باقاعدہ مکتب صرف دو ہیں البتہ ایسے مکتب بہت ہیں جن میں بعض صحاب

بچوں کو اپنے گھروں پر بلا کر ابتدائی تعلیم دینیات و زبان دیتے ہیں۔ ان مکاتب کی تعداد ۱۰ ہے اور اُن میں ۱۰۰ طلبا تعلیم پاتے ہیں مگر ان کی حالت امید افزا نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴

(۱) سرکاری اُردو کتب خانہ ایک ہے۔

(۲) ایسے سرکاری کتب خانے جن میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں صرف ۲ ہیں۔

(۳) ۵ نجی اُردو کتب خانے ہیں، راجہ صاحب حال کی لائبریری اس کے علاوہ ہے اور اس میں بھی اُردو کتابیں موجود ہیں۔

سوال نمبر ۵

اُردو کی خدمت کرنے والی انجمنوں کی تعداد ۲ ہے۔ یہ انجمنیں سال میں متعدد مشاعرے کیا کرتی ہیں۔

سوال نمبر ۶

سرکاری پریس میں اُردو سیکشن بھی موجود ہے۔

سوال نمبر ۷

ملاحظہ ہو منسلکہ اصل نقل تحریر عدالت۔

سوال نمبر ۹

(۱) اُردو مکاتب کا قیام۔

(۲) لوگوں میں اُردو زبان سے شوق بڑھانے کے لیے پروپیگنڈا۔

(۳) بچوں کو مکتب میں داخل ہونے کی ترغیب اور اُن کی امداد۔

(۴) اُردو اساتذہ میں اُردو زبان کی اہمیت کا احساس پیدا کرنا۔

(۵) دارالمطالعہ، کتب خانے اور انجمنوں کا مزید قیام۔

حصہ دوم

سوال نمبر ۵ و ۶

اِن دونوں سوالوں کے جواب میں کتاب اور صاحبِ کتاب کا نام درج کیا جاتا ہے۔

(۱) نام کتاب "چہار چمن" نثر میں ریاست جھالاواڑ کی تاریخ ہے۔ مصنفہ بیکن خاں صاحب مرحوم سابق بخشی فوج۔ سال طبع ۱۸۸۳ء

(۲) "ڈرامہ پر ایک دقیق نظر" مصنفہ سید محمد حسین صاحب رضوی مرحوم سال طبع ۱۹۰۲ء مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ

(۳) رسالہ "آفتاب" ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۹ء تک، ایڈیٹر سید محمد حسین رضوی مرحوم، سب ایڈیٹر پنڈت پرشوتم لال شرما۔

(۴) "لکچروں کا سلسلہ" ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک جاری رہا۔ یہ سلسلہ سابق مہاراج کے حکم سے شروع ہوا تھا۔ اور ہر افسر موضوعات جنگ میں سے کسی ایک موضوع کو اختیار کرکے اُس پر تیار ہو کر لکچر دیا کرتا تھا۔ یہ تمام لکچر سرکاری مطبع میں چھپ چکے ہیں، ان کی زبان اُردو ہے اور رسم الخط بھی اُردو ہی ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

لکچر نمبر ۱۔ "برطانیہ کی بحری طاقت" از ماسٹر شیام بہاری لال صاحب بی اے۔ سول جج جھالاواڑ۔

لکچر نمبر ۳۔ "بلجیم پر جرمن مظالم" از مہاراج رانا سر بھوانی سنگھ جی متوفی۔
لکچر نمبر ۷۔ "جرمن جاسوسی" از پنڈت شیو کمار صاحب چتر ویدی

حال پرائم منسٹر قرولی اسٹیٹ۔

لکچر نمبر ۴: "جنگ یورپ" سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی۔ آفس سپرنٹنڈنٹ جھالاواڑ ریونیو ڈیپارٹمنٹ۔

لکچر نمبر ۱۳۔ "جنگ میں شفاخانہ کا انتظام" از بابو ٹھن لال صاحب سابق فنانس سیکرٹری۔

لکچر نمبر ۱۶: "درۂ دانیال" از بھائیا شادی لال صاحب پرائم منسٹر

لکچر نمبر ۱۸: "ملک کی ہمدردی" از پنڈت دھنی رام صاحب شرما۔

نوٹ:۔ یہ لکچر ابتدا میں ہفتہ وار ہوتے رہے۔ بعد میں ماہانہ جاری رہے۔ ان میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہر لکچر کے ساتھ ایک نظم بھی ہوتی تھی۔

(۵) "کلیاتِ دانش" مجموعہ کلام منشی شمبھو دیال صاحب دانش متوفی۔

(۶) رسالہ "آفتاب" جنوری سنہ ۱۹۲۰ء سے، ایڈیٹر آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی۔

(۷) رسالہ سہ ماہی "شاعری کی کایا پلٹ" اس رسالے میں تین مہینے کا کلام جمع کر دیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کا اجرا بطور خاص اس وقت سے ہوا تھا، جب کہ سابق مہاراج شعرا کو نیچرل شاعری پر چلنے کے لیے رہبری فرما چکے تھے۔ ایڈیٹر:۔ سید مصطفےٰ حسین صاحب رضوی۔

(۸) "جنگ بھٹواڑہ" از حافظ یٰسین خاں صاحب شرر۔ اس میں راجپوتانہ کی ایک مشہور جنگ کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔

(۹) "دیوان نیرنگ" مجموعہ کلام مولوی عبدالوحید صاحب نیرنگ کاکوروی مطبوعہ نیّر پریس پاٹا نالہ لکھنؤ (سنہ ۱۹۲۹ء)

(۱۰) "اسلامی ٹُنت" حصہ اول مرتّبہ سید حامد حسین رضوی (علیگ) مطبوعہ نگار مشین پریس لکھنؤ (سنہ ۱۹۲۸ء)

(۱۱) ''اسلامی لغت'' حصہ دوم مرتبہ سید حامد حسین رضوی (علیگ) مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ (۱۹۳۱ء)

(۱۲)۔ ''اسلامی لغت'' حصہ سوم۔ مرتبہ سید حامد حسین رضوی (علیگ) مطبوعہ پریس پھلواری شریف (پٹنہ)

بعض کتابیں اور دیوان ایسے ہیں جو اب تک چھپے نہیں ہیں اور عنقریب چھپ جائیں گے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) دیوان سید مصطفےٰ حسن صاحب رضوی، پتہ:۔ آفس سپرنٹنڈنٹ، ریونیو ڈیپارٹمنٹ۔

(۲) ''دیوان حافظ محمد یٰسین خاں صاحب شرر شاگرد حضرت نیرنگ کاکوروی، پتہ:۔ اسسٹنٹ لائبریرین کیمبل لائبریری۔

(۳) ''دیوان'' مولوی محمد عثمان خاں صاحب فائق، شاگرد حضرت کیف ٹونکی پتہ:۔ ہیڈ مولوی ہائی اسکول۔

(۴) ''دیوان'' منشی عبدالعزیز صاحب عزیز شاگرد حضرت نیرنگ کاکوروی پتہ:۔ کارکن خزانہ

(۵) ''دیوان'' منشی سکندر خاں صاحب اثر شاگرد حضرت نیرنگ کاکوروی

(۶) ''دیوان مولوی وجیہ الدین خاں صاحب حنیف شاگرد حضرت امینائی۔ پتہ:۔ محلہ منگل پورہ

(۷) ''دیوان''، منشی رفیق بیگ صاحب تسلیم شاگرد حضرت نیرنگ پتہ۔ روزینہ دار

(۸) ''انتخاب کلام شعرائے ہند'' ۳۰-۱۹۲۹ء میں موجودہ مہاراج نے ایک کمیٹی شعرا کی بنائی تھی، اس کا منشا یہ تھا کہ مشاہیر شعرائے ہند کے کلام کا انتخاب کیا جائے چنانچہ یہ انتخاب تیار ہو۔ مہاراج کی واپسی یورپ پر چھپ سکے گا۔

(۹) ''تذکرۃ الشعرائے جھالاواڑ''

ریاست جھالاواڑ کی عدالتی زبان کا ایک نمونہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ اس میں صرف رسمِ خط بجائے ناگری کے اُردو رکھا گیا ہے، اور کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی۔

نقل روبکار از عدالت ڈسٹرکٹ جج راج جھالاواڑ بہ اجلاس بابو کنھیالال صاحب بی۔ اے۔ ایس سی، ایل ایل۔ بی، حاکم عدالت موصوف (مذکور) واقع ۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء

مہر عدالت

دستخط نقل نویس

بابو محمد حنیف ولد عباس علی خاں کنٹرکٹر موٹر کی نظامت چیچٹ ریاست جھالاواڑ } بنام { نور محمد ولد الٰہ بخش قصّاب ساکن بھوانی گنج مدعی رسپانڈنٹ

مدعا علیہ اپیلانٹ

اپیل بناراضی تجویز سول جج

بھوانی منڈی ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء بابت ڈگری ۱۲ر مفصل حالات مقدمہ روبکار سول جج بھوانی منڈی مورخہ ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء میں درج ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مدعی نے بر بنائے بہی کھاتہ و گواہ ۱۲ر اصل رقم کی نالش مدعا علیہ پر کی تفصیل رقوم عرضی دعویٰ میں درج ہے۔ جواب دعویٰ میں مطالبہ مدعی حساب ہوکر و محسوبی ادا ہو جانا کہا گیا۔ جواب الجواب میں ادائگی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ عدالت نے یہ تنقیح قائم کی کہ کیا ۵ر صرفہ مرمت کنواں و ۸ر تنخواہ جملہ ۱۳ر مدعی کے ذمہ مدعا علیہ کے واجب ہیں اور یہ رقم چٹھی پیش کردہ مدعا علیہ کے علاوہ ہے۔ ثبوت مدعی سے طلب ہوا۔ بعد تحقیقات عدالت نے زر متدعویہ کی ڈگری دی اور وجوہات یہ درج کی کہ مدعی کا کنوئیں کی مرمت کرانا اور مدعا علیہ کے یہاں نوکر رہنا ثابت ہے

نیز مدعی کا اپنے ذمہ کی رقم کی چٹھی لکھتے وقت ملازم مدعا علیہ سے اپنے مطالبے کا حساب چاہنا اور ملازم مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ میری طرف کے روپیوں کی تو تو چٹھی لکھ دے، تیرا حساب مدعا علیہ سے کرا کر رقم دے دوں گا، ثابت ہے۔ پس مطالبہ مدعی قابل ڈگری ہے۔

برخلاف تجویز ڈگری مدعا علیہ کی جانب سے چند حضرات اپیل دائر ہونے پر و تقرر پیشی فریقین طلب کیے گئے۔ وکیل اپیلانٹ آئے۔ رسپانڈنٹ باوجود اطلاع حاضر نہیں آیا۔ وکیل نے اپیلانٹ کی بحث سنی۔ مخصوص عذرات یہ ہیں کہ تنقیح کا بار ذمہ مدعا علیہ ہونا چاہیے۔ واقعی وعدہ ملزم مدعا علیہ مصنوعی ہے۔ نہ ملزم کے اقرار کی پابندی مدعا علیہ پر عاید ہوتی ہے، اگر مدعی کا مطالبہ مدعا علیہ پر ہوتا تو مدعی اپنی مقروضیت کی چٹھی نہیں لکھتا۔ گواہ مدعی خلاف ہدایت قسطوں سے پیش ہوا ہے۔ میں نے کارروائی کی مسلوں کو دیکھا تو بہی کھاتے فریقین دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چناں چہ بہی کھاتے فریقین ملاحظہ کیے۔ اور وکلائے فریقین کی زبانی بحث سنی اور تحریری بحثیں پیش کردہ فریقین و کارروائی کی مسلوں کو دیکھا۔ جن گواہان کی شہادت پر عدالت تحت نے ڈگری تجویز کی ہے وہ برخلاف ہدایت قسطوں سے لیے گئے ہیں جو نہیں لینا چاہییں تھے۔ نیز مدعی نے جو مدعا علیہ کو اپنی مقروضیت کی چٹھی لکھی اس میں اگر مدعی کا کوئی مطالبہ ذمہ مدعا علیہ واجب ہوتا تو مدعی ضرور درج کرتا کہ میرا اتنا مدعا علیہ پر قرضہ ہے یا کم سے کم اتنا لکھتا کہ میرا مدعا علیہ کے ذمہ کچھ باقی ہے جس کا حساب مدعا علیہ سے کرنا ہے۔ ایسا نہ کرتے ہوئے مدعی کا اپنی مقروضیت کی چٹھی مدعا علیہ کو لکھ دینا اس امر کا متقاضی ہے کہ بہ وقت تحریر چٹھی مقروضیت مدعا علیہ پر مدعی کا کوئی مطالبہ نہیں تھا اور زر متدعویہ چٹھی لکھنے سے پہلے کا بتایا جاتا ہے اور دعویٰ مدعی کی تکذیب اس طرح سے بھی ہوتی ہے کہ مدعی مرمت وغیرہ کی رقم کا بھی دعویٰ دار ہے۔ لیکن اس چٹھی میں، جس میں کہ مدعی نے مدعا علیہ کے مطالبہ کو اپنے ذمہ قبول کیا ہے جس کی نقل مصدقہ

عدالت تحت کی مسل نمبر ۱۱ میں شامل ہے، مدعی نے لکھا ہے کہ میں نے آپ کی دو دکانوں کا کرایہ مبلغ عنـــہ وصول کیا تھا، اس میں مرمت وغیرہ کرا کر بعد حساب ۲/۹ رہے اور میرے ذمہ کا کرایہ چھ ماہ کا باقی ہے یعنی مرمت کا خرچہ مدعا علیہ سے مدعی مجرا بھی کر چکا اور پھر دعوے وار بھی ہے ان تمام حالات پر غور کرتے ہوئے عدالت ہذا کی رائے میں دعویٰ مدعی قابل اخراج ہے۔

لہٰذا حکم ہوا کہ

اپیل مدعا علیہ اپیلانٹ بحال اور تجویز عدالت تحت منسوخ ہوکر واپسی مسل عدالت تحت کو اطلاع دی جائے۔ خرچہ ہر دو عدالت بحق مدعا علیہ ذمہ مدعی، حسب ضابطہ سرشتہ سے لگا دیا جاوے۔ فریقین اور وکلائے فریقین کو اطلاع دی جا کر مسل اپیل بعد کارروائی ضابطہ داخل دفتر ہو۔ تاریخ صدر سنہ صدر

خرچ مدعا علیہ ذمہ مدعی رسپانڈنٹ

نام عدالت	رسوم طلبانہ	کاغذ مختارنامہ	مختار	صرفہ ڈاک	صرفہ نقل	میزان
سول جج بھوانی منڈی	ے؍	سہ؍	عہ	۶؍	۸؍	۶؍	۱۱؍
ڈسٹرکٹ جج	ے؍	سہ؍	عہ	۹؍	۸؍	ے؍	لعہ؍

متقابلہ شد

۲- بونْدی

عام حالات

ریاست بونْدی، جھالاواڑ کی طرح، ہڑوتی ٹونک ایجنسی راجپوتانہ کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس کی آبادی ۲ لاکھ ۱۶ ہزار ۷ سو ۲۲ نفوس پر مشتمل ہے۔ ریاست کے حالات ظاہر کرتے ہیں کہ بعض ریاستوں کی طرح یہ کوئی جدید ریاست نہیں ہے، جو انگریزوں سے معاہدوں کے بعد عالم وجود میں آئی ہو بلکہ مسلمان بادشاہوں کے زمانے ہی سے قائم و برقرار چلی آتی ہے۔

یہ معلوم کر کے تعجب ہوتا ہے کہ لودیوں کے زمانے میں جبکہ تمام ریاستوں کے دفاتر میں فارسی رائج ہوئی، یہاں کے راجاؤں نے اس کا استعمال شروع نہیں کیا، برخلاف اس کے یہاں کے دفاتر میں مقامی بولی ہاڑوتی، ہندی رسم الخط کے ساتھ دفتری تحریروں میں استعمال ہوتی رہی اور بعض راجہ ایسے بھی گزرے جنھوں نے سختی کے ساتھ دفتری تحریروں میں اُردو اور فارسی الفاظ کی آمد کو روکا ہے۔ گزشتہ زمانے میں یہاں کی سرکاری ملازمتوں میں کثرت سے اُردو اور فارسی جاننے والے داخل تھے۔ اور خصوصیت سے بیرونی مسلمان اچھے اچھے عہدوں پر فائز تھے، لیکن ان کو بطور خاص اسی کی پابندی رکھنی پڑتی تھی کہ اُردو الفاظ استعمال نہ ہونے پائیں مگر اس قسم کی احتیاط کے باوجود غلطی ہو جاتی تھی۔ چناں چہ ۱۹۰۰ء میں بھی جبکہ مہاراؤ راجہ رگھوبیر سنگھ حکمراں

تھے، احکام ہوئے کہ اُردو اور فارسی الفاظ سرکاری تحریروں میں نہ آنے پائیں۔
ان امور کے باوجود ۱۹۲۸ء سے، جب کہ موجودہ راجہ گدی پر بیٹھے اُردو الفاظ کثرت سے استعمال ہونے لگے اور آج تو بالکل اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور عدالتوں میں خصوصاً اور دیگر محکمات میں عموماً اُردو الفاظ اور اُردو عبارت لکھی جاتی ہے۔
عدالتی تحریر کی ایک نقل حاصل کرکے اس رپورٹ کے ساتھ لگائی جارہی ہے۔ اُس سے اوپر کے امور کی تصدیق ہوگی۔

ان حالات کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہاں اُردو زبان کا نام ونشان بھی نہ ہوتا لیکن اس رپورٹ کے بعض حصّوں سے معلوم ہوگا کہ اُردو زبان اپنے فطری تقاضے کے زور سے یہاں کی بولی اور لوگوں کے مذاق کو متاثر کررہی تھی ہمیں ۱۹۱۰ء سے پہلے کی بھی بعض مطبوعات وتصانیف ملتی ہیں اور بہت سے گزرے ہوئے اصحاب کے نام معلوم ہوتے ہیں، جو بعض مشکلات کی وجہ اپنے کلام اور تصانیف کو طبع نہ کراسکے۔

"آج بھی بعض اصحاب کے قول کے مطابق جب کہ ہندو افسر برسرِ حکومت ہیں اور زبان وادب کے مسئلہ میں جانب دارانہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں، یہ امر مشکل نظر آتا ہے کہ اُردو زبان کو خارج کردیا جائے اور اُس کے مقابلے میں ہندی بھاشا کے نامانوس اور مشکل الفاظ کو رائج کیا جائے۔ مقامی بولی کو تحریروں میں اب یہ لوگ استعمال نہیں کرسکتے کہ خود اس کے الفاظ اور محاوروں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

یہ کیفیت ہم کو بتاتی ہے کہ یہاں اُردو زبان ترقی کی طرف مائل ہے اور کثرت سے بیرونی ملازمین اور باشندوں کی آمد سے اُردو زبان پوری طاقت سے مقامی بولی کو دبانا چاہتی ہے۔ تقریباً تین سال سے یہاں کی زمین کا سروے ہو رہا ہے،

سروے افسر ایک بیرونی مسلمان ہیں اُن کا عملہ بھی جس میں پچاس ساٹھ آدمی ہیں، تقریباً بیرونی باشندوں پر مشتمل ہے اور ان سب کی مادری زبان اُردو ہے۔ ان کو زیادہ تر دیہات میں کام کرنا پڑتا ہے۔ سروے افسر صاحب کا قول ہے کہ ہماری بولی کو یہاں کے لوگ سب سمجھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے وہ یقیناً سمجھنے کی طرف مائل ہیں، ہم نے تین سال یہاں کام کیا ہے اور ابھی تقریباً اتنے ہی عرصے کام اور کرنا ہے ہم لوگوں نے یہاں کی زبان کو بہت کچھ متاثر کیا ہے۔

اس اثر کی رفتار سست اور کمزور یوں پڑ گئی ہے کہ بچوں کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ چند سرکاری مدارس میں اور معدودے چند نجی مکتبوں میں اُردو تعلیم دی جاتی ہے مگر ان کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ سرکاری مدرسوں کے اساتذہ اُردو زبان کے جدید تقاضوں اور ضرورتوں سے ناواقف ہیں، بچوں کی تعلیم میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے مسلمانوں کے افلاس اور کم علمی کے باعث، جو کچھ نجی مکتب ہیں وہ بھی اگر باقی رہ جائیں تو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ بہر حال اگر تعلیم کا معقول انتظام ہو جائے اور نجی مکتبوں کو استقلال نصیب ہو تو بوندی کی اُردو زبان کا مستقبل امید افزا ہو سکتا ہے۔

یہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ رپورٹ مردم شماری میں جو اعداد و شمار دیے گئے ہیں وہ غلط ہیں اور خصوصاً زبانوں کے متعلق تو بالکل غلط ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر جن لوگوں سے کام لیا گیا ہے وہ مواضعات کے پٹیل اور دوسرے وہیں کے لوگ ہیں۔ ان میں سپروائزر کے علاوہ تقریباً سب جاہل تھے، اور وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ زبانوں کی اعداد شماری کس نقطۂ نظر کے ماتحت ہوتی ہے اور اُن میں درستی کا خیال لازمی و ضروری ہے، بلکہ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ سب کی زبان ہاڑوتی یا راجستانی ہوتی ہے، لہٰذا پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

چناں چہ رپورٹ مردم شماری میں زبانوں کی تقسیم اس طرح کی ہے کہ نصف تو

ہاڑوتی بولنے والے ہیں اور نصف راجستانی بولنے والے اُردو زبان کے متعلق جو اعداد و شمار دیے ہیں انھیں دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہو۔ اس کے علاوہ ایسے خانوں میں جن میں اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے سمجھنے والوں کے اعداد دیے ہیں، ان میں بھی مارواڑی، مالوی اور ہندی کے سمجھنے والے تو موجود ہیں، لیکن اُردو یا ہاڑوتی اور اُردو ملی ہوئی ہندستانی سمجھنے والا ایک بھی نہیں۔

لاکھیری (بونڈی) ایک قصبہ ہو اور یہاں ہندستان کی مشہور سیمنٹ فیکٹری قایم ہو اور کثرت سے مزدور مختلف صوبوں کے رہنے والے یہاں کام کرتے ہیں، کم از کم یہاں کی بولی کو ہندستانی میں شمار کرنا چاہیے تھا۔ اول تو اس قصبے کے اعداد ہی علیحدہ نہیں ہیں اور جس ضلع میں اس کے اعداد ملا دیے ہیں اُسی کے اعداد بھی بتاتے ہیں کہ بُری طرح اُردو یا ہندستانی کی طرف سے غفلت برتی گئی ہو۔

اس رپورٹ میں ہاڑوتی بولنے والوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۱ ہزار ۸ سو ۷۹ اور راجستانی بولنے والوں کی تعداد ایک لاکھ ۶۱ ہزار ۴ سو ۹۶ بتائی گئی ہو اگر ہم اس بیان کو مان لیں اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اُردو جن کی مادری زبان ہو ان کی اتنی ہی تعداد ہو جتنی کہ اس میں بتائی گئی ہو تو کیا یہ بھی قرین قیاس ہو سکتا ہو کہ اُردو سمجھنے والے یا اُردو کو اپنی مادری زبان کے علاوہ بولنے والے بھی ناپید ہیں؟

مندرجہ بالا خیال کو ہم بالکل تسلیم نہیں کر سکتے اور اب یعنی ۱۰ برس میں تو اُردو بولنے والوں اور سمجھنے والوں کی تعداد معلوم نہیں کہاں تک پہنچ گئی ہو گی۔ جائزہ زبان اُردو ۱۹۳۱ء کی رپورٹوں کی رو سے ہو رہا ہو۔ لہذا ہمارا انھیں سے تعلق ہو اور ہم نے یہاں کے متعلق جو اعداد شمار حاصل کیے ہیں بالکل صحیح ہیں۔ اُن میں اضافے کی تو گنجایش ہو مگر کمی کی نہیں ہو۔

آخر میں بعض صاحبوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دینا بہت ضروری ہو۔

اِن اصحاب نے نہ صرف جائزہ زبان اُردو کے کام میں مدد بہم پہنچائی بلکہ اُردو زبان کی ترقی اور بچوں کی تعلیم کے دل سے خواہاں ہیں اور اپنی استطاعت کے موافق کوشش کر رہے ہیں اور یہ جناب سیٹھ شیخ چاند محمد صاحب ٹھیکہ دار، منشی واجد حسین صاحب واجد اور ملا پیر محمد صاحب عثمانی کی درد مند اور مخلص ہستیاں ہیں۔

استفسارات کے جوابات ذیل میں شروع کیے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۱

(الف) دس ہزار ایک سو چالیس افراد کی مادری زبان اُردو ہے۔

(ب) چالیس ہزار ایک سو ۲۵ افراد اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو (ہاڑوتی + اُردو) بولتے ہیں۔

(ج) ایک ہزار ۶ سو ۳۲ افراد اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔

(د) ۲۹ ہزار ۶۹ نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) سرکاری مدارس کی تعداد ۳ ہے۔

(ب) ۲ لوئر مڈل اسکول اور ایک ہائی اسکول ہے۔

(ج) راجپوتانہ بورڈ کا نصاب ہے۔

(د) طلبا کی مجموعی تعداد ۵۰ ہے۔

سوال نمبر ۳

کل ریاست میں نجی مکاتب کی تعداد ۸ ہے اور ان میں طلبا کی تعداد جو دیگر مضامین کے ساتھ اُردو بھی پڑھتے ہیں ۳۰۰ ہے۔

سوال نمبر ۴

صرف ایک سرکاری لائبریری ہی، جس میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں مگر اس لائبریری سے رعایا فائدہ نہیں اٹھا سکتی، بلکہ اس لائبریری کو دفاتر سرکاری کی لائبریری سمجھنا چاہیے البتہ بعض حضرات کی ذاتی لائبریریوں میں اُردو کتابوں کا ذخیرہ بھی ہی۔

سوال نمبر ۵

ایک انجمن "مشاعرہ اصلاح الادب" ۱۹۳۲ء میں کچھ لوگوں نے قایم کی تھی اُس نے مشاعرے بھی کرائے، لیکن آج کل کس ہپرسی کے عالم میں ہی۔ اس کی وجہ بعض صاحبوں کی ترک سکونت ہی۔

سوال نمبر ۶

ایک عدالتی تحریر کی مصدقہ نقل حاصل کر کے اس رپورٹ کے ساتھ لگائی جا رہی ہی۔ اُس سے اندازہ ہو سکے گا۔

سوال نمبر ۷

(۱) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے موجودہ مدارس کو مستقل حیثیت حاصل ہو۔
(۲) بچّوں کے لیے درسی کتابیں مفت فراہم کی جائیں۔
(۳) اُردو پڑھے ہوئے لوگوں میں مفید مضامین پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ مفت تقسیم کیے جاویں تاکہ دوسرے لوگوں کو اُردو پڑھنے کی ترغیب و تحریص ہو۔
(۴) مقامی مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
(۵) ایک آدھ اچھا دارالمطالعہ کھول دیا جائے۔

حصۂ دوم

سوال نمبرہ و ۶

ان دونوں سوالوں کا جواب یکجا دیا جاتا ہو، اس کی ترتیب یہ رکھی ہو کہ پہلے گزشتہ و حال کے ایسے مصنفوں اور اُن کی تصانیف کے نام دیے جاتے ہیں جن کی تصانیف چھپ چکی ہیں اور بعد میں اُن کا ذکر کیا جائے گا، جن کی کتابیں چھپ نہیں سکیں۔

مطبوعہ

(۱) کلام حضرت مولٰنا سراج الدین صاحب سراج، مطبوعہ سنہ ۱۹۰۱ء

(۲) ناول "چمپا عرف چنبیلی" مطبوعہ سنہ ۱۹۱۴ء، ابو العلائی پریس آگرہ۔ مصنفہ پنڈت اِندر سہائے مرحوم۔

(۳) "جاں نثار تیجا" ایک مشہور و جانباز جاٹ کی بہادری کا قصہ ہو۔ مترجمہ منشی پربھودیال صاحب رقم حال افسر نزول ریاست بونڈی۔

(۴) "محشر خیال" مطبوعہ
(۵) "ڈرامہ "کیفر کردار" مطبوعہ
(۶) ڈرامہ "عورت کا پیار" مطبوعہ

} مصنفۂ حضرت شاد ہاشمی حال مقیم آگرہ

(۷) "سفینۂ مغفرت عرف کلام واجد"۔ از منشی واجد حسین صاحب واجد۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۳۲ء افضل المطابع بمبئی۔

غیر مطبوعہ

(۱) کلام حضرت مولٰنا غیاث الدین صاحب غیاثی مرحوم۔

(۲) کلام منشی چھیدی لال صاحب چرخ مرحوم
(۳) کلام منشی ایشوری پرشاد صاحب عاصی مرحوم
(۴) کلام حضرت قبلہ شیخ وارث علی صاحب نیم تعظیمی جاگیردار
(۵) "بوندی کی کٹار" مصنفہ پنڈت اندر سہائے مرحوم
(۶) "سنتان سدھار"
(۷) "فن تقریر"
(۸) "جوگ سادھن کی تیاری"
(۹) "تجرد کی فضیلت"
(۱۰) "اندر شکتی کا ظہور"
(۱۱) "روحانی طاقت"
(۱۲) "نیک خیالی کی فتح"
(۱۳) "موت پر فتح"
(۱۴) "آسن"
(۱۵) "ترجمہ رامائن تلسی داس"
(۱۶) فسانہ "ثمرۂ افعال"
(۱۷) فسانہ "بوالہوس کوتوال"
} از منشی واجد حسین صاحب واجد

نوٹ: سلسلہ نمبر ۶ تا ۱۵) ان سب کتابوں کو منشی پربھو دیال درمن نے لکھا ہے۔ اور بڑی محنت سے لکھا ہے۔ ان میں "سنتان سدھار" ہندی میں چھپ چکی ہے اور راجپوتانہ کے مدارس کے کورس میں داخل ہے۔ اب آپ نے اردو ترجمہ کر لیا ہے اور عنقریب شائع ہو جائے گا۔

(۱۸) "کلید خیال" از منشی مغیث الدین صاحب وصال ہاشمی
(۱۹) "ہنگامہ خیال" از منشی وزیر محمد صاحب وزیر عثمانی
(۲۰) "تصویر خیال" از منشی واجد حسین صاحب واجد

سوال نمبر ۷

(۱) جناب منشی خادم حسین صاحب ممبر کونسل بوندی
(۲) جناب شیخ محمد وارث علی صاحب جاگیردار بوندی
(۳) جناب احمد حسین صاحب ملازم محکمۂ خاص بوندی
(۴) مولوی عباس علی صاحب قاضی ریاست بوندی
(۵) جناب اشرف حسین صاحب ہیڈ مولوی ہائی اسکول بوندی
(۶) منشی سید مغیث الدین صاحب وصال ہاشمی۔ بوندی
(۷) حاجی سید اوصاف علی صاحب وکیل سررشتہ ریاست کوٹہ
(۸) منشی عبدالکریم صاحب۔ اہلمد میونسپل کمیٹی بوندی

ذیل میں ریاست بوندی کی ایک عدالتی دستاویز درج کی جاتی ہی۔ رسم خط بجائے ناگری کے اُردو کر دیا گیا ہو۔ اس کے سوا کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی۔

تجویز صدر عدالت دیوانی راج بوندی

(اسٹامپ)

مدعی	مدعا علیہ
لالہ دیبی دیال انجنیر تالیڈا بوندی	نیمی چند و رام چند ولد موتی لال مہاجن
ملازم ایگریکلچر سنڈیکیٹ	ساکن بوندی

دعوے

دلا پانے ۱۴۰۰ روپے کلدار

اس مقدمے میں مدعی دیبی دیال نے "تاریخ ۶ مارچ ۱۹۳۶ء کو مدعا علیہ نیمی چند اور رام چند کے خلاف یہ دعوے پیش کیا کہ مدعا علیہم نے "تاریخ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو مدعی سے چھ سو کلدار ۱۲؍ فی سیکڑہ سود کے حساب سے قرض لے کر ایک دستاویز مدعی کے حق میں لکھ دی اور اپنا مکان واقع کٹلا پائیتیاں سادہ رہن لکھ دیا۔ مدعا علیہم نے اس تحریر میں سو روپے اور ۱۵۰ روپے ماہوار کی قسطوں سے رقم ادا کرنے کی شرط کی تھی مگر کوئی رقم ادا نہیں کی۔ چونکہ مدعا علیہم پر ایک روپیہ سیکڑہ کے سود کے حساب سے ۶۰۰ روپے سود کے ہوتے ہیں۔ اس لیے ۱۴۰۰ روپے کلدار اور خرچے کی مدعا علیہم پر ڈگری صادر کی جائے۔

مدعی نے بعد میں اس عرضی دعوے کی ترمیم کر کے "تاریخ ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

کو دوسرا عرضی دعوے پیش کیا اور ظاہر کیا کہ مدعا علیہ نے اصل میں ۱۹۲۹ء
میں ۱۰۰۰ روپے قرض لیے تھے اس میں ۲۰۰ روپے مدعا علیہم نے ادا کر دیے۔
۱۰۰۰ روپے کی نوشت مدعی کے پاس سے کھو گئی۔ مدعا علیہم نے ۱۰۰۰ روپے کی
دوسری دستاویز سادے کاغذ پر لکھ دی اور ۲۵۰ اور ۱۵۰ روپے ماہوار
کی قسط سے روپے ادا کرنے کی شرط کی لیکن ۱۰۰ روپے صرف اس میں ادا
کیے اسی دستاویز میں سے رقم کو توڑ کر کے مدعا علیہم نے ۶۰۰ روپے کی دستاویز
متدعویہ لکھی تھی۔

مدعا علیہ رام چند اور نیمی چند نے مدعی کی پیش کردہ دونوں تحریر اگزبٹ
(اے) اور (بی) کی اپنی لکھی ہوئی ہونا تسلیم کیا۔ لیکن رام چند نے ظاہر کیا کہ
اس نے اپنے بھائی نیمی چند کے کہنے سے دستخط کر دیے تھے، وہ اور کسی بات
سے واقف نہیں ہو اور نہ رقم دینے کا ذمہ ور (ذمہ دار) ہو۔ مدعا علیہ نیمی چند نے
ظاہر کیا ہو کہ اسے ایک ہزار روپے کی دستاویز لکھنا یاد نہیں آتا۔ ۶۰۰ رُپی کی
تحریر اگزبٹ (اے) ۱۰۰ رُپی کی تحریر اگزبٹ (بی) کی ٹوٹی ہوئی نہیں ہو۔ مدعی
کے پاس اس کے ہاتھ کی اس طرح کی بہت سی تحریریں ہیں۔ مدعی کے اور اس
کے سیر میں بیوپار ہوا تھا۔ مدعا علیہ مال رکھتا تھا اور رقم مدعی سے لکھوا دیتا
تھا۔ مال مدعی کے قبضے میں رہتا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف مدعی کے صرف ۲۰۰
رُپی یا ۲۵۰ رُپی کے قریب باقی رہ گئے تھے اور وہ بھی نقصان کے مدعی مانگتا تھا
مدعی نے یہ کہہ کر کہ ۶۰۰ رُپی بیوپار کے لیے پھر اُدھار دوں گا۔ تحریر اگزبٹ (اے)
لکھوالی تھی مگر پھر رقم نہیں دی۔ دعوے مدعی جھوٹا ہو، اس نے کوئی نقد رقم نہیں دی
اس لیے خارج ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں حسب ذیل دو تنقیح قایم کی گئی تھی۔

۱۔ آیا مدعی نے مدعا علیہ کو ۶۰۰ کلدار نقد دیے ہیں۔

(۲) آیا مدعا علیہم سے مدعی نے ۶۰۰ رُپے دینے کا اقرار کرکے ہی ۶۰۰ رُپے کی دستاویز لکھوالی تھی اور پھر وہی رقم نہیں دی۔

مدعی نے تنقیح نمبرا کے ثبوت میں گواہان بستی رام ناتھورام، سالگ رام۔ سوہن لال۔ درگاپرشاد، دلیپ سنگھ اور آنندی لال کو پیش کیا۔ اور مدعا علیہ نے اس تنقیح کی تردید اور اپنے ذمے کی تنقیح نمبر۲ کے ثبوت میں گواہان نور محمد اور رام نرائن کو اور مدعی کے بیان کی تصدیق شدہ نقلوں کو جو تاریخ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو عدالت دیوانی میں ہوئے تھے پیش کیا ہے۔ گواہان مدعی بستی رام اور ناتھورام ۶۰۰ رُپے کی تحریر اگزبٹ (اے ۱) اپنے سامنے لکھے جانے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ۱۰۰ رُپے کی تحریر اگزبٹ (بی) سے ہی توڑ کر لکھی گئی تھی۔

گواہان سالگ رام، سوہن لال اور درگاپرشاد اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ مدعی پنجاب گیا، تب ہیڈ پوسٹ ماسٹر لالہ رلیا رام سے اپنی رقم وصول کرنے کے لیے کہہ گئے تھے۔ لالہ رلیا رام سے پوسٹ آفس کا چارج بابو سالگ رام گواہ مدعی نے لیا تھا۔ اور رلیا رام ان سے مدعی کی رقم کا تقاضہ کرنے کے لیے کہہ گئے تھے۔ اس لیے وقتاً فوقتاً سالگ رام بوندی پوسٹ آفس کے ذریعہ اور روبرو مدعا علیہ تاکید کردیا کرتے تھے۔ گواہ سالگ رام نے ظاہر کیا ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے روبرو مدعا علیہ ہمی چند سے مدعی کی رقم ادا کرنے کے لیے کہا تھا تو اُس نے کچھ عرصہ میں دے دینے کے لیے کہا تھا۔ بابو سوہن لال سب پوسٹ ماسٹر بوندی اور دُرگا پرشاد پوسٹ مین بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے بھی مدعا علیہ سے مدعی کی رقم کا تقاضہ کیا تھا تو اس نے عاجزی سے دے دینے کے لیے ہی کہا تھا۔ کبھی رقم کم باقی ہونے کا یا دیگر طرح کا عذر نہ کیا۔

گواہان دلیپ سنگھ اور آنندی لال ظاہر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ آنندی لال گواہ کو لے کر ماہ دسمبر ۱۹۳۵ء میں الفانگر پہنچے تھے۔ اس وقت مدعی وہیں تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ کے باہمی فیصلے کی بات چیت ہوئی تھی۔ مدعا علیہ پر سود سمیت قریب دو ہزار روپے ہوتے تھے مگر دلیپ سنگھ نے ایک ہزار اور خرچہ مدعا علیہ کے مدعی کو دینے پر دعویٰ نہیں کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ اس وقت تک بھی مدعا علیہ مدعی کی رقم کو تسلیم کرتا تھا۔

گواہانِ مدعا علیہ نے تحریر متدعویہ کی نسبت کوئی شہادت نہیں دی تھی گواہ رام نراین نے ظاہر کیا ہے کہ جب وہ پیپلز بینک بوندی برانچ میں خزانچی کا کام کرتا تھا تب لالہ دیبی دیال مدعی منیجر کشن لال سے پہچان ہونے سے وہاں آیا کرتے تھے اور نیمی چند کو مال خریدنے کے لیے روپے دیا کرتے تھے۔ جو مال خریدا جاتا تھا اس کی چابی مدعی کے پاس رہتی تھی۔ مال پھر کیسے بکتا تھا اسے معلوم نہیں ہے۔

گواہ نور محمد یہ شہادت دیتا ہے کہ قریب سات سال پہلے مدعی تین چابیاں بھنڈاروں کی فتح محمد کے ذریعے اس کو دے گئے تھے اور اس وقت فریقین کے درمیان ایک تحریر لکھی گئی تھی، اس میں سے ایک بھنڈار میں دھنیا بھرا تھا۔

ان دونوں گواہان کے بیان اور مدعی کے نقل بیان سے جن کو مدعا علیہ نیمی چند نے پیش کیا ہے یہ تو ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مدعی کے پاس کسی وقت مدعی کی رقم کی ضمانت میں مدعا علیہ کا مال ضرور رہتا تھا۔ یعنی ان گواہان کے بیان سے یہ تو نہیں پایا جاتا کہ مدعی اور مدعا علیہ کی سیر میں بیوپار ہوتا تھا یا کیسے لیکن یہ پایا جاتا ہے کہ مدعی مدعا علیہ کی رقم دیتا تھا اور جو سامان مدعا علیہ خریدتا تھا اس کی چابی مدعی رکھتا تھا۔ مگر اس شہادت سے یہ قطعی پتہ نہیں چلتا کہ جس

وقت مدعا علیہ نے مدعی کے حق میں تحریر اگزبٹ (بی) یا اگزبٹ (اے) لکھی اس وقت مدعی کا مدعلیہ کے پاس کتنا روپیہ جا چکا تھا۔ اور آیا اس وقت مدعی کے قبضے میں مدعا علیہ کا کوئی مال تھا یا نہیں۔ شہادت پیش کردہ مدعا علیہ سے اس مقدمے میں ذرا بھی کسی طرح کی مدد نہیں ملتی۔ خود مدعا علیہ نے بھی ایسا کوئی حساب نہیں پیش کیا کہ جس سے وہ یہ بتا سکے کہ اس نے کب کب کتنی رقم مدعی سے لی۔ کتنا کتنا سامان کب کب مدعی کے قبضے میں دیا اور اب ۲۰۰ رُپی یا ۲۵۰ رُپی وہ کس حساب سے بقایا بتلاتا ہو۔ اس نے ظاہر کیا ہو کہ حساب مدعی کے پاس تھا مگر اس کا محض اتنا سا کہہ دینا کافی نہیں ہو اگر وہ ساجھی دار تھا تو اُسے بھی حساب رکھنا چاہیے تھا۔ مدعا علیہ نے یہ بھی ثبوت نہیں دیا ہو کہ مدعی نے اس سے ۶۰۰ رُپی اُدھار دینے کا وعدہ کرکے ہی تحریر اگزبٹ (اے) لکھا لی ہو۔ وہ خود منظور کرتا ہو کہ اس تحریر کے لکھنے کے لیے اسٹامپ تک وہ خود خرید کر لایا تھا۔ ایسی صورت میں اس کے محض یہ کہہ دینے سے کہ بازار میں عزت بگڑنے کے ڈر سے اس نے دستخط کر دیے کافی نہیں ہو۔ مدعا علیہ نے چھ سو کی تحریر کی نسبت بروقت رجسٹری لکھایا ہو کہ اس رقم کا سیر میں مال خریدا تھا۔ جواب دعویٰ میں اس نے لکھوایا ہو کہ مدعی نے یہ رقم دینے کا وعدہ کیا تھا، جو نہیں دی اور بیان میں اس نے ۶۰۰ رُپی کی دستاویز عزت بگاڑنے کے ڈر سے لکھنا بیان کیا ہو اس سے ظاہر ہو کہ مدعا علیہ اس رقم سے بچنے کے لیے جھوٹ بولتا آرہا ہو۔

مدعی نے جو تحریر اگزبٹ (بی) پیش کی ہو۔ اُس میں خود مدعا علیہ نیمی چند نے ۱۰۰۰ رُپی کی تحریر کا ذکر اپنے قلم سے کر رکھا ہو۔ اس تحریر کی پشت پر ۴۰۰ رُپی جمع بھی وہ اپنے قلم سے ہونا تسلیم کرتا ہو۔ ایسی صورت میں ۶۰۰ رُپی کی تحریر اگزبٹ (اے) کا حساب بالکل صاف ہی ہو جاتا ہو۔ گو ابانِ بستی رام، ناتھو رام

کا مدعی سے ایسا کوئی گہرا تعلق ثابت نہیں ہُوا ہو کہ جس سے یہ مدعی کی خاطر خواہ مخواہ جھوٹ بولے۔ گواہ سالگ رام ہیڈ پوسٹ آفس کوٹہ کے پوسٹ ماسٹر اور سوہن لال بونڈی پوسٹ آفس کے پوسٹ ماسٹر یعنی دونوں معزز شخص ہیں یہ مدعی کی خاطر ہی حلف دروغی کریں یہ ممکن نہیں ہو۔ ان نے صاف کہا ہو کہ مدعا علیہ نیمی چند ہمیشہ رقم مدعی تسلیم کرتا رہا۔ ان کی اخیر تصدیق دلیپ سنگھ اور آنندی لال کے بیان سے ہوتی ہو۔ یعنی یہ صاف ثابت ہو کہ مدعا علیہ نیمی چند کو تحریر اگزبٹ (۱ے) لکھی تھی وہ سمجھ سمجھا کر ہی لکھی تھی۔ اس لیے دعویٰ مدعی ڈگری ہونے کے لائق ہو۔ البتہ مدعی نے سود کی رقم دونی کرکے دعوےٰ کیا ہو مگر ۶ر مارچ ۱۹۳۶ء تاریخ دعویٰ تک ۸ء/ سیکڑہ کے درسے سود کے ۵۵۹۱۰ ہوتے ہیں۔ اور تاریخ دعوےٰ سے آج تاریخ فیصلہ تک ۷۷ یعنی کل ۶۳۶ رُپی ۱۰ر مدعی کے دلائے جا سکتے ہیں۔ مدعا علیہ رام چند کا یہ عذر کہ اس نے تحریر متدعویہ پر نیمی چند کے کہنے سے اپنے دستخط کیے تھے اور وہ اس قرض کا دین دار نہیں ہو بالکل ناواجب ہو کیونکہ جب اس نے دستخط کر دیے اور مدعی کا دعویٰ دونوں پر ہو تو ایسی صورت میں رام چندر پر بھی ڈگری دینا مناسب ہو۔

لہٰذا حکم ہُوا کہ

اصل ۷۰۰ رُپی اور بیاج کے ۶۳۷ رُپی ۱۰ر کل ۱۳۳۶ رُپی ۱۰ر کی ڈگری بحق مدعی دیبی دیال بنام مدعا علیہم نیمی چند، رام چند رمع خرچہ مقدمہ کے صادر کی جائے۔ مدعا علیہم اگر رقم فوراً ادا نہ کر دیں تو آیندہ اصل رقم ۱۴۰۰ رُپی پہنچنے تک آٹھ آنے سیکڑہ سود اس پر دلایا جائے۔ مقدمہ درج رجسٹر فیصل کرکے فریقین مطلع کیے جائیں۔

دستخط بھگوان دت صاحب بزبان انگریزی ۶ر مارچ ۱۹۳۷ء

حکم سے واقف ہوئے
میعاد اپیل سے واقف ہوئے
دستخط رام چندر
تاریخ ۹ر مارچ ۱۹۳۷ء

دستخط نیمی چند پاٹ نی کا
حکم سے و میعاد اپیل سے واقف
ہوئے۔ تاریخ ۶ر مارچ ۱۹۳۷ء
دستخط نیمی چند

وکیل ڈگری دار لاجپت رائے
بخط انگریزی
۶ر مارچ ۱۹۳۷ء

مقابلہ شد

پڑھا — سُنا
ہر نراین — (نام غیر واضح)

True copy
دستخط

مُہر عدالت

۳۔ ریاست کوٹہ

عام حالات

ریاست کوٹہ کی کل آبادی ۶ لاکھ ۸۵ ہزار ۸سو ۴ نفوس پر مشتمل ہے۔ ہندستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ہی، یہاں دفاتر میں اُردو زبان رائج ہوئی اس سے پہلے دفاتر میں فارسی رائج تھی، اُردو زبان کے رواج کے بعد بھی ایک فارسی دفتر موجود رہا۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ مختصر ہوتا رہا اور آج کل برائے نام رہ گیا ہے۔ اُردو کی بجائے ہندی رسم الخط کیے جانے کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے کہ یہاں کا ایک شخص کیسری سنگھ چارن موجودہ راجہ اور شاہی خاندان کے دوسرے راجپوتوں کو یہ بتاتا اور سمجھاتا رہا کہ ریاست کے دفتر ہندی میں کردیے جائیں تاکہ تمام عہدوں پر راجپوتوں ہی کا قبضہ رہے۔ شاہی خاندان کے دوسرے افراد بھی اس شخص کے ہمنوا ہو گئے اور راجہ صاحب پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں یہاں کے دیوان رگناتھ داس چوبے کو حکم ملا کہ دفاتر سرکاری میں ہندی رسم الخط کو جاری کیا جائے۔ دیوان نے بہت احتیاط کے ساتھ، اس طرح کہ جب موجودہ اُردو داں ملازمین نے ہندی رسم الخط سے واقفیت حاصل کرلی، دفاتر کا رسم الخط تبدیل کردیا۔

جس خیال کو تحریک کی روح بنایا اُس کو ماننے میں ہمیں کوئی تامل اس لیے

نہیں ہونا چاہیے کہ واقعی گزشتہ زمانے میں یہاں کے سرکاری بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان ممتاز تھے اور ساتھ ہی دیگر ملازمتوں میں بھی کثرت سے یہی لوگ داخل تھے۔ اس ریاست کے قیام وبقا میں مسلمانوں کا بھی بہت زبردست ہاتھ ہے اور اُن کا ریاست پر چھایا رہنا قدرتی امر تھا۔ اور راجپوتوں کی یہ خواہش بھی قدرتی تھی کہ وہ ریاست کے نظم ونسق میں دخیل ہوکر اپنا اقتدار قائم رکھیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رسم الخط کی تبدیلی مسلمانوں کے لیے روک ثابت نہ ہوئی اور انھوں نے بہت جلد ہندی رسم الخط سے واقفیت حاصل کرلی۔ باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ملازمتوں میں دن بدن کم ہوتے گئے اور آج اُن کی یہ حالت ہے کہ انھیں حکومت سے اپنی آبادی کے تناسب سے حقوق طلب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۹۱۱ء سے پہلے پنڈت مالویہ اور دوسرے لیڈر صاحبان تشریف لا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ایک جماعت ہندی زبان کی خدمت کے لیے قائم ہو چکی ہے اور وہ جلسوں میں باہر کے لیڈروں کو مدعو کیا کرتی ہے اور وہ ہندی کی حمایت میں تقریریں کرتے ہیں۔ غرض کہ ہندی پرچار بھی جاری ہے۔ جب یہاں اُردو زبان اپنے رسم الخط کے ساتھ استعمال ہوتی تھی، اس وقت کی (یعنی ۱۹۰۹ء کی) ایک تحریر کی نقل اور ۱۹۲۷ء و ۱۹۲۸ء کی تحریروں کی ایک ایک نقل اس رپورٹ کے ساتھ منسلک ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ اگرچہ رسم الخط ہندی ہو چکا تھا مگر زبان خالص اُردو استعمال ہوتی تھی۔

اوپر کے بیانات ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ بعض بیرونی ہندی پرست اصحاب برابر مقامی لوگوں کو اکسا رہے ہیں اور اس کوشش میں

ہیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو

(۱) رسم الخط دیوناگری کر دیا جائے۔

(۲) رسم الخط بدل جانے کے بعد، بہت آسانی سے زبان بدل دی جائے۔

(۳) مسلمانوں کے اقتدار و اثر کو ختم کیا جائے۔

دوسرے مقصد کے حصول کے لیے آج کل عمل جاری ہے اور رفتہ رفتہ زبان کو بدل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے عرصے تک دفاتر پر اُردو اور فارسی کا اثر رہا ہے اور اُس اثر کو محض تعصب کی بنا پر دور نہیں کیا جا سکتا، دیوانی اور فوجداری عدالتوں میں تھوڑی دیر بیٹھ کر بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیا عوام اور کیا دیہاتی سب کی زبان کس حد تک صاف ہو چکی ہے۔ اسی طرح دیگر محکموں میں جن کا تعلق عوام سے ہے، ہندی کے نامانوس الفاظ رائج کر دینا آسان کام نہیں ہے۔

آخری اور تیسرا مقصد اس لیے رکھا گیا تھا کہ مقامی راجپوت اور ہندوؤں کو اپنی حمایت میں لے لیا جائے۔ چنانچہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ راجپوت بھی ہمنوا ہو گئے تھے کہ ہندی کو دفاتر میں جگہ دی جائے اور عملاً اب بھی زیادہ ملازمتوں پر باہر کے ہندو اصحاب کا قبضہ ہے۔ اور ان میں بھی کثرت انھیں لوگوں کی ہے جو اُردو خوب جانتے ہیں۔ چناں چہ ہندی سے محبت کے جذبے کے باوجود سوائے رسم الخط کے ان کی زبان اُردو ہی ہوتی ہے اور اگر یہ کوشش کر کے ہندی کے ادق الفاظ اپنی تحریر میں لانا بھی چاہتے ہیں تو عوام اُنھیں قبول نہیں کرتے۔ اس لیے مجبوراً وہی زبان تحریر میں آتی ہے جو عام طور پر مروّج ہے۔

ان حالات کے پیش نظر یہاں کے بعض سنجیدہ اور اہل الرائے اصحاب کا یقین ہے کہ اگر اُردو کی حمایت کے لیے باہر سے ممتاز اور مشہور ہستیاں آتی رہا کریں

اور لوگوں کو فرائض کا احساس دلا کہ ان میں اتحاد و تنظیم کی روح پھونکتے رہا کریں تو یہاں اُردو زبان ترقی کر سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک دفاتر پر اُردو اور فارسی کا اثر ہے اور کثرت سے ملازمین ایسے موجود ہیں، جنھوں نے مجبوراً فارسی کے رسم الخط کے ساتھ دیوناگری رسم الخط بھی سیکھ لیا ہے۔ یہاں کے مسلمان دیگر ریاستوں کے مسلمانوں سے زیادہ خوش حال ہیں، چوں کہ اُن میں تعلیم نہیں ہے اور نہ اتحاد و اتفاق ہے، لہٰذا حکومتِ وقت کی نظروں سے گر گئے ہیں۔ اگر پوری طرح کوشش کی جائے تو یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔

اُردو سے دشمنی کے جن حالات کو اوپر لکھا جا چکا ہے اُن کی تصدیق کے لیے ایک واقعہ اور نقل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے وقت مقامی ہندی پرچارکوں اور کارکنانِ مردم شماری نے اس کا پروپیگنڈا کیا تھا کہ لوگ اپنی مادری زبان ہاڑوتی یا راجستانی ہی لکھائیں، تاکہ اُسے ہندی زبان کی شاخ ہی میں شمار کیا جائے۔

اسے اس پروپیگنڈے کا اثر کہیے یا مقامی کارکنوں کا ذاتی تعصب، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کا اثر خاطر خواہ ہوا اور مردم شماری کے اعداد و شمار میں بیچاری اُردو کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ حالات اس کی تردید کرتے ہیں۔ کوٹہ بی، بی، اینڈ سی، آئی ریلوے کی بڑی لائن پر واقع ہے۔ اس کی وجہ سے کاروبار تجارت میں ترقی ہوئی ہے اور کثرت سے لوگ کاروبار کے سلسلے میں آتے جاتے رہتے ہیں، تعلیم نے لوگوں کے لب و لہجہ کو بہت صاف کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ رسل و رسائل اور آمد و رفت کے دیگر طریقوں کے رواج نے لوگوں کو ایک دوسرے سے بالکل قریب کر دیا ہے اور یہاں کی زبان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اپنے ٹھیک ٹھیک معنوں میں ہندستانی ہے۔ خصوصاً شہر کوٹہ اور بعض قصبوں کی زبان بہت صاف اور سُتھری ہے۔ دیہات میں البتہ لہجے اور طرزِ ادا کا فرق موجود ہے۔

پس ان حالات میں کوٹہ راجپوتانہ میں اُردو زبان کا ایک اچھا مرکز بن سکتا ہے۔ سرکاری مدارس میں اُردو زبان کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ البتہ بعض نجی مکتبوں کی حالت اچھی ہے۔ تاہم انجمن ترقی اُردو ہند اور اجمیر والی شاخ کو اس طرف کامل توجہ کرنا چاہیے۔ ۱۹۱۹ء سے پہلے مولوی مظہر علیم صاحب مرحوم انجمن ترقی اُردو کے سفیر کی حیثیت سے یہاں تشریف لائے تھے اور انھوں نے شہر کوٹہ اور قصبہ باراں میں انجمن کی ایک ایک شاخ قائم کی تھی۔ شہر والی شاخ کے سیکرٹری بابو عبدالوہاب صاحب تھے۔ آج کل یہ صاحب ریاست کے ایک اچھے عہدے پر فائز ہیں (حاکم کوٹھریات) ان صاحب سے ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ شاخ تو کچھ دنوں بعد ختم ہو گئی اور انجمن ترقی اُردو کی جانب سے کتب خانے کے لیے جو کتابیں دی گئی تھیں وہ آپس میں تقسیم کر لی گئیں۔

آخر میں اتنا بتا دینا بھی مناسب ہو گا کہ راجہ صاحب نہ تو متعصب ہیں اور نہ اُردو زبان کے اخراج سے زیادہ خوش۔ ولی عہد ریاست ضرور ایسے ماحول میں پرورش پا رہے ہیں جو زیادہ امید افزا اور دل خوش کن نہیں ہے۔ بابو زاہد حسین صاحب بی۔ اے، ایل، ایل۔ بی وکیل کوٹہ اور منشی عبدالرحیم صاحب ساکن قاضی واڑہ نے جائزہ کے سلسلے میں بہت مدد دی۔ اُردو زبان کے ہمدرد ہیں اور بغیر کسی غرض اور صلے کے یہ لوگ اُردو کی ترقی کی مختلف کوشش کیا کرتے ہیں۔ مولوی فیض محمد صاحب قاضی ریاست کوٹہ اور مسٹر حکمت علی صاحب بی، اے پروفیسر انگریزی انٹر کالج کوٹہ بھی انجمن کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان صاحبوں نے اعداد و شمار فراہم کرنے میں اور دیگر معلومات بہم پہنچانے میں بطور خاص مدد دی۔ اعداد و شمار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ رپورٹ مردم شماری میں اُردو تعلیم کے اعداد الگ نہیں دیے ہیں۔ پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ ٹھیک ٹھیک

اعداد رپورٹ میں درج کیے جائیں۔

سوال نمبر ۱

(الف) ۴ ۵ ہزار ۶ ۸ افراد کی مادری زبان اُردو ہو۔
(ب) ۳ لاکھ ۲۳ ہزار ۴ سو ۲ ۵ نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بھی بولتے ہیں
(ج) ۸ ہزار ۸ سو ۴ انفوس اُردو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔
(د) ۳ لاکھ ۵ ہزار ۴ سو ۴ انفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) سرکاری مدارس کی تعداد ۴ ہو اور امدادی مدارس ۲ ہیں۔ ان میں سے ایک میں اُردو نہیں پڑھائی جاتی۔ اِن کو میونسپل کمیٹی سے امداد ملتی ہو۔
(ب) سرکاری کالج میں مڈل سے میٹرک تک اُردو کی تعلیم بھی ہوتی ہو ایک مڈل اسکول ہو اور ایک لوئر مڈل اسکول ہو ایک ہائی اسکول ہو۔
راجپوتانہ بورڈ سے الحاق ہو۔
(ج) سرکاری مدارس میں طلبہ کی تعداد ۴ ۹ ۲ ہو اور امدادی مدرسے میں ۴۲ طلبہ اُردو پڑھتے ہیں۔

سوال نمبر ۳

غیر سرکاری مدارس کی تعداد ۶ ہو اور ان میں ۲۶۲ طلبا اُردو پڑھتے ہیں۔

سوال نمبر ۴

سرکاری اور نجی اُردو کتب خانوں کی تعداد ۳ ہو۔ ان میں سے ایک کالج سے

متعلق ہے۔ اور ایک سرکاری لائبریری ہے، جو پبلک کردی گئی ہے۔ اور ایک ہائی اسکول لائبریری ہے۔ ان کتب خانوں کے علاوہ بعض لوگوں کے پاس کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ پبلک لائبریری کو میونسپل سے گرانٹ بھی ملتی ہے۔ بڑی کوششوں سے اُردوٗ کے لیے بھی کچھ روپیہ حاصل کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۵

ایک انجمن "بزمِ ادب" کے نام سے قائم ہے اور کبھی کبھی مشاعرے کرایا کرتی ہے۔ مشاعروں کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتی۔

سوال نمبر ۶

ہندی کے مطابع ہیں، ان میں سے ایک مطبع میں برائے نام اُردوٗ کا کام بھی ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۷

ملاحظہ ہوں مصدقہ نقول منسلکہ رپورٹ ہذا۔

سوال نمبر ۹

(۱) مدارس کا قیام
(۲) مضبوط انجمن کا قیام
(۳) پریس کا قیام
(۴) باہر سے سربرآوردہ اصحاب کی آمد۔

حصّۂ دوم

سوال نمبر ۲

ہندو شکل سے دس پانچ ایسے ہوں گے جو اپنے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہوں مسلمان پڑھتے ہیں، لیکن حصول معاش کی خاطر اُن کا میلان بھی ہندی کی جانب ہے مُسلمان اُردو کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں، البتہ ہندوؤں میں کم طبقہ ایسا ہے جو اُردو کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہو۔

سوال نمبر ۵

آج سے پچاس سال پہلے لوگوں نے سلسلۂ تصنیف و تالیف شروع کیا۔ اُن کتابوں اور لوگوں کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

(۱) "حارق الاشرار" مولوی فتح اللہ صاحب مرحوم بسنہ تصنیف، موضوع اور مطبع کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا لیکن سب سے پہلی کتاب یہی ہے اور منظوم ہے۔

(۲) "حیات دبیر" مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس لاہور ۱۹۱۳ء

(۳) "دربار حسین" تذکرہ مرثیہ گویان۔

(۴) "صبر جمیل" دو جلدوں میں۔ رباعیات، سلام اور مرثیوں کا مجموعہ ہے۔ "تاریخی نام "برق غم" ہے۔ اثنا عشری پریس دہلی میں چھپا ہے۔

(۵) "جلوہ گاہِ پیغمبر" صحیح تاریخوں سے یہ میلاد شریف مرتب کر کے سیوک اسٹیم پریس لاہور میں چھپوایا ہے۔

مندرجۂ بالا چار کتابیں مولوی افضل حسین صاحب ثابت لکھنوی نے لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "حیات دبیر" الہ آباد یونیورسٹی ایم، اے کورس میں داخل ہے۔

مولوی صاحب موصوف پچاس ساٹھ سال سے کوٹہ میں مقیم ہیں۔

(۶) "امیر علی ٹھگ" سال تصنیف اور نام مصنف معلوم نہ ہو سکا۔

(۷) "تاریخ راجیہ کوٹہ" منشی چودھری مول چند صاحب مرحوم سابق ناظم ریاست کوٹہ۔ ۱۹۱۹ء

(۸) "میلاد شریف" نظم و نثر۔ مولوی سراج احمد صاحب۔ مطبوعہ مجتبائی جدید پریس دہلی۔ ۱۹۲۹ء

یہ میلاد شریف" کوٹہ میں اور راجپوتانہ کی دیگر ریاستوں میں بہت مقبول ہو اور میلاد شریف کی محفلوں میں کثرت سے یہی پڑھا جاتا ہو۔

نوٹ:۔ ان کے علاوہ ایک کالج میگزین بھی شائع ہوتا ہو۔ اس میں ماسٹر حکمت علی صاحب کی وجہ سے اُردو کا حصہ بھی ہو۔ ماسٹر صاحب خود ہی اس کو مرتب کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۹

(۱) مولوی محمد سلیمان صاحب۔ پاٹن پول لوئر مڈل اسکول کوٹہ۔

(۲) منشی سلیمان صاحب پان والے۔

(۳) مولوی افضل حسین صاحب ثابت

(۴) مولوی سراج احمد صاحب سراج

(۵) حضرت وحشی۔ کوٹہ

نقل مطابق اصل

(اصل بھی اُردو حروف میں ہی)

نقل تجویز محکمہ خاص ریاست کوٹہ

واقعہ ۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء

عدالت دیوانی کوٹہ

دستخط انگریزی

Judge Kotah
24/4

مُہر عدالت

بالابخش ولد نراین و چتربھوج ولد لچھمن درزی بنام اونکار ولد رام نراین و کنور لعل ولد گوپال وغیرہ

۳۰۳ اجرائی سکنا کوٹہ مدعا علیہم اپیلانٹ — اقوام درزی سکنا کوٹہ مدعیان رسپانڈنٹ

اپیل بناراضی فیصلہ جج واقعہ ۲۲ جولائی ۱۹۰۸ء بدرخواست

سماعت مقدمہ اثبات استقرار حق پوری رسوم لے کر

اپیل بہ حاضری چتربھوج اپیلانٹ و رسپانڈنٹ اور اس کے وکیل کے پیش

ہوا اور عذرات اپیلانٹ کے سنے گئے لیکن کوئی عذر اس کا لائق لحاظ نہیں ہی

حکم ہوا کہ

اپیل مع خرچہ خارج ہووے امثلہ آمدہ ججی ذریعہ نقل واپس ہوں۔

دستخط صاحب دیوان صاحب

از عدالت ججی ۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء

بذریعہ نقل حکم محکمہ بالا امثلہ عدالت دیوانی کوٹہ عدالت مذکور میں مرسل ہووے

اور امثلہ عدالت ہذا مع اس حکم کی سررشتہ میں رہیں۔ ۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء

مقابلہ کردہ شد

شام لال اہلمد کرشن گوپال اہلمد

مثل نمبری ۳۲۹ مثل نمبری ۱۰۱۷ مثل نمبری ۱۱۲

یک یک یک

از عدالت دیوانی

حکم ہوا کہ

واسطے کارروائی ضابطہ کے حوالہ محافظ دفتر ہووے۔ مرقوم ۲۶ اپریل ۱۹۰۹ء

چند دیگر

دستاویزات کے نمونے

(اصل عبارت ہندی میں تھی۔ ہم نے صرف رسم خط بدل دیا ہے)

(۱)

اسٹامپ ریاست کوٹہ

نقل حکم عدالت فوجداری صدر کوٹہ واقع ۲۰ دسمبر ۲۶ء بہ اجلاس منشی ہیرالال صاحب ادھولیہ بی، اے۔ ایل ایل، بی۔ فوجدار کوٹہ مسل نمبری ۳۶ تاریخ مرجوعہ ۱۰ دسمبر ۲۶ء صیغہ استغاثہ

عدالت فوجداری کوٹہ مسل زیر تجویز بہ مقدمہ سرکار بنام موتی لال ولد سرب سکھ قوم مہاجن ساکن کوٹہ رام پورہ ملزم۔ جرم دفعہ ۵ قانون افیون (دستخط) ہیرالال ادھولیہ

True copy

مُہرعدالت

فوجداری کوٹہ ۲۰ر دسمبر ۲۷ء

پبلک پراسیکوٹر صاحب اور ملزم و اُس کے وکیل کی حاضری میں درخواست دیکھی گئی۔ تاریخ درخواست ۵ر جنوری ۱۹۲۸ء۔ تاریخ نقل ۷۔ جنوری ۲۸ء تعداد اجرت ۸ر تاریخ اعلان تیاری نقل بورڈ پر تاریخ ۷ر جنوری ۲۸ء نقل تیار شدہ موتی لال ملزم کو دی گئی۔

(دستخط) کرشن سنگھ

پبلک پراسیکوٹر صاحب کہتے ہیں کہ کیمیکل اگزامینر Chemical Examiner پر اگر ملزم جرح کرنا چاہتا ہی تو اس شرط پر کمیشن جاری کرا سکتا ہی کہ ملزم ان کا بھی صرفہ واجب مقرری وہاں آنے جانے کا دیوے۔ راج کا صرفہ نہ ہووے۔ دوسری استدعا ملزم کے متعلق ان کو ۶؎ تولہ افیون واسطے جانچ ملزم کو دے دیے جانے میں کوئی اعتراض نہیں ہی۔ چوں کہ قانون کیمیکل اگزامینر کی صرف تحریر ہی ثبوت میں لینے کو کافی ہی اس لیے وہ اپنا صرفہ ملزم پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ملزم کمیشن جاری کرانے کی بابت کل درخواست سوچ کر پیش کرنا چاہتا ہی۔

حکم ہوا کہ

ملزم کل درخواست پیش کرے۔ کل ہی اس کو ۶؎ تولہ افیون دے دی جاوے گی دستخط منشی ہیرالال صاحب ادھولیہ بی، اے۔ ایل ایل، بی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کوٹہ بخط انگریزی دستخط موتی لال ملزم بخط ہندی

مقابلہ شد

متھرا سنگھ کرشن سنگھ

(۴)

سری برج ناتھ جی

نقل حکم احکام خاص راج کوٹہ۔ حسب عرضی علی بخش ساکن کوٹہ بابت ملنے نقل حکم خاص ۱۰۔ نومبر ۱۹۲۸ء مشمول مسل نمبر ۱۴۲ درمیان فریقین مستوی میونسپل بورڈ کوٹہ۔ ۱۵ ار نومبر ۲۸ء سرکار ذریعہ میونسپل بورڈ کوٹہ بنام شیر سنگھ زور آور سنگھ سری ناتھ، رام گوپال گھسیہ، چھوٹو بھیروں لال، بسنتی لال وغیرہ وغیرہ ملزمان دفعہ ۱۰۶ - ۱۰۹ چوری محصول چنگی۔ ذریعہ رپورٹ میونسپل بورڈ کوٹہ ۲۰ ر دسمبر ۲۸ء انسپکٹر چنگی کشن دیال سنگھ کے ساتھ دشمنی ہے۔ اور نہ اس کا کوئی مطلب تھا۔ جو کچھ اس کی تفتیش میں واقعات ظاہر ہوئے اُس کی اُس نے رپورٹ کردی۔ اسی پر کارروائی چلی ہے۔ انسپکٹر کا کوئی قصور نہ معلوم ہونا وغیرہ

(دستخط)

اسٹامپ کوٹہ راج جوڈیشل سکرٹری مہر عدالت

محکمہ خاص کوٹہ

چنگی محکمہ خاص ۱۰ ار نومبر ۲۸ء

انسپکٹر پر مقدمہ چلانے کی اجازت ہے۔ اصل واپس ہو اور سائلان کو ذریعہ پروانہ اطلاع دی جائے۔

دستخط ... ...

تاریخ عرضی	تاریخ حاضری	تاریخ نقل	اجرت داخل اجلاس
۲۴ ر نومبر ۲۸ء	۱۳ ار نومبر ۲۸ء	۱۴ ار دسمبر ۲۸ء	۵ ر

(۴)

ریاست ٹونک

(۱) علمی خدمات

یہ حصہ مولوی عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے بڑی تحقیق
وتلاش سے مرتّب کرکے عنایت فرمایا۔

(۲) اعداد و شمار

یہ حصہ ملک محمدالدین صاحب بی۔اے (علیگ)
دربار سکرٹری ہز ہائی نس کی کوشش اور محنت کا نیتجہ ہی

ریاست محمد آباد ٹونک کی علمی خدمات

محمد آباد ٹونک راجپوتانہ ایجنسی میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے جس کا رقبہ (۲۵۰۹) مربع میل ہے، یہ ریاست چھ بالکل علیحدہ علیحدہ پرگنوں پر مشتمل ہے۔ (۱) ٹونک (۲) علی گڑھ (۳) نیمباہیڑہ (۴) پڑاوہ (۵) چھبڑہ (۶) سہرونج۔

ان چھ پرگنوں میں کل (۱۳۴۹) دیہات ہیں۔ ٹونک غالباً ایک ہی ریاست ہے جس کے مختلف پرگنے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، بعض راجپوتانہ اور بعض مالوہ میں واقع، مجموعی آبادی تقریباً سواتین لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ ریاست کا دارالصدر قصبہ ٹونک ہے۔

ٹونک کی آبادی تقریباً (۳۸۰۰۰) ہے، یہ قصبہ جےپور سے ۶۰ میل جنوب اور دہلی سے ۳۸۰ میل جنوب و مغرب پر واقع ہے، ۹۴۶ھ کا واقعہ ہے کہ کنور ٹنن پال دہلی سے ناخوش ہوکر راجپوتانہ چلا گیا تھا، اس نے اُس کو ہچہ کے نیچے جسے اب "رسیا کی ٹیکری" کہتے ہیں، ایک قصبہ بسایا جو ٹونک کے نام سے مشہور رہا۔ راجپوتانہ میں ٹونکرا پہاڑ کی نوک دار چوٹی کو کہتے ہیں اور غالباً یہ نام بھی اسی بنا پر رکھا گیا تھا کہ یہ قصبہ دریائے باناس سے تین میل دور پہاڑ کی ایک نوک دار چوٹی کے ٹھیک نیچے واقع ہے۔

اس وقت سے یہ قصبہ تونروں، چوہانوں اور کچھ تھوڑے دنوں کے لیے کچھواہوں کے قبضے میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں جب انگریزوں اور نواب امیر خاں سے صلح ہوئی تو یہ قصبہ مع ملحقہ دیہات اور بقیہ پانچ پرگنوں کے نواب صاحب مذکور کے قبضے میں آیا۔ اس وقت سے اس کا نام محمد آباد ٹونک قرار پایا۔ اور اب ہز ہائی نس نواب حافظ سعادت علی خاں بن نواب حافظ ابراہیم علی خاں بن

نواب محمد علی خاں بن نواب وزیر الدولہ بن نواب امیر خاں مرحوم، اس ریاست کے حکمراں ہیں۔

نواب امیر خاں

نواب امیر خاں ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں بمقام ترینہ سرائے قصبہ سنبھل پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ لیکن ان کے والد محمد حیات خاں نے نوکری چھوڑ کر پیشہ کاشت کاری اختیار کر لیا تھا، نواب امیر خاں مرحوم کی تاریخ ولادت کسی نے کہی تھی۔ ع

جوادپیل، نیرو شیر دریادل ہوا پیدا

۱۱۸۲ھ

جوان ہونے کے بعد سے تقریباً بیس سال تک نواب امیر خاں نے مختلف مہاراجگان اور نوابوں کے یہاں سپاہیوں میں نوکری کی۔ یہاں تک مہاراج ہولکر نے ان سے "بھئی چارہ" لگایا اور ۱۲۲۲ھ میں جب مسٹر لیک سے مہاراجہ کی صلح ہوئی تو امیر خاں اس صلح سے ناخوش تھے لیکن انھیں خوش کرنے کے لیے انگریزوں نے ریاست ٹونک مع پرگنہ جات مذکورہ پر اُن کی فرماں روائی تسلیم کر لی، نواب امیر خاں نے ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں وفات پائی۔

نواب وزیر الدولہ

نواب امیر خاں کے بعد ان کے صاحب زادے نواب وزیر الدولہ وزیر خاں مسند آرا ہوئے۔ نواب وزیر الدولہ بہت دنوں تک بطور یرغمال دہلی میں رہ چکے تھے۔ اس لیے انھیں دہلی کے اربابِ کمال سے قریبی تعلق تھا اور بہتوں سے گہرا دوستانہ بھی رکھتے تھے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم کی تعلیم و تربیت کا زمانہ بھی دہلی میں گزرا تھا، اس لیے ان میں وراثتی بہادری و سپہ گری کے ساتھ علم و ادب کا بھی خاصا بلند ذوق پیدا ہوگیا تھا، خود صاحبِ علم تھے اور علم والوں کی قدر کرتے تھے۔

اگرچہ معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی اور سراج الدین بہادر شاہ کی دہلی، شاہ جہاں و عالم گیر کی دہلی نہ تھی مگر اس بُرے وقت میں بھی دہلی میں ارباب فن کا مجمع تھا، وہ کون سا فن تھا جس کے ماہرین دہلی میں موجود نہ تھے۔ شاعر انشاء پرداز، خطیب اور مورخ، سادہ کار اور مصوّر غرض فقیہ و محدث سے لے کر سروریوں تک جو تھا اپنے وقت کا یگانۂ روزگار تھا، نواب وزیر خاں سے ان میں سے اکثر کی ملاقاتیں دربار، گھر اور مشاعرہ میں ہوا کرتیں، خود نواب بھی سنجیدہ اور دانش مند امیر تھے، کسی قدر لپستہ قد، لمبی ڈاڑھی، بھرا بھرا سا بدن، رعب دار چہرہ اور متین گفتگو، شرفائے دہلی کے آداب نشست و برخاست، نواب اور اُن کے گھرانے میں مُدت تک محفوظ رہے۔ شاعروں میں سے ذوق، مومن، عارف اور غالب وغیرہ سے ان کی صحبتیں رہیں۔ مومن سے تو بڑی گہری دوستی تھی، ایک مرتبہ قلعہ کے مشاعرہ میں مومن خاں سے ان کی ملاقات ہوگئی اور ہمیشہ وضع داری کے ساتھ اس دوستی کو نواب مرحوم نے نبھایا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ حکیم مومن خاں سے دوستی کا نبھانا بھی نواب جیسے وضع دار رئیس ہی کا کام تھا ورنہ دہلی کے امیرزادوں اور سلاطین زادوں میں سے وہ کون تھا جس سے حکیم صاحب کی کسی نہ کسی بات پر ان بَن نہ ہوگئی ہو۔ نواب وزیر الدولہ کے مسند نشین ہونے پر حکیم مومن خان نے ایک قصیدہ بھی پیش کیا تھا جو کُلیات میں چھپ گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب نواب کے بلاوے پر دو بار ٹونک بھی گئے تھے، جو لوگ حکیم مومن خاں کے مزاج سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ حکیم مومن خاں خواجہ خضر کے بلاوے پر تا بہ چشمۂ حیواں، جانا بھی گوارا نہ کرتے مگر نواب وزیر الدولہ سے کچھ ایسا ہی قلبی تعلق تھا جس کی وجہ سے صدہا میل کی مسافت طے کرکے حکیم صاحب ٹونک گئے۔

۱۸۵۷ء کا خونین ہنگامہ نواب وزیر الدولہ کے عہد حکومت میں ہوا۔ دہلی پر جو کچھ گزری سب جانتے ہیں کہ شرفا و اہلِ کمال کے لیے زمین سخت و آسمان دور کی حالت تھی، جس کا جدھر منہ اٹھا جان بچا کر بھاگا، اللہ اللہ کرکے یہ ہنگامہ ایک سال سے کچھ زیادہ عرصے کے بعد ٹھنڈا ہوا اور مغلیہ سلطنت کا آخری ٹمٹماتا چراغ بھی اس تھپیڑے سے بجھ گیا۔ علماء و ادباء کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ رہا، نواب وزیر الدولہ میں جتنی سکت تھی، انھوں نے ان کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ بہتوں کو بلا بلا کر ٹونک میں رہنے کی جگہ دی۔ معاشیں مقرر کیں، نواب نے حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلوی مرحوم کے ساتھیوں کو بھی سرحد سے بلاکر ٹونک میں بسا لیا تھا۔ اس طرح ٹونک میں اربابِ کمال کا اچھا خاصا مجمع ہوگیا۔ دینیات کے بڑے بڑے علما اور زبان و ادب کے بڑے بڑے ماہرین ٹونک میں جمع ہو گئے۔ لالہ ہمت رائے بلگرامی منشی بساون لعل مصنف امیر نامہ، رائے نرنجن لال شاہ جہاں آبادی، سید تفضل حسین خاں خیرآبادی، محمد عمر خاں مصطفیٰ آبادی صاحب عمدۃ الاخبار، سید حمید الدین حمیدی، حافظ عبدالرحمٰن خاں دہلوی، فخرالزماں مولانا ارشاد حسین خیرآبادی، مرزا سلیمان اسد لکھنوی، مولانا امام الدین، حکیم سید انور علی حسینی، خان مکرم حیدر علی رام پوری وغیرہ۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ سب لوگ ٹونک میں موجود تھے، شہر میں بارہ چودہ مدرسے تھے جن میں اُردو، فارسی، عربی اور دینیات کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ مشہور شعرا میں سے مولوی الٰہی بخش نازش شاگرد حضرت اسیر کو ایک ہزار اور جناب انور کو دو ہزار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کے علاوہ اربابِ کمال دہلی سے اکثر ٹونک آتے رہتے تھے اور نواب کے یہاں سے ان کی پذیرائی ہوتی تھی۔ ۱۲۷۸ھ کا ذکر ہے کہ مرزا غالب دہلوی

نے ایک قصیدہ نواب وزیرالدولہ کے پاس بھیجا، جواب میں ذرا دیر ہوئی تو مرزا نے حسب معمول ایک قطعہ لکھ بھیجا، اس کے دو چار اشعار سُنیے :-

گفتم بخرد بخلوت انس — کاے شمع وچراغ ہفت ایوان
آیا ز چہ رو بود کہ نواب — نہ نوشت جواب نامہ ام ہاں
آن گونہ عریضۂ کہ دانی — درویش نوشتہ سوئے سُلطاں
آن گونہ قصیدۂ کہ گوئی — از صفحہ دمید سنبلستاں
ایں ہر دو رسید نیست پیدا — ز آنسو اثرے بہیچ عُنواں
رنجید مگر ز مدح نواب — اے کاش نگشتمے ثنا خواں
ہیہات چہ گفتہ ام کہ باشم — از گفتۂ خویشتن پشیماں
عقلم بہ جواب گفت غالب — زنہار مخور فریب شیطاں
نواب بفکر ارمغان است — تا نامہ فرستدت بہ ساماں
وانہاکہ بخاطرش گزشت است — زود آں ہمہ جمع کرد نتواں
زود است کہ جمع نیز گردد — دیر است کہ دادہ است فرماں
تا راہروانِ بحرو برگرد — آرند بہ کوشش فراواں
دیبا ز دمشق مخمل از روم — الماس ز معدن زر از کاں
فیل از دکن و زمرد از کوہ — توسن ز عراق و دُر ز عماں
فیروزۂ نغز از نشاپور — یاقوت گزیدہ از بدخشاں
جامۂ تیز رو ز بغداد — شمشیر برندہ از صفاہاں
پشمینۂ قیمتی ز کشمیر — زربفت گراں بہا ز ایراں

بالجملہ درنگ چوں ازیں روست
بر رنج وملال نیست برہاں

اس قطعہ کے جواب میں نواب وزیر الدولہ نے مرزا غالب کو امید سے زیادہ صلہ دیا۔ اگرچہ غالب نے قطعہ میں جن اشیاء کا ذکر کیا تھا، اُن میں سے ایک چیز بھی اس میں شامل نہ تھی، مگر نقدی اتنی تھی کہ غالب جیسے اسراف پسند کے لیے بھی کچھ دنوں کی بے فکری کا سامان ممکن ہو سکا۔

ان علمی و ادبی محفلوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ٹونک کے باشندوں اور خصوصاً صاحبزادوں میں شعر و ادب اور علم و فن کا خاصا بلند ذوق پیدا ہو گیا، ان میں بعض اچھے کامل و ماہر بھی پیدا ہوئے۔

۱۳۔ محرم ۱۲۸۱ھ کو نواب وزیر الدولہ کا انتقال ہو گیا اور نواب محمد علی خاں ان کی جگہ مسند نشین ہوئے، یہ خود بڑے صاحبِ علم تھے اور عربی، فارسی کے استاذ ہونے کے علاوہ علوم دینیہ میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ نواب وزیر الدولہ کے دوسرے صاحب زادے سر محمد عبید اللہ خاں بہادر نائب الریاست مقرر ہوئے۔ اس امیر زادے نے ریاست کی دفتری زبان فارسی سے اُردو کردی؛ اس وقت راجپوتانہ کی دو تین ریاستوں کے علاوہ سب کی دفتری زبان اُردو تھی۔ تعصب اور ہٹ کی بجائے آدمیت و سنجیدگی کام کرتی تھی۔

سر محمد عبید اللہ خاں بہادر نے خاص قصبہ ٹونک کے علاوہ پرگنہ جات اور بڑے بڑے مواضعات میں بھی اُردو اور دینیات کے مدارس قایم کرائے۔ سرکار سے ان کے لیے کافی امدادیں مقرر کیں۔ چنانچہ سرونج کا مدرسہ اب تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کی جگہ دوسرے مدارس جدید طرز کے قایم ہو گئے ہیں۔

نواب محمد علی خاں کا دورِ حکومت بہت دنوں تک قایم نہ رہ سکا۔ ایک ناخوش گوار واقعہ کے بعد نواب کو معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر دیا گیا۔

۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں یہ معزول ہوئے اور ان کے صاحب زادے نواب حافظ ابراہیم خاں خلیل ان کی جگہ مسند آرا ہوئے۔

نواب محمد علی خاں کو تعلیم سے اس قدر شغف تھا کہ اُنھوں نے اپنے زمانۂ نظر بندی میں بھی بمقام بنارس ایک مدرسہ علوم دینیہ اور اُردو فارسی کے لیے قایم کیا۔ یہ مدرسہ 'مدرسہ اصلاح' کے نام سے اب تک بنارس میں قایم ہے اور تشنگانِ علوم اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

نواب حافظ ابراہیم علی خاں کے زمانے میں ٹونک کی بہت کچھ اصلاح ہوئی خصوصاً تعلیم کی طرف کافی توجہ کی گئی۔ ٹونک میں ایک انگریزی مدرسہ فوقانیہ بھی قایم کیا گیا۔ ان کے عہد حکومت میں ۱۳۱۱ھ تک سر عبید اللہ خاں نائب السلطنت زندہ تھے۔ ان کی توجہ نے علمی محفلوں کو زندہ رکھا۔ اور زندہ تو اب بھی ہیں مگر عبید اللہ خاں نے تو ان کی رونق میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ صاحب زادوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلائی، نفیس اور نادر قلمی کتابوں کا ایک بیش بہا خزانہ ان کے زمانے میں جمع ہوا جو اب بھی موجود ہے۔ جا بجا شعر و شاعری کا تذکرہ رہتا تھا۔ سید اصغر علی آبرو، استاذ سُہا، مولوی احمد حسین خاں ذکائی مولوی تراب علی صاحب لکھنوی، مضطر خیرآبادی، مولوی نجف علی خاں صاحب وغیرہ موجود تھے۔

ان کے علاوہ مولانا دوست محمد خاں صاحب درّانی صاحب سفرنگ دساتیر، حکیم محمد سعید خاں صاحب سعید، حافظ سراج الدین صاحب قافلے والے حافظ عبد الصمد صاحب قافلے والے، مولوی سید محمد صاحب ولایتی، مولوی علی رضا صاحب، مولانا حکیم برکات احمد صاحب، مولوی امام الدین صاحب، مولوی حکیم احمد علی صاحب مولوی رفیع الدین صاحب بن مُلّا کاتب، حضرت مولانا حیدر علی صاحب محدث شاگرد

مولانا عبد العزیز محدث دہلوی، حکیم سلطان محمود خاں صاحب، مولوی خلیل الرحمن صاحب یوسفی بن مُلّا عرفان وغیرہ شب و روز تعلیم میں مشغول رہتے تھے، اس وقت کم سے کم پچاس ایسے حفاظ و قراء تھے جو قرآن مجید اور اُردو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان میں حافظ قاری احمد علی پانی پتی سب سے زیادہ مشہور تھے۔

ریاست کی طرف سے ان علماء و ادباء کی خاطر داری کی جاتی تھی اور انھیں فکر معاش سے آزاد کر کے علم و فن کی خدمت کا موقع دیا جاتا تھا۔

۱۸۹۳ء میں نواب حافظ ابراہیم علی خاں نے جو تقریر دربار عام میں کی ہے، اس میں تعلیم کے متعلق فرمایا ہے:۔

"رعایا کی ترقی تعلیم کے لیے میں نے دل سے کوشش کی اور پرگنات میں اجراء مدارس کا حتی الامکان انتظام کیا گیا اور خاص صدر میں بصرف کثیر اسکول مقرر کیا، چونکہ تعلیم بہت بڑا ذریعہ انسانی تہذیب اور شایستگی کے لیے ہے، لہٰذا میں نے اس فائدہ سے محروم نہ رہنے کے لیے خاص ذاتی توجہ صرف کی، اور اب فی الحال بافزونی مدرسان و اجرائے ضوابط و ہدایات جدید و تکمیل نقشۂ انضباط اوقات بقید جماعت و مدرسین و انتظام تعلیم علوم مشرقی، رعایا کی تعلیم کی جانب زیادہ تر توجہ کی۔۔۔"

"میں نے اسکول کے علاوہ مدرسہ اسلامیہ عربی موسومہ بمدرسۂ خلیلیہ مقرر کیا۔ طلباء اسلامیہ عربی کی اس میں تعلیم ہوتی ہے"۔

یہ مدرسہ خلیلیہ اب بھی قایم ہے، بڑی مدت تک اس کا تعلیمی نظم و نسق حضرت مولانا حکیم برکات احمد مرحوم کے ہاتھوں میں تھا۔ اب جدید انتظامات کے ماتحت دوسرے چھوٹے چھوٹے مدارس کو ملا کر مدرسۂ خلیلیہ کو شہر کا ایک بڑا

اور شاندار مدرسہ بنایا جارہا ہے۔ مولانا حیدرحسن خاں صاحب محدث و مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو اس مدرسے کے لیے لکھنؤ سے بلایا گیا ہے۔

مولانا حیدرحسن خاں صاحب کے برادر بزرگ علامہ محمود حسن خاں صاحب معجم المصنفین ۱۳۴۲ھ تک ٹونک میں شرع شریف کے مفتی تھے۔ اور جب تک مولانا مدظلہٗ کا قیام ٹونک میں رہا لوگ ان سے کسب فیض کرتے رہے۔

ریاست ٹونک میں اس وقت ایک انگریزی مدرسہ فوقانیہ، خاص قصبہ ٹونک میں چند چھوٹے بڑے عربی مدارس کے علاوہ مساجد میں اُردو اور قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام ہے، اس کے علاوہ پرگنہ جات میں مدارس وسطانیہ اور ہر جگہ اُردو وعربی کے مدارس موجود ہیں۔ سرکاری زبان اُردو ہے۔ عام طور سے پڑھے لکھے لوگوں میں اُردو لکھنے کا شوق پایا جاتا ہے۔ شعر و شاعری کا ذوق بھی ہے اور بہت زیادہ ہے۔ خود فرمان روائے ٹونک شعر کہتے ہیں۔ حضرت جاؔم درباری شاعر ہیں۔ اور ان کی وجہ سے صاحبزادوں کے ہاں اکثر محفل مشاعرہ ہوا کرتی ہے۔

صاحب زادہ عبدالرحیم خاں کے گھرانے کا جمع کردہ ایک نادر کتب خانہ بھی موجود ہے جس میں عربی کی بعض بہت ہی نادر قلمی کتابیں موجود ہیں۔ جدید قسم کے دارالمطالعہ کا رواج بھی ہو چلا ہے، چنانچہ قصبہ ٹونک اور پرگنہ جات میں ایسے دارالمطالعے قایم ہیں۔ ان میں اخبارات و رسائل آتے ہیں لیکن ان کی حالت ابھی اچھی نہیں ہے۔

اعداد و شمار

جواب نمبر ۱

(الف) مردم شماری ریاست ٹونک کی قریباً تین لاکھ بیس ہزار ہو جس میں سے دو لاکھ کے قریب اُردو بولتے ہیں۔ اور ان کی مادری زبان بھی اُردو ہو۔

(ب) تیس ہزار۔

(ج) پچیس ہزار۔

(د) ڈھائی لاکھ۔

جواب نمبر ۲

(الف) سرکاری اور امدادی اوقافی مدارس، جن میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہو، پچپن ہیں۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ مدارس چندہ جملہ قصبہ جات میں پندرہ ہیں جن میں اُردو، فارسی، عربی کی تعلیم دی جاتی ہو۔

(ب) یہ تعلیم پرائمری و مڈل دہائی سکول کے درجے تک کی ہو۔

(ج) درسی نصاب اُردو کا کتب مروّجہ اُردو اخلاقی و حکایاتی اور نظم و نثر پر مشتمل ہو۔ اور عموماً اس کا سٹینڈرڈ موافق مدارج پرائمری و مڈل دہائی سکول کے ہو جیسے کہ برٹش علاقہ میں ہو۔

(د) پندرہ ہزار چھ سو۔

جواب نمبر ۳

مدارس امدادی و اوقافی (جن کے مصارف آمدنی اوقاف سے چلائے جاتے ہیں۔) اور پرائیویٹ مدارس جو چندے سے چلتے ہیں اور جن میں عربی و فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے ان میں اُردو ہی ذریعۂ تعلیم ہے۔ تعداد طلباء بارہ سو پچاس۔

جواب نمبر ۴

سرکاری اور نجی اُردو کتب خانے پندرہ ہیں۔ مگر عربی، فارسی، اُردو کی کتب اُن میں مجتمع اور شامل ہیں۔ خالص اور جداگانہ اُردو کتب خانہ نہیں ہے۔

جواب نمبر ۵

اُردو، فارسی اور عربی کی خدمت کرنے کے لیے صدر ٹونک میں مختلف کمیٹیاں ہیں۔ سب سے مقدم وہ کمیٹی ہے جو دار العلوم امیریہ کے متعلق ہے۔ اور باقی کمیٹیاں یا جماعتیں اپنے مقامی، نجی مدارس کے انتظام کے لیے قایم ہیں۔ صدر ٹونک میں ایسی کمیٹیاں پانچ ہیں اور علاقہ میں تین۔ یہ ادب اُردو اور نظم اُردو کو ترقی دینے کے لیے ہیں۔ ہز ہائی نس سعید الدولہ وزیر الملک نواب مولوی حافظ محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی۔سی۔آئی۔ای۔ دام اقبالہ، وملکہ، غایت درجہ توجہ مبذول فرماتے ہیں۔ حضور ممدوح علاوہ علوم عربیہ، معقول و منقول میں فاضل ہونے کے ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر زبان اُردو کے ہیں۔ کلام نہایت اُجلا اور پاکیزہ ہے جس کو مستند شاعروں نے عالی پایہ کلام تسلیم کیا ہے۔ حضور عالی کا ایک مبسوط دیوان نظم اُردو میں موجود ہے۔

تخلّص سعید اور مختار ہو۔ کلام حمد باری تعالیٰ، مدح پیغمبر صلعم، تغزل، ڈراما وغیرہ پر مشتمل ہو۔ حضور انور کی صدارت میں وقتاً فوقتاً مشاعرے منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس میں شعراء نامدار شرکت فرماتے ہیں۔ آخر پر حضور انور کا کلام پڑھا جاتا ہو۔ ہر نظم مشاعرہ کے لیے حضور عالی ایک طرح چند دن پیشتر تجویز فرماتے ہیں جس پر شعراء نامدار اپنی اپنی طبع آزمائی کرتے ہیں اور اسی طرح پر حضور انور اپنا کلام الملوک ملوک الکلام مجلس شعراء میں ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور عالی کے اس عمل سے ادب اُردو کو ریاست ٹونک میں بہت ترقی ہوئی اور ہو رہی ہو۔ اچھوتے کلام پر براہِ قدردانی انعام بھی عطا فرماتے ہیں۔ بلا مبالغہ شہر ٹونک کا ہر پیر و برنا شاعر ہو اور ادب اُردو کی بتوجہ ہز ہائی نس بالقابہم ترقی ہو رہی ہو۔

جواب نمبر ۶

ایک مطبع اُردو کتب و رسائل وغیرہ کے طبع کے لیے ٹونک میں موجود ہو جس کا نام محمدی پریس ہو۔ اُس میں انگریزی کی طباعت بھی ہوتی ہو۔ یہ ریاست کا اپنا مطبع ہو۔ گزٹ ریاست بزبان اُردو ہفتہ وار چھپتا ہو۔ کوئی اخبار جاری نہیں۔

جواب نمبر ۷

سرکاری محکموں اور عدالتوں اور دفتروں میں اُردو زبان مروّج ہو۔

جواب نمبر ۸

تمام مدارس سرکاری میں اُردو تعلیم دی جاتی ہو اور رعایا اہل ہنود کے لیے ہندی اور سنسکرت کا انتظام مدّت سے مہیّا ہو۔

جواب نمبر ۹

(۱) سب سے مقدم توجہ سرکار والا دام اقبالہم کی ضروری ہو جو حضور ممدوح پہلے ہی سے مبذول فرما رہے ہیں۔ یہ امر اشاعت اور ترقی اُردؤ کا عنصر اکبر ہو۔

(۲) عثمانیہ یونیورسٹی کے دار الترجمہ کی کتابوں کی اشاعت اس ریاست کے مدارس میں ہو۔

(۳) ریاست کے ادبائے اُردؤ میں سے جو شخص کوئی مفید کتاب اُردؤ لکھے اُس کی قدردانی کی جائے۔

(۴) ادبی رسالوں اور اداروں کا مسلّم پایہ رکھتے ہیں مطالعہ کیا جائے۔ ہمارے سرکار نامدار بالقابہم اکثر رسلے اس قسم کے طلب فرماتے اور زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔

(۵) اُردؤ نظم اور نثر کی مُسلّم کتب و رسائل کی جداگانہ لائبریری قایم ہونا چاہیے۔

متفرق

اُردؤ زبان ریاست ہٰذا میں ترقی پر ہو اور اس کے پڑھنے کا شوق بھی عام ہو۔ یہاں کی اُردؤ زیادہ تر دہلی کی اُردؤ سے ملتی ہو۔ اور چونکہ مختلف خاندان صوبہ یو۔پی سے یہاں آکر آباد ہوئے اس لیے یو۔پی کے امصار و بلاد کا رنگ بھی اس میں پایا جاتا ہو۔ کچھ خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً سبز دھنیے کو 'کوت سیر' کہتے ہیں جو یاغستان اور کشمیر کی زبان کا لفظ ہو۔ گھاس کو اہل دہلی کی طرح مؤنث نہیں مانتے بلکہ مذکر سمجھتے ہیں۔ اُپلوں کو چھینا کہتے ہیں۔ اور خشک چارۂ جوار کو 'کڑبی'

کہتے ہیں۔ درخت ڈھاک کو چھولہ اور درخت جانڈ کو کھیجڑہ ۔ اس کی نسبت بعد میں مفصلاً عرض کیا جائے گا۔

راجپوتانہ کی دیہاتی بولی کا اثر بھی اہل شہر کی زبان پر موجود ہے مگر تحریر میں نہیں۔ ریاست ہذا میں قدیم ترین تصنیف امیر نامہ اُردو ہے جو حافظ پائندہ خاں نے سوانح عمری نواب امیر الدولہ بہادر بانئ ریاست کے متعلق لکھا جس کو عرصہ تخمیناً ستر اسی سال کا ہو چکا ہے۔ اسی طرح دیوان رونق اور باز نامہ اُردو کی کتابیں یہاں کے مصنفوں نے لکھیں۔ (جن کا حال بتعاقب تحریر ہوگا)۔

نواب محمد علی خاں صاحب مرحوم جنّت مکاں نواب سوم نے ایک کتاب قرۃ العیون اُردو میں لکھی جس کا حجم بڑی تقطیع کے تین ہزار صفحہ سے کم نہیں مگر یہ کتاب سیر و تاریخ ، دینیات ، اخلاق ، سنن وغیرہ پر مشتمل ہے۔

مشرقی راجپوتانہ ایجنسی

(۱) قرولی

(۲) بھرتپور

(۳) دھولپور

(۴) الور

١- قرولی

عام حالات

ریاست قرولی (راجپوتانہ) کی کل آبادی ایک لاکھ چالیس ہزار ۵ سو ۲۵ نفوس پر مشتمل ہو۔ قدیم سے یہاں کی سرکاری زبان پہلے فارسی اور بعد میں اُردؤ چلی آتی تھی۔ راجہ بھنور پال جی کے زمانے میں یعنی ۲۲-۱۹۲۱ء میں بعض ہندوؤں کی جانب سے آواز بلند کی گئی کہ ریاست کے دفاتر میں ہندی کو رائج کیا جائے بلکہ ایک شخص مدن سنگھ نامی نے بھوک ہڑتال شروع کردی تھی کہ جب تک مہاراج ہندی زبان کو رائج نہ کریں گے میں کھانا پینا بند رکھوں گا۔ اس شخص کے باپ چمن سنگھ کو مہاراج کے مزاج میں بہت درخور حاصل تھا اور مہاراج اُسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اُنھوں نے کہلا دیا تھا کہ اگر اُسے جان دینا ہو تو دے دے، اُردو کی بجائے ہندی کو کسی طرح اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

دیوان شنکر ناتھ نے سمجھا بجھا کر اُس شخص کی ہڑتال تو ختم کرادی مگر چونکہ انھیں بھی مہاراج کی "ہندی دشمنی" سے ناگواری تھی، ہندی کو رواج حاصل نہ ہوسکا۔ مہاراج کا انتقال ہوگیا اور موجودہ مہاراج بھرم پال گدی نشین ہوئے یہ مہاراج لکھے پڑھے نہیں ہیں، دستخط بھی مشکل سے کرسکتے ہیں۔ ان مہاراج کی ایک لڑکی مہاراج ایڈر (کاٹھیاواڑ) کے چھوٹے بھائی سے بیاہی جاچکی تھی، یہ صاحب بھی ہندی کے بڑے حامی ہوگئے۔ اِدھر مہاراج کمار (ولی عہد) میو کالج اجمیر

میں تعلیم پا رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہو کہ وہاں سے واپس آنے کے بعد ان کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ اُردو اور اُردو والوں سے نفرت کرنے لگے۔ غرضیکہ داماد اور ولی عہد نے موجودہ مہاراج قرولی پر زور دیا کہ لوگوں کا یہ مطالبہ پورا کرنا چاہیے کہ ریاست کے دفتروں میں ہندی رائج کر دی جائے۔

ادھر مہاتما گاندھی کے مقامی چیلے شور و شغب مچا رہے تھے کہ قرولی راج میں ہندی بھاشا کو درجۂ امتیاز حاصل ہونا چاہیے۔ ان تینوں طاقتوں سے متاثر ہو کر انھیں مہاراج کے عہد میں یعنی ۱۹۳۰ء میں احکام صادر ہو گئے کہ دفاتر میں ہندی رسم الخط استعمال کیا جائے اور ملازمین کو ایک سال کی مہلت دی گئی کہ وہ ہندی سے واقفیت حاصل کر لیں۔

اب جبکہ ہندی رسم الخط رائج ہوئے سات برس ہو چکے ہیں، زبان کا یہ عالم ہو کہ ہندی بھاشا کے استعمال کی کوشش میں قدم قدم پہ ٹھوکر کھانی پڑتی ہو، اُردو زبان کی عام فہم قانونی اصطلاحیں اور لوگوں کی گھٹی میں پڑے ہوئے الفاظ کے استعمال کے بغیر حکومت کا کاروبار چلنا مشکل نظر آتا ہے۔ خصوصاً وکلا اور قدیم اُردو دان افسر، کیا ہندو اور کیا مسلمان، اپنی نج کی تحریریں اور یادداشتیں، گواہوں کے بیانات اور فیصلوں کے مسودے اُردو زبان میں، اُردو ہی رسم الخط کے ساتھ تیار کرتے ہیں، اس لیے کہ دیہاتی اور عوام سنسکرت اور بھاشا کے نامانوس الفاظ سے بالکل ناواقف ہیں۔

قرولی میں شاعروں کے علاوہ، خیالیوں (خیال کہنے والوں) کے اکھاڑے قائم ہیں اور سال میں کئی بار خیال کہنے والے ایک جا جمع ہوتے ہیں اور ان کے اکھاڑوں میں تماشا دیکھنے کی غرض سے اور کلام سے لطف اٹھانے

کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ چونکہ خیال کہنے والوں میں کثرت ایسے لوگوں کی ہو جو اُردوٗ یعنی ہندُستانی میں خیال کہتے ہیں، اس وجہ سے وہاں کے لوگوں کی رائے ہو کہ قرولی میں اس ادارے نے اُردوٗ زبان کی کافی خدمت کی ہو۔

بعض مقامی انجمنوں کے جلسے میں لوگ اسی لیے شرکت نہیں کرتے کہ وہاں تقریروں میں خواہ مخواہ نامانوس اور ناقابل فہم سنسکرت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہو کہ قرولی میں اُردوٗ زبان کی بُری حالت نہیں ہو مگر اس کو طرح طرح سے برباد کرنے کی کوشش جاری ہو۔ ہندی پرچارکوں اور ہندی کے حامی افسران کے حوصلے بلند ہیں اور پورے استقلال کے ساتھ متعصب افسر بھاشا کو رائج کر رہے ہیں۔ مدارس میں ہندی کی تعلیم پر بطور خاص توجہ دی جاتی ہو۔ ابتدائی کلاسوں میں ہندی کی جو ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں، ان کو یہاں کے ہیڈ ماسٹر مسٹر شیام سندر سنگھ ہر نے مرتب کیا ہو ان میں بھاشا اور سنسکرت کو خوب استعمال کیا ہو اور چالاکی یہ کی ہو کہ سنسکرت الفاظ کے معنی اُردوٗ میں سمجھائے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہو کہ محض تعصب کو کام میں لاکر بچوں کی زبان کو بگاڑا جا رہا ہو۔ ہندی کی ایک لائبریری قائم ہو، اس میں ہندی اخبارات و رسائل آتے ہیں اور لائبریری کی رپورٹیں وغیرہ خالص بھاشا میں لکھنے کی کوشش کی جاتی ہو۔

چونکہ یہ پبلک لائبریری ہو لہذا حال ہی میں مولوی کمال الدین صاحب اس کے ممبر بن گئے اور اُنھوں نے ایک اُردوٗ اخبار بھی جاری کرا یا۔ جب یہ لوگ رپورٹ وغیرہ پڑھتے ہیں تو مولوی صاحب باقاعدہ ادق الفاظ کی جگہ اُردوٗ کے عام فہم الفاظ لکھواتے ہیں، اُن کی دلیل یہ ہوتی ہو کہ یہاں سنسکرت جاننے

والے بالکل نہیں ہیں، لہذا اس زبان کا استعمال بیجا اور غلط ہو اور نہ اس کا نام سنسکرت لائبریری رکھا جائے۔

ہائی اسکول میں اُردو زبان کے مدرس کا علیحدہ انتظام نہیں ہو۔ انجمن تائیدالاسلام کے ممبر کوشش کر رہے ہیں کہ اُردو مدرس کا انتظام ہو۔ اس انجمن کے سکریٹری مولوی کمال الدین صاحب وکیل ہیں۔ یہ صاحب بڑے پُرجوش اور حوصلے والے انسان ہیں، انھیں کی کوششوں سے انجمن کے مدرسے کو سرکاری امداد ملی ہو اور باقاعدہ اپر پرائمری کا درجہ دیا گیا ہو جس میں اُردو کی تعلیم کا معقول انتظام ہو۔

خاں صاحب عبدالصمد خاں مرحوم سابق ناظم ریاست جے پور نے جہاں مسلمان لڑکیوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے ایک مدرسے کی بنیاد ڈال کر قرولی کے مسلمانوں پر احسان کیا تھا وہاں لڑکوں کی تعلیم کے لیے بھی ایسا معقول انتظام کر گئے تھے کہ تنہا وہ مدرسہ شہر قرولی میں اُردو زبان کا مبلّغ بن سکتا تھا۔ ناظم صاحب مرحوم سرکاری طور پر اس کا انتظام کرا گئے تھے کہ قرولی کے ہر مسلمان سرکاری ملازم کی تنخواہ میں سے ماہانہ کچھ کٹ جایا کرے اور اسی رقم سے اس مدرسے کو چلایا جائے۔ اس طرح اس مدرسے کو ماہانہ نوّے رُپے کی آمدنی ہو، مگر افسوس کہ یہ رقم آج کل محض بیکار جا رہی ہو۔ اس مدرسے پر ایک پنجابی مُلّا کا قبضہ ہو اور انھوں نے حسب مرضی نصاب مقرر کر رکھا ہو، اس مدرسے میں آج کل ۶۰ طلبا تعلیم پا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک طالب علم بھی اُردو نہیں پڑھ رہا۔ البتہ ہندی، عربی، فارسی اور قرآن پاک کی تعلیم جاری ہو۔

مسلمان مُلّا صاحب پر الزام لگاتے ہیں اور مُلّا صاحب کہتے ہیں کہ میں تو نوکر آدمی ہوں۔ مجھے جیسا حکم ملتا ہو تعمیل کرتا ہوں۔ بچوں کے والدین اُردو

کی تعلیم کو منع کرتے ہیں ، میں اس میں کیا کرسکتا ہوں ۔حقیقت اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے ۔ ملا صاحب جب تشریف لائے تھے تو انھوں نے شرط کرلی تھی کہ "میں اُردو نہیں پڑھاؤں گا کیونکہ مجھے اُردو پڑھاتے ہوئے شرم آتی ہے" ۔ اس وقت مدرسے کے لیے کوئی اچھا مدرس نہ ملتا تھا اس لیے انھیں رکھ لیا گیا ۔ بعد میں مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی اور اس طرف کسی نے توجہ نہ کی ۔ مختصر یہ کہ اُردو زبان کی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں ہے ۔ اور ہمارے ہاتھوں ہی سے اس زبان کو زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے ۔

مسٹر ولی محمد خاں ایم ، اے ۔ ایل ایل ، بی (علیگ) انجمن کے شکریے کے مستحق ہیں ۔ ان صاحب نے نہ صرف جائزہ کے سلسلے میں مدد پہنچائی بلکہ انجمن کے سفیر کو مہمان رکھا ۔ سرکاری طور پر صرف اس قدر کیا گیا کہ ضروری اعداد وشمار فراہم کرنے میں آسانی بہم پہنچائی گئی ۔ دو صاحب اور بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں ۔ ایک تو ریاست جے پور کے نفٹنٹ مسٹر عبدالحق اور دوسرے مولوی کمال الدین صاحب سکرٹری انجمن تائید الاسلام ، قرولی ۔ ان دونوں صاحبوں نے جائزہ زبان کے لیے درست اطلاعات فراہم کرنے میں مدد پہنچائی ہے ۔

سوال نمبر ۱

(الف) ۱۴ ہزار ۵ سو ۴۳ ۔ افراد کی مادری زبان اُردو ہے ۔

(ب) ۴۹ ہزار ایک سو ۶۲ ۔ افراد اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں ۔

(ج) ایک ہزار ایک سو ۵ ۔ افراد اُردو لکھتے پڑھتے ہیں ۔

(د) ۷،۶ ہزار ۸ سو ۲۵ افراد اُردو زبان خوب سمجھتے ہیں ۔

سوال نمبر۲

(الف) قرولی بھر میں سرکاری اور امدادی مدرسوں کی تعداد (۳)
(ب) ایک ہائی سکول ہے، دوسرا ٹدل اسکول ہے اور تیسرا امدادی پرائمری مدرسہ ہے۔
(ج) بورڈ کا نصاب ہے۔ اُسی کے مطابق کتابیں ہیں۔
(د) کل طلبا۔ ۸۱۲

سوال نمبر۳

غیر سرکاری مدارس کی تعداد (۲) ہے۔ ان میں بچوں کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو زبان سے واقف کرایا جاتا ہے۔ ان مدارس میں طلبا کی تعداد جو آج کل اُردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ۳۵ ہے۔

سوال نمبر۴

سرکاری اور نجی کتب خانوں کی تعداد (۳) ہے

سوال نمبر۵

باقاعدہ کوئی انجمن نہیں ہے۔ سال میں کئی بار بعض شاہی تقریبات کے موقعوں پر مشاعرے ہوجایا کرتے ہیں۔ اور اس طرح خیالیوں کے اکھاڑے ملاکر سال میں (۵) مرتبہ ایسے اجتماع ہوجاتے ہیں۔

سوال نمبر ۸

ایک چھوٹا سا ہینڈ پریس " ہادی پریس " کے نام سے قائم ہو لیکن آج کل بیکار پڑا ہو۔

سوال نمبر ۹

اُردو کی اشاعت و ترقی کے لیے میری رائے میں یہ ہونا چاہیے کہ :-

(۱) تمام اپر پرائمری مدارس میں اُردو کی تعلیم لازمی کر دی جائے۔
(۲) لوگوں کو اخبارات و رسائل کے پڑھنے کا شوق دلایا جائے۔
(۳) کوشش کی جائے کہ مہاراج کمار اُردو زبان کو بُری نظر سے دیکھنا چھوڑ دیں۔

حصۂ دوم

مسلمان عام طور پر اُردو زبان کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو بھی شوق ہو کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ بغیر اُردو کی مدد کے زبان پر قدرت حاصل کرنا دشوار ہو۔ لیکن ہندی کو ضرور بڑھانا اور چڑھانا چاہتے ہیں۔

مفصلۂ ذیل کتابیں اس ریاست کے بعض اصحاب نے تالیف کی ہیں :-

(۱) " صولت افغانی " ۱۸۸۳ء مطبع نول کشور لکھنؤ ۔ جمعدار محمد زردار خاں صاحب کی تالیف ہو جس میں ہندوستان کے افغانوں اور خصوصاً راجپوتانہ کے بعض خاندانوں کے حالات جمع کیے ہیں۔

(۲) "جمال الاشہب" بار اول ۱۹۰۹ء۔ مطبع لامعلوم۔ بار دوم ۱۹۳۶ء امپیریل پرنٹنگ پریس دہلی۔ مولوی حکیم جمال الدین احمد مرحوم نے گھوڑوں کی شناخت اور ان کے امراض کے علاج پر یہ کتاب لکھی تھی۔ بہت عمدہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

(۳) "دیوان طالب" ۱۹۳۰ء آگرہ اخبار پریس آگرہ۔ جناب مولوی طالب حسین صاحب طالبؔ کا کلام ہے۔ سیٹھ پالن جی پارسی کے لڑکے جمشید جی مولوی صاحب سے اُردو اور فارسی پڑھتے تھے، انھوں نے مولانا کو اس کا معاوضہ دینا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ انھوں نے اس طرح معاوضہ کر دیا کہ مولوی صاحب کے کلام کو چھپوا دیا۔

(۴) دو مذہبی رسالے اُردو میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مذہبی مسائل کا ذکر ہے۔

اُردو کی خدمت ان صاحبوں نے کی ہے:۔

(۱) مولوی مہربان علی صاحب مرحوم۔

(۲) ناظم صاحب مرحوم۔

(۳) مولوی علاؤ الدین صاحب، صدر انجمن تائیدالاسلام قرولی۔

ذیل میں ہم ریاست قرولی کی چند دستاویزات پیش کرتے ہیں۔ اصل عبارت ناگری رسم خط میں تھی، ہم نے اسے اُردو رسم خط میں لکھ دیا ہے۔ رسم خط کے سوا کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی:۔

اسٹامپ

نقل فیصلہ آنریری مجسٹریٹ اجلاس بھگت رام جی و کنور عبدالمجید خاں جی

مشمولہ مسل نمبر ۱۲۴ مرجوعہ ۲۱ 9/۳۲ بمقدمہ

سسناول ومساۃ گل کیسری و شیولال قوم کاچھی مستغیثان } بنام شنکر ولد مدن قوم برہمن ساکن قرولی مستغیث الیہ

جرم دفعہ ۴۸

دفتر آنریری مجسٹریٹ
ریاست قرولی
سنہ ۱۹۱۳ء

مسل آج تاریخ پیشی پر پیش ہوئی۔ فریقین مقدمہ حاضر آئے۔ من جانب مستغیث الیہ ۔۔ ۔۔

تاریخ حکم دیے جانے نقل	تاریخ درخواست	نام درخواست دینے والے کا
۱۵ 7/۳۲	۱۵ 7/۳۲	شیولال کاچھی

اُجرت	اسٹامپ	تاریخ دیے جانے نقل
۱۲/	۱۰/	۲۲ 7/۳۲
۲۲/	کل	

دستخط
رام دت لال

ضمیمہ نقل فیصلہ اجلاس آنریری مجسٹریٹ مشمولہ مسل نمبری ۱۲۴ مرجوعہ ۲۱
بمقدمہ شیولال ولد سیتو و مسماۃ گل کیسری ۔۔ بنام شنکر ولد مدن قوم برہمن
شیولال کاچھی مستغیثان قرولی مستغیث الیہ

جرم دفعہ ۳۲۳

صفائی ثبوت پیش نہیں ہوا۔ واقعات یہ ہیں کہ شنکر مستغیث الیہ کی بغیچی کو مستغیثان کاشت کرتے ہیں۔ مستغیثان کا استغاثہ ہو کہ مستغیثان بغیچی مستغیث الیہ کی جوت نہیں کرتے ہیں اور جو پیڑ پتا ہوتا ہو اس کو مستغیثان ہمیشہ لے جاتے ہیں اور پیڑ پتا لگاتے ہیں۔ مستغیثان بغیچی مستغیث الیہ سے کل بانس کے پتّوں کا بوجھ لا رہے تھے کہ مستغیث الیہ نے مستغیثان کے ساتھ گالی گلہ کیا اور ضربات ڈنڈا سے مستغیثان کو مستغیث الیہ نے مضروب کیا اور تائید استغاثہ من جانب مستغیثان دو نفر گواہان مسمیان رتن و گیارسا کاچھیان پیش ہوئے۔ بیان گواہان مستغیثان سے کلام مستغیثان کی تائید ہوتی ہو۔ اور گواہان نے بیان کیا ہو کہ ایک ایک ڈنڈا مستغیثان کے مستغیث الیہ نے مارا ہو۔ مستغیث الیہ کو جرم سے انکار ہو۔

دفتر آنریری مجسٹریٹ

ریاست قرولی

سنہ ۱۹۱۳ء

ضمیمہ نقل فیصلہ اجلاس آنریری مجسٹریٹان شمولہ مسل نمبری ۱۲۴ مرزوعہ

۲۱ $\frac{۹}{۳۲}$ بمقدمہ

شیولال ولد سیتو و مسماۃ گل کیسری زوجہ شیولال کاچھی قرولی مستغیث

بنام

شنکر ولد مدن قوم برہمن ساکن قرولی مستغیث الیہ

جرم دفعہ ۴۲۸

عدالت سے مستغیث الیہ کو ثبوت صفائی کا موقع بھی دیا گیا مگر من جانب مستغیث الیہ کوئی ثبوت صفائی پیش نہیں ہوا۔ تحقیقات سے نسبت مستغیث الیہ جرم ضرر رسانی زیر دفعہ ۴۲۸ ثابت ہوتا ہے اور مستغیث الیہ قابل مواخذہ جرم کے ہے۔ لہذا حکم ہوا کہ وہ ثبوت جرم زیر دفعہ ۴۲۸ مستغیث الیہ ۶/ جرمانہ ادا کرے و صورت عدم ادائیگی جرمانہ پانچ یوم قید محض رہے۔ مسل مقدمہ درج فیصلہ ہوکر داخل دفتر ہو۔ فریقین کو حکم رو برو سُنا دیا گیا مرقوم ۱۱- جولائی ۱۹۳۲ء

مقابلہ شد
(دستخط)

دفتر آنریری مجسٹریٹ
ریاست قرولی
۱۹۱۳ء

(نقل مطابق اصل)

کیفیت انسپکٹر برانچ اسکولس

بنام

مینجنگ کمیٹی اسلامیہ اسکول مظاہر العلوم

تاریخ ۲۱-۱۲-۳۷

مدرسہ ہذا میں پہلی زبان و دوسری زبان اُردو، میں یعنی کل اُردو پڑھنے والے لڑکوں کی کیا تعداد ہے۔ فوراً دست بدست دے دی جاوے۔ ابھی یہ اور بھی بہتر ہوگا کہ کوئی ذمہ دار ٹیچر سنگ میں آوے تاکہ کسی طرح کی غلطی ہو جائے تو اس سے دریافت کرکے اس کو ٹھیک کر دیں۔ فقط دستخط درگالال (بزبان انگریزی)

۲- شریمان انسپکٹر صاحب برانچ اسکول

جو کہ محکمہ عالیہ خاص سے دریافت ہے کہ ریاست سے امداد پانے والے اسکول کس قدر ہیں اور اُردو پڑھنے والوں کی کس قدر تعداد ہے، آج ہی فوراً اس اطلاع کی ضرورت ہے۔ حسب الحکم شریمان ڈائرکٹر صاحب یہ اطلاع فوراً بھجوائی جائے۔

تاریخ ۲۱-۱۲-۳۷

دستخط

اے۔ پی۔ مکرجی (بزبان انگریزی)

ہیڈ کلرک ٹو

ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن

قرولی راج

۲- بھرتپور

اعداد و شمار

(جو جناب ارشاد حسین زیدی صاحب نے از راہ کرم مہیا فرمائے)

(۱) ہماری ریاست میں ۱۳۰ سرکاری اسکول ہیں اور ۷۵۔ اسکول پرائیوٹ ہیں
۱۳۰۔ سرکاری مدارس کی تفصیل اور ۷۵ پرائیوٹ اسکولوں کی حسب ذیل ہے۔
۱ صدر ہائی اسکول (میٹرک تک تعلیم دی جاتی ہے جس میں اُردو بطور سیکنڈ لینگویج جاری ہے)
ایک ٹریننگ اسکول۔ (جس میں P.T.C. کا ٹریننگ ہوتا ہے۔ زبان خواہ اُردو ہو خواہ ہندی)
ایک سنسکرت اسکول (جس میں سنسکرت اور آیورویدک کی تعلیم دی جاتی ہے)
۱۲۔ ورناکیولر مڈل اسکول (جن میں اُردو ہندی مڈل تک پڑھائی جاتی ہے)
۹۔ گرلز اسکول (جن میں محض ہندی جاری ہے)
۱۰۶۔ پرائمری اسکول (جن میں بیشتر ہندی اور کم تر اُردو کے طالب علم ہوتے ہیں)۔
۷۵۔ پرائیوٹ اسکولوں میں ہندی پاٹھ شالائیں اور انجمن اسلامیہ کے مدارس شامل ہیں۔ ان اسلامی مدارس میں اُردو، عربی اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔

(۲) ۱۳۰۔ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے طالب علم ۷۲۸۱ ہیں اور ۷۵ پرائیوٹ اسکولوں میں ۱۶۸۸ لڑکے پڑھتے ہیں۔ سرکاری اور پرائیوٹ اسکولوں میں پڑھنے والوں کی تعداد ۹۰۶۹ ہوتی ہے، جس میں

قریب قریب تین ہزار طالب علم اُردو سے دو چار ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنی زبان خالص اُردو رکھتے ہیں اور بعض دوسری زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

(۳) اُردو کا نصاب جو اِن مدارس میں مروّج ہے وہ قابل اطمینان نہیں۔ ایسے نصاب سے زبان میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اور ادب اُردو کی اصلیت سے دہ کوسوں دُور ہے۔ اگر اسی قسم کی کتب درسیہ اُردو زبان میں کچھ زمانے تک جاری رہیں تو اُردو، اُردو نما، رہ جائے گی۔

(۴) انجمن اسلامیہ کی طرف سے ۳ مدارس ہیں، ڈیڑھ سو طالب علم زیر تعلیم ہیں، جہاں پر اُردو اور کلام اللہ کا درس دیا جاتا ہے اور انگریزی و اُردو مڈل کے داخلے کے لیے لڑکے تیار کیے جاتے ہیں۔ قریب سو طلبا کے مختلف ماسٹروں کے پاس گھر پر پُرانی طرز کے موافق زیر تعلیم ہیں۔

(۵) ایک پبلک لائبریری ہے جس میں اُردو کے اخبار اور ناول اور تاریخی کتب اور اکثر ماہواری رسائل موجود ہیں۔ ایک لائبریری ہائی اسکول میں ہے جس میں درسی کتب اُردو کی موجود ہیں۔
ایک لائبریری ورناکیولر فائنل مڈل اسکول کی ہے۔
دو پرائیویٹ ذخیرے کتب مذہبی کے موجود ہیں۔ پہلا ذخیرہ میر سجاد حسین صاحب جج مرحوم و مغفور کے کتب خانے میں، دوسرا کتب خانہ مرزا غضنفر حسین صاحب عروج یادگار حضرت ظہیر دہلوی کا ہے۔

(۶) صرف ایک پبلک لائبریری ہے۔ کوئی انجمن نہیں ہے۔

(۷) مشاعرے قدیم طرز پر ہوتے ہیں، سال میں دس پانچ مشاعرے ہو جاتے ہیں۔ پہلے "کلام اُردو" کے نام سے ماہواری رسالہ جس میں محض مشاعرے

کی غزلیات ہوتی تھیں، بھرتپور سے نکلتا تھا - وہ رسالہ اب عرصہ ۲۰ سال سے بند ہو۔

(۸) اُردو کا کوئی چھاپہ خانہ نہیں ہو۔ نہ کوئی اُردو اخبار اور رسالہ نکلتا ہو۔

(۹) اب دفتر کی زبان ہندی اور انگریزی ہو۔

(۱۰) مرحوم مہاراجہ کشن سنگھ جی بیکنٹھ باشی کے عہد سے قبل تمام دفاتر اردو میں تھے اور کاغذات پٹوار بھی اُردو میں ہوتے تھے۔ مگر اب تمام سرکاری کاروبار ہندی میں ہوتے ہیں یا انگریزی میں۔ سرکاری دفاتر میں اُردو کا نام و نشان مٹا دیا گیا ہو۔

(۱۱) میر شبّر حسین صاحب نسیم مرحوم بہرسری شاگرد جناب نواب فصیح الملک داغ، سرزمین بھرتپور میں ایک مشہور شاعر ہوئے ہیں جن کو ۳۰ سال کا عرصہ ہوا انتقال فرما گئے۔ آپ کی غزلیات مشہور ہیں اور ایک نسخہ دیوان کا آپ کے شاگرد رشید جناب تپاں فتحپوری نے طبع کرا دیا ہو۔

نسیم مرحوم نے غزلیات سے بڑھ کر مراثی میں زورِ قلم دکھایا ہو۔ آپ کی زبان خالص لکھنؤ کا روز مرہ ہو۔

عصرِ حاضر کے مشہور و مستند ادیب میرزا غضنفر حسین صاحب عروج یادگار حضرت ظہیر دہلوی ہیں۔ آپ اُردو، فارسی، عربی، منطق و فلسفہ کے ماہر اور صاحب دیوان ہیں۔ ایک دیوان ختم کر چکے، دوسرا قریب ختم ہو۔ رُباعیاں، سلام اور مرثیے بھی لکھتے ہیں۔ ایک رسالہ علم عروض پر لکھا ہو جو طبع ہو گیا ہو۔ اب مذہبی اور مناظرے کی کتابیں لکھ رہے ہیں۔ بہترین خوش نویس ہیں۔ ایک گم نامی کی زندگی بھرتپور میں گزار رہے ہیں۔ آپ کی عمر قریب پچاس سال ہو۔ بہت ہی منکسر اور سادہ مزاج ہیں۔

ہندی کیوں کر ہوئی

ارشاد حسین صاحب زیدی آرٹسٹ نے ریاست بھرتپور کے متعلق معلومات فراہم کر دی ہیں، لیکن صاحب موصوف نے یہ نہ لکھا کہ بھرتپور میں کن حالات کی بنا پر اُردو زبان کو ہٹا کر ہندی کو رائج کیا گیا، اور اس کے اسباب و علل کیا تھے۔ یہ بھی تحقیق نہیں کیا گیا کہ یہاں تصنیف و تالیف کا سلسلہ کب سے ہے اور نہ کسی سرکاری تحریر کی نقل مہیا کی گئی تھی۔

اس رپورٹ میں اسی کمی کو پورا کیا گیا ہے تاکہ اس ریاست کا کام بھی مکمل صورت میں ہو جائے اور کوئی خامی باقی نہ رہے۔ بھرتپور میں قدیم سے سرکاری دفاتر میں اُردو زبان استعمال ہوتی چلی آئی ہے۔ یہاں اُردو اور فارسی کے بڑے بڑے فضلا جمع تھے، شعر و شاعری کا چرچا رہا ہے، اور اب بھی باقی ہے۔ صوبہ متحدہ کے ضلع آگرہ کی قربت اور شمالی ہند کے دوسرے علاقوں کے قریب ہونے کی وجہ سے اور ساتھ ہی ریلوے لائن کے کھل جانے سے یہاں کی زبان بہت صاف اور ستھری ہو گئی ہے بھرتپور خاص اور اس کے علاقوں میں ہندو اور مسلمانوں کے صاحب علم و فضل خاندان قدیم سے آکر بس گئے ہیں اور آج وہ اپنے آپ کو بھرتپوری کہتے ہیں۔ ان کے میل جول اور اختلاط سے یہاں کے مقامی باشندے اپنی بولیوں کو بالکل درست کر چکے ہیں اور نہ صرف شرفا بلکہ دیہاتی اور جاہل بھی بہت پیاری اُردو بولتے ہیں۔

یہاں کے موجودہ راجہ (جو اب معزول کر دیے گئے ہیں) مہاراجہ کشن سنگھ ۱۹۱۸ء میں گدی نشین ہوئے اور ۲۸ر نومبر کو کل اختیارات ملے۔ اس سے پہلے ایک انتظامی کونسل حکومت کرتی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں قاضی سر عزیز الدین صاحب

دیوان ریاست دتیا بھی اس کونسل کے ایک رُکن نامزد ہوکر تشریف لائے۔ اس سے پہلے دو جماعتیں، ایک تو "بزم اُردو" اور دوسری "ہندی ساہتیہ سمتی" کے ناموں سے قائم ہو چکی تھیں۔ "بزم اُردو" سب سے پہلے قائم ہوئی تھی، یہ تو ارباب اُردو کی ستم ظریفیوں کا شکار ہوکر رہ گئی۔ دوسری جماعت نے کچھ کام کیے۔ اس نے ایک پبلک جلسہ کرکے ممبران کونسل کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ راج کے دفتروں میں ہندی بھاشا کے ذریعے کام ہوا کریں۔ انتظامی کونسل کے تین ہندو ممبروں نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ قاضی عزیز الدین سے ممبروں کا اختلاف ہوا، قاضی صاحب نے فرمایا کہ والیٔ ریاست اس وقت با اختیار نہیں ہیں اور ان کے علم و اطلاع کے بغیر ریاست میں اس قسم کی تبدیلی نہیں ہونا چاہیے۔ رئیس کو جس وقت اختیارات مل جائیں، اس وقت وہ چاہیں تو ریاست کی زبان بدل سکتے ہیں، معاملہ ایجنٹ بہادر تک پہنچا۔ اس نے قاضی صاحب سے اتفاق کیا۔ اور اس طرح اُردو غریب پر سے یہ مصیبت ٹل گئی۔

مہاراج کشن سنگھ کی والدہ (ماجی صاحبہ) ایک مہنت رادھا بلبھ نامی کی چیلی تھیں۔ ریاست بھرتپور سے ۱۹ کوس کے فاصلے پر تحصیل کامناہ میں ان مہنت جی کا قیام تھا، ان مہنت جی کی آرزو تھی کہ کسی طرح اس ریاست میں ہندی بھاشا کا چلن ہو جائے، انھوں نے سوچ رکھا تھا کہ مہاراج کشن کے با اختیار ہوتے ہی اپنی چیلی (ماجی صاحبہ) کے ذریعے ہندی کے چلن کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ جب کونسل ایڈمنسٹریشن ختم ہوا اور رئیس کو اختیارات سونپے گئے تو ماجی صاحبہ نے اپنے بیٹے سے فرمائش کی کہ اُردو کو ہٹا دیا جائے۔ اس بارے میں رئیس نے اپنے وزرا سے مشورہ لیا۔ ان میں سے مولوی اشفاق حسین خاں نے مہاراج سے عرض کیا کہ ہندی ہو جانے سے ریاستی نظام اور کاروبار میں ابتری پھیل جائے گی۔ مگر اس کے بعد اپنی ماں کے

اصرار سے مجبور ہوکر یکم نومبر ۱۹۲۰ء کو احکامات جاری ہوگئے کہ اجلاس خاص میں تو آج ہی سے ہندی رسم الخط میں کام ہوگا اور دیگر محکموں میں یکم جنوری ۱۹۲۱ء سے تمام تحریری کام ہندی میں سرانجام دیا جایا کرے گا۔ اور تین ماہ کے اندر ہندی سے ناواقف ملازمین اس سے پوری واقفیت حاصل کرلیں۔

مسلمانوں نے بہت جلد ہندی پر عبور حاصل کرلیا اور اب بھی بعض مسلمان ہی اس میں کام کرنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، اور اکثر ہندو اصحاب ہندی ہو جانے سے نالاں ہیں۔

بعض باخبر اصحاب کی رائے ہے کہ مہاراج کشن سنگھ کو ذاتی طور پر اُردو زبان سے کوئی کد نہ تھی، صرف اپنی ماں کے حکم کی تعمیل میں انھوں نے رسم الخط تبدیل کردیا اور اس رائے کے ثبوت میں وہ یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جب برکت والے مندر کے ایک شخص جگن ناتھ ادھکاری اور پنڈت نیا شنکر اکاونٹنٹ جنرل نے ماجی صاحبہ سے یہ تحریک کی کہ ایسی ڈکشنری تیار کی جاوے جس میں اُردو کی تمام اصطلاحات کا ترجمہ ہندی بھاشا میں کردیا جاوے تاکہ اُردو کا پورا "دیس نکالا" عمل میں آجائے تو ماجی صاحبہ نے اس تجویز کو منظور کرکے روپیہ بھی دلوادیا۔ مگر جب یہ ڈکشنری تیار ہوگئی تو مہاراج نے یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا کہ اس کے عمل سے ریاست کا کاروبار چلنا بالکل ہی دوبھر ہو جائے گا۔

واقعہ یقیناً صحیح ہے مگر اس بنیاد پر جو رائے قائم کی گئی ہے وہ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مہاراج کشن سنگھ جب تعلیم حاصل کر رہے تھے اور راؤ رگھبیر سنگھ اور ان کے چچا راؤ راجہ رگھناتھ سنگھ بطور خاص انھیں ہندی کی تعلیم دے رہے تھے اسی وقت مولوی عبدالغفار اس لیے مقرر کیے گئے کہ راجہ کو اُردو زبان کی تعلیم بھی دیں مگر انھوں نے اردو کی تعلیم بالکل حاصل نہ کی، گویا اردو زبان سے محض نابلد رہے

ہندی سے واقفیت اور اُردو سے ناواقفیت کے بعد، اُردو دوستی کوئی معنی نہیں رکھتی، یہ محض ایک سازش تھی جس میں مہنت جی مہاراجہ صاحب اور باجی صاحبہ شریک تھے۔

اس دعوے کے ثبوت میں یہ چیز پیش کی جاسکتی ہے کہ مہاراجہ کشن ہر بات میں مہاراجہ الور کی نقل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ جہاں سلخ خانہ اور شکارگاہ کی تعمیر میں یہ جذبہ پنہاں تھا، کوئی دور نہیں کہ ہندی دوستی بھی وہیں سے آئی ہو۔ مہاراجہ الور اُردو دشمنی کے لیے زمانے بھر میں مشہور ہیں اور مہاراج بھرتپور بہت سی باتوں میں اُن کی نقل کرتے رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ ۲۸۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو مہاراج کشن کو اختیارات تفویض کیے گئے اور یکم نومبر ۱۹۲۰ء کو مہاراجہ کے خاص محکمے میں ہندی رسم الخط میں کام ہونے لگا اور یکم جنوری ۱۹۲۱ء سے تمام دفاتر میں سرکاری اغراض کے لیے ہندی رسم الخط استعمال کیا جانے لگا۔

جب مہاراجہ بغاوت کے سلسلے میں معزول کر دیے گئے اور ۱۹۲۹ء میں مسٹر میکنزی مرحوم سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی برٹش ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے تشریف لائے، تو بعض وکلا نے درخواست دی کہ ریاست کے دفاتر میں اُردو زبان کو دوبارہ استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر مسٹر برجیون لال، جوڈیشل سکریٹری اور رام لال بترہ ریونیو ممبر نے اس کی مخالفت کی، لہٰذا اُردو نہیں ہوسکی۔ اس کے بعد بعض بعض درخواستیں یا کاغذات اُردو میں پیش ہونے لگے تو جوڈیشل سکرٹری نے اس اعتراض کے ساتھ معاملہ صاحب کے سامنے پیش کیا کہ ریاست کی زبان ہندی ہے اور لوگ کاغذات اُردو میں پیش کر دیتے ہیں تو حکم ہوا کہ اس میں کوئی ہرج

نہیں ہے۔

موجودہ مہاراج کمار (ولی عہد) یورپ کی تعلیم ختم کرکے آج کل میرٹھ میں فوجی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ بھی اُردو سے محض نابلد ہیں۔ حال میں ارشاد حسین صاحب زیدی نے، برٹش اڈمنسٹریٹر کو درخواست دی کہ اگرچہ ریاست ہندو ہے مگر یہاں ہمیشہ سے اُردو زبان رہی ہے اور اب بھی رعایا کے کثیر طبقے کی مادری زبان اُردو ہے۔ لہذا آیندہ والیٔ ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُردو سے واقف ہو، اس خدمت کے لیے میں اپنی خدمات اعزازی طور پر پیش کرتا ہوں۔ برٹش اڈمنسٹریٹر نے رضامندی کا اظہار کیا مگر زیدی صاحب اس لیے خاموش ہو گئے کہ میرٹھ کی تعلیم پوری ہونے کے بعد جب مہاراج کمار بھرتپور میں مستقل قیام کریں گے تو اس وقت اس قسم کی تحریک مناسب ہوگی۔

زیدی صاحب فرماتے تھے کہ کچھ بھی ہو وہ اس خدمت کو ضرور بجالاویں گے تاکہ آیندہ کے لیے یہ اعتراض دور ہو جاوے کہ راجہ صرف ہندی جانتا ہے اور اس طرح شاید اُردو کے لیے کوئی صورت فلاح کی نکل سکے۔

تصانیف ریاست بھرتپور

اس ریاست میں ۱۸۷۷ء سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ ذیل میں ایسی تصانیف اور ان کے مصنفوں کے نام لکھے جاتے ہیں جن کے چھپنے کا سنہ معلوم ہو سکا اور اس کے بعد ایسی تصانیف کے نام درج

کیے جاتے ہیں جن کا سنہ معلوم نہ ہو سکا۔

۱۔ "دہ مجلس" مولوی عطا حسین صاحب مرحوم ۱۸۷۷ء

۲۔ "پہلوان پلنگ خفتہ" ڈپٹی میر جعفر حسین صاحب لندنیہ مرحوم۔ مطبوعہ ۱۸۹۰ء، سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے کی تاریخ ہے۔

۳۔ "کلالِ محترم" حکیم اوصاف علی صاحب رضوی مرحوم، مطبوعہ ۱۸۹۶ء کربلا کے واقعات لکھے ہیں۔

۴۔ "تذکرۃ الصلوٰۃ" بحر العلوم، مولوی سید محمد صاحب طور، مرحوم مطبوعہ ۱۸۹۷ء

۵۔ "وقائع راجپوتانہ" لالہ جوالا سہائے متوفی سابق ناظم بھرتپور مطبوعہ ۱۸۹۸ء۔ چار جلدیں ہیں۔

۶۔ "دیوان جانی" لالہ بہاری لال جانی، متوفی۔ مطبوعہ ۱۸۹۸ء۔

۷۔ "یادگار راضی" قصائد ہیں۔ لالہ بہاری لال جانی متوفی، مطبوعہ ۱۸۹۸ء

۸۔ "کمبل نامہ" میاں جی کرامت علی ہوشیار، مرحوم، مطبوعہ ۱۸۹۸ء

۹۔ "تکیہ نامہ" " " " "

۱۰۔ "زادِ سبیلِ آخرت" خان بہادر سید اولاد حسین مرحوم، مطبوعہ ۱۸۹۹ء

۱۱۔ "دل آرام راضی"

۱۲۔ "ارژنگ راضی" ترجمہ انوار سہیلی منظوم۔

۱۳۔ "خالق باری" انگریزی اُردو۔

۱۴۔ "مجموعہ صرف ونحو" عربی قواعد کو اُردو میں لکھا ہے

چاروں کتابوں کے مصنف لالہ بہاری لال صاحب جانی متوفی ہیں اور چاروں ۱۸۹۹ء میں چھپی ہیں۔

۱۵۔ "چشمۂ خرد" جناب مولوی ضامن علی صاحب مرحوم۔ ۱۸۹۹ء۔ مذہبی حالات پر مبنی ایک کتاب ہے۔

۱۶۔ "چہل حدیث" ڈپٹی وزیر حسین صاحب مرحوم ۱۹۰۰ء

۱۷۔ "نور المجالس" } مولوی نور الحسن صاحب اجٹینٹ مرحوم
۱۸۔ "جنتری اثنا عشری" } ۱۹۰۰ء

۱۹۔ "دیوان مہر" ماسٹر سکھ دیو مہر متوفی، ۱۹۰۰ء

۲۰۔ "نور البصر" بحر العلوم مولوی سید محمد صاحب طور مرحوم، مطبوعہ ۱۹۰۲ء عینکوں کے متعلق تحقیقات ہے۔

۲۱۔ "یوسف گم گشتہ" مرزا غضنفر حسین صاحب عروج مطبوعہ ۱۹۰۹ء ناول ہے۔

۲۲۔ "عین الیقین" داروغہ سید احمد حسین صاحب ناطق مطبوعہ ۱۹۱۰ء۔

۲۳۔ "منشور غدیر" مولوی سید محمد صاحب مرحوم، مطبوعہ ۱۹۱۱ء۔ عید غدیر کے حالات پر مشتمل ہے۔

۲۴۔ "اظہار حسن پولس" سید حسن اکبر صاحب پنشنر سب انسپکٹر مطبوعہ ۱۹۱۹ء

۲۵۔ "حروف مفردات" مولوی حاجی سید عبد اللہ صاحب سابق پروفیسر آگرہ کالج۔ مطبوعہ ۱۹۲۱ء۔ اُردو ٹائپ کے متعلق ایک کتاب ہے

۲۶۔ "اُردو کے بارہ سبق" سید محمود حسین صاحب جعفری، مطبوعہ ۱۹۲۱ء باشندگان فرانس کو اُردو سکھانے کے لیے لکھا تھا اور فرانس میں اس کے دو اڈیشن نکل چکے ہیں۔

۲۷۔ "تنزیہ الفرقان" مولوی سید محمد صاحب مرحوم، مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔ اس سے پہلے بھی ایک اڈیشن نکل چکا ہے۔ اسلام پر پادریوں کے اعتراضات

کا جواب ہے۔

۲۸۔ "جانِ سخن" مرزا غضنفر حسین صاحب عروج، مطبوعہ ۱۹۱۳ء علم عروض پر لکھی ہے

۲۹۔ "مثنوی ثمرِ عشق" ماسٹر رضی الحسن صاحب سب رجسٹرار قانونگو، مطبوعہ ۱۹۳۳ء

۳۰۔ "تاریخ جناب قاضی نور اللہ شوستری" سید آل عبا صاحب جعفری، حال وکیل آگرہ۔ مطبوعہ ۱۹۳۶ء

۳۱۔ "ہفت بند زہرا" جناب میر فضل رسول صاحب فضل، مطبوعہ ۱۹۳۶ء

اِن کتابوں کے علاوہ ایک اخبار ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۳ء تک جاری رہا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ لوگوں کی موت اور پیدائش کی خبریں شائع ہوا کرتی تھیں اور ساتھ ہی ملازمین کے تبادلے، رخصت اور دیگر ضروریات کے متعلق اطلاعات درج ہوا کرتی تھیں، بعض لوگوں کے مضامین بھی شائع ہوجایا کرتے تھے۔ آگرہ کے کسی مطبع میں چھپتا تھا۔ مولوی حاجی سید عبداللہ صاحب رضوی سابق پروفیسر آگرہ کالج اس کے ایڈیٹر تھے جو اب بھی بقیدِ حیات ہیں۔

ایک رسالہ "کلام اُردو" کے نام سے ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۵ء تک جاری رہا۔ اس میں بھرتپور کے مشاعروں کا انتخاب چھپا کرتا تھا۔ بھرتپور کے سرکاری مطبع میں چھپا کرتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا غضنفر حسین صاحب عروج اور کچھ دنوں سید موسیٰ رضا صاحب شاد رہے ہیں۔

تصانیف جن کے سنہ معلوم نہ ہو سکے

۱۔ "نور بصر" مولوی حاجی سید عبداللہ صاحب رضوی پروفیسر، پردہ کے موضوع پر ہے۔

۲۔ "الہام و وحی" } سید حسن جعفری صاحب ایم۔اے، ایم۔او۔ایل،
۳۔ "نالۂ دل" } ایل ایل۔بی وغیرہ

۴۔ "تفسیر عمدۃ البیان" مولوی سید عمار علی صاحب مرحوم

۵۔ "ریاض نسیم" منشی شبر حسین صاحب نسیم مرحوم

۶۔ "تازیانہ" " " " داغ پر اعتراضات کا جواب ہے۔

۷۔ "تاریخ بیانہ (بھرتپور)" حکیم سید علی رضا صاحب

سرکاری تحریر کی ایک نقل منسلک ہے جس سے دفتری زبان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ذیل میں ریاست بھرتپور کی ایک عدالتی دستاویز پیش کی جاتی ہو۔ اصل دستاویز ناگری رسم خط میں ہو۔ ہم نے اِسے اُردو رسم خط میں لکھ دیا ہو۔ رسم خط کے سوا کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی نہیں کی گئی۔

مسل ۵۰ اجرائے ڈگری مجریہ ۲ ۱/۳۲ء فیصلہ ۱۲ ۱۱/۳۲ء منصفی بھرتپور
بھگوان سنگھ ولد کشوری لال قوم ویش ساکن بھرتپور ڈگری دار

بنام

نینو خاں ولد خدابخش قوم شیخ ساکن بھرتپور، متھرا دروازہ

مطالبہ مالیہ عـہ

مسل پیش ہوئی۔ عذر بھگوان سنگھ ڈگری دار خریدار بابت داخل کرنے منافع چارسو رُپے زر رہن وجواب مدعیان ملاحظہ کیا گیا۔ بحث سماعت کی گئی۔ واقعات یہ ہیں کہ ڈگری دار نے مدعیان کا حق ملکیت مکان میں مبلغ دس رُپے بعوض مبلغ چارسو رُپے زر رہن خرید کیا ہو اور نیلام بنام ڈگری دار تاریخ ۱۱۔ اگست ۱۹۳۲ء کو ختم کیا گیا مدعیوں نے تاریخ ۱۳ ۹/۳۲ کو درخواست بابت نہ کیے جانے قطعی نیلام پیش کی جس میں علاوہ اور عذرات کے یہ بھی عذر کیا گیا کہ زر رہن ادا ہو چکا ہو۔ زر رہن خریدار سے داخل کرالیا جاوے۔ تاریخ ۲۵ ۱/۳۲ کو عدالت ہذا نے یہ حکم دیا کہ ڈگری دار زر رہن داخل کرے۔ لیکن ڈگری دار نے زر رہن نہ داخل کرتے ہوئے یہ عذر کیا کہ مبلغ چارسو رُپے زر ثمن نہیں ہو۔ اس کی بولی صرف مبلغ عللہ ہو۔ بولی کے ملاحظہ سے یہ پایا جاتا ہو کہ نیلام بعوض چارسو رُپے زر رہن میں ختم ہوا۔ وقت قرقی و وقت تصفیہ شرائط نیلام مدعیوں نے باوجود اطلاع کوئی عذر نہیں کیا۔ اب جو عذر کیا گیا ہو، وہ بھی زائد از ۳۰ یوم ہو اور بیرونِ میعاد ہو۔ ایسی صورت میں ڈگری دار کا عذر بابت نہ داخل کرنے

زر رہن درست ہے۔ بعوض زر رہن اپنی ذمہ داری پر خرید کیا ہے۔ ایسی حالت میں جو چار سو روپے زر رہن داخل کرائے جانے کا حکم دیا گیا وہ قابل نظر ثانی ہے۔ تمام حالات مقدمہ، کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ للعہ زر رہن بہ حق بھگوان سنگھ ڈگری دار خریدار .... کیا جائے۔ مسل بعد تکمیل داخل دفتر ہو۔

حکم سنایا گیا .... کہ ۹ر زر کمیشن نیلام داخل کرا دیا جائے۔

تاریخ ۱۲ ۱۱/۳۷ء

دستخط بابو رجن لال صاحب منصف بھرتپور

نام سائل	تاریخ درخواست	تاریخ حکم
نینو	۳۰ ۱۱/۳۷	۳۰ ۱۱/۳۷

تاریخ تیاری	تاریخ حوالگی
۸ ۱۲/۳۷	۹ ۱۲/۳۷ء

۳- دھولپور

عام حالات

ریاست دھولپور کی کل آبادی دو لاکھ ۵۴ ہزار ۹ سو ۸۶ نفوس پر مشتمل ہو - یہ ریاست دوسری ریاستوں کی طرح موروثی اور قدیم نہیں ہو، بلکہ انگریزوں نے بعض خدمات کے اعتراف کے طور پر، ایک جاٹ سردار کے لیے برطانوی علاقوں اور دیسی ریاستوں میں سے کچھ حصہ لے کر اس کی تشکیل کی ہو۔ ۱۸۶۰ میں اس جاٹ سردار کو اختیارات ملے ہیں - یعنی اس ریاست کو قائم ہوئے ایک صدی ہوئی -

اس سے قبل یہ علاقہ گوالیار کے ماتحت تھا اور "گوہر" کے نام سے مشہور تھا۔ کچھ زیادہ آباد بھی نہ تھا اور ایک معمولی قصبہ شمار ہوتا تھا - ریاست دھولپور کے پہلے راجہ نے شمالی ہند اور آس پاس کے علاقوں سے مسلمانوں، کائستھوں اور دیگر اصحاب علم و فضل کو بلا کر آباد کیا، ان کو اعزاز، جاگیر اور انعامات سے سرفراز کیا - چنانچہ مسلمان اس قدر اقتدار اور اثر کے مالک تھے کہ اس زمانے میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ "ریاست مسلمانوں کی ہو" - سید عابد علی صاحب مرحوم دیوانِ ریاست تھے اور کمیدان صاحب مرحوم فوجوں کے کمانڈر تھے - تمام سرکاری دفاتر میں ابتداءً فارسی اور پھر اُردو کا رواج رہا -

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا جبکہ موجودہ راجہ کے بھائی مہاراج نہال سنگھ آنجہانی برسرِ حکومت تھے اور نہ صرف دفاتر میں اُردو رائج تھی بلکہ وہ خود اُردو اور فارسی کی اچھی استعداد رکھتے تھے اور شعر گوئی سے بھی خاص شغف تھا - یہاں ہندی

کو کچھ اس ترکیب سے رائج کیا گیا ہو کہ بظاہر محسوس نہیں ہوتا کہ اس کے رواج کے لیے کوئی خاص توجہ کی گئی ہو یا یہاں کے راجہ اور دیگر ہندوؤں کو خاص طور پر ہندی کی ترقی مقصود ہو۔ چنانچہ عام طور پر یہاں لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ "یہاں ہندی اُردو دونوں میں کام ہوتا ہو اور مہاراج کو اُردو سے کوئی مخالفت نہیں ہو۔" حالات اس کے برعکس ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہو کہ موجودہ راجہ، مہاراج رانا اودھے بھان سنگھ جی کو ابتدا ہی سے لیڈری کا شوق رہا ہو اور ماضیٔ قریب میں پرنسز چیمبر کے چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی رعایا کا کوئی طبقہ ان سے ناخوش رہے اور ان کی ہر دلعزیزی میں فرق آئے۔ اِدھر حامیانِ ہندی کا تقاضا تھا کہ ریاست کے دفاتر میں ہندی استعمال ہونی چاہیے۔ ایک دم ہندی کے احکام میں حامیانِ اُردو کا خفا ہو جانا یقینی اور لازمی امر تھا۔ پس نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے ہندی کو فوقیت اور برتری حاصل ہوتی رہی اور اُردو والوں کو بہت کم یہ محسوس ہوا کہ مہارانا اندر ہی اندر اُردو کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہو کہ سنہ ۱۹۰۴ء یا سنہ ۱۹۰۵ء میں والیٔ ریاست کو ہندی میں دفتر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ فوری طور پر اس قسم کے احکام جاری کرنے سے احتیاط کی گئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں سردار بہادر بھگت سنگھ کے اجلاس سے یہ حکم جاری ہوا کہ:-

"بجائے فارسی الفاظ کے، تحریروں میں ہندی الفاظ استعمال کیے جایا کریں، مثلاً گیہوں کو گندم اور چنے کو نخود نہ لکھا جائے۔ اور جو افسر اپنے دفاتر کا کام ہندی میں چلا سکتے ہیں وہ ہندی میں کام کیا کریں۔"

اس حکم کے بعد سب سے پہلے محکمہ فوج میں تحریری اغراض کے لیے ہندی رسم خط

استعمال ہونا شروع ہوا۔ پھر ایک مرتبہ یہ خیال پیدا ہوا کہ تمام دفاتر میں ہندی کردی جائے مگر ابھی اس قدر مشکلات و موانع موجود تھے کہ یہ خیال عملی جامہ نہ پہن سکا۔ بلکہ بعض افسروں نے خوشنودیٔ مزاج کے لیے خود ہی اپنے دفتروں میں ہندی کو جاری کر دیا۔ مثال کے طور پر محکمۂ پولیس پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ واقعہ ۱۹۲۲ء کا ہے۔ یہ بھی پورے وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ہندی کی حمایت کے جذبے کی تخلیق کا باعث مہاراجہ سیندھیا والیٔ گوالیار ہوئے اور انھوں نے رانا صاحب دھولپور کو اس کا مشورہ دیا تھا۔

۱۹۲۲ء میں ناگری پرچارنی سبھا کی شاخ قائم ہوئی۔ ۱۹۲۹ء میں مہارانا کی جانب سے اس مفہوم کا حکم ہوا کہ سرکاری اغراض کے لیے دونوں رسم الخط کام میں لائے جا سکتے ہیں یعنی اُردو کے ساتھ ہندی بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے اس مفہوم کا کوئی تحریری حکم موجود نہ تھا جس سے ہندی کے استعمال کی عام اجازت نکلتی ہو، یہی حکم ہے جس نے لوگوں کی غلط رہبری کی اور وہ آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مہارانا کو ہندی پرچار سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ منزل ہے جبکہ اس نوعیت کا حکم جاری ہونا چاہیے تھا۔ اُردو داں ملازمین رفتہ رفتہ نکالے جا چکے تھے اور جو کچھ موجود تھے وہ ہندی دانوں میں تبدیل ہو چکے اور تقریباً تمام دفاتر کے اعلیٰ عہدوں پر ہندو لوگ فائز ہو چکے تھے۔ اس نوبت پر اُردو زبان کو اپنے حکم میں شامل رکھنا سیاسی بازیگری اور ڈپلومیسی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، دیگر دفاتر میں تو آسانی کے ساتھ ہندی کو رائج کرلیا گیا مگر ریونیو اور جوڈیشل کے شعبوں میں اس کا رواج آسان کام نہ تھا کہ ان ہی شعبوں سے عوام کا تعلق زیادہ رہتا ہے اور عوام کو منشا کے مطابق تعلیم دینا بہت دشوار امر تھا اور حکام جانتے تھے کہ جب تک رسم الخط کے ساتھ زبان بھی نہ بدلی،

جائے گی، اُردو زبان کا وجود مٹ نہیں سکتا، اور محض رسم الخط کے ہٹ جانے سے کوئی فائدہ نہیں جب تک زبان کے اثرات زائل نہ کیے جائیں۔

انھیں وجوہ سے ریونیو اور جوڈیشل کے دفاتر حامیانِ ہندی کی توجہ کا خاص مرکز رہے ہیں لیکن حسب دلخواہ کامیابی اب تک نہیں ہو سکی۔ آخر ماہ اپریل ۱۹۳۰ء میں مسٹر مولی چند شرما جوڈیشل سکریٹری ہو کر تشریف لائے۔ اگرچہ انھوں نے فارسی میں ایم۔ اے کیا تھا اور اُردو ادب و زبان سے کافی دلچسپی تھی مگر نہ معلوم یہاں آتے ہی ان کو اُردو غریب سے کیا دشمنی ہو گئی کہ رسم الخط کے ساتھ زبان کو بھی مٹا دینے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ انھوں نے مہاراج کے سابقہ حکم سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانا شروع کیا یعنی اول تو رسم الخط ہندی کیا اور اس کے بعد زبان بھی بدلنی شروع کی۔

یہ دھولپور میں اب تک اپنی ”الور شاہی“ ہندی کے لیے مشہور ہیں۔ اس رپورٹ کے آخر میں بعض مصطلحات اُردو کا ہندی ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہی صاحب شعبۂ تعلیم کے انچارج بھی تھے۔ انھوں نے یہ بھی کیا کہ شہر کے چاروں اپر پرائمری مدارس میں اُردو کی تعلیم مطلق بند کرا دی اور اپنی نگرانی میں خاص طور پر ہندی کی تعلیم پر محنت کرائی۔ اس طرح تین سال تک ان مدارس میں اُردو تعلیم نہیں ہوئی بعد میں جاری ہوئی مگر وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسٹر مولی چند شرما کچھ دنوں یہاں رہے، اس کے بعد ان کی خدمات ایوان والیان ریاست دہلی کو منتقل کر دی گئیں۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں یہ صاحب دوبارہ اپنے عہدہ پر واپس آئے اور ہندی کے رواج کی وہی کوششیں جاری رکھیں۔ جب حالات کو سازگار بنا لیا تو ۳۔ جون ۱۹۳۷ء کو مہاراجہ سے ایک آخری حکم حاصل کیا جس کی رُو سے ہر ملازم کو پابند ہونا پڑا کہ وہ ہندی سیکھے۔ اس حکم کی ایک نقل رپورٹ کے آخر میں درج ہے۔ مہاراجہ چرکھاری کی طلبی پر یہ آج کل وہاں کسی عہدے پر فائز

ہیں اور سنا جارہا ہو کہ اب یہ مستقل طور پر چرکھاری میں رہیں گے، ان کے جانے کے بعد اب پھر سابق کی طرح ہندی اور اُردو رسم الخط اور زبانیں استعمال ہو رہی ہیں اور جس زبان کو افسر جانتا ہو وہی زبان استعمال ہوتی ہو۔ چونکہ زیادہ شعبے ہندو افسران کے ہاتھ میں ہیں اور ان میں بھی بہت کم اُردو رسم الخط سے واقف ہیں، اس لیے زیادہ دفاتر میں ہندی رسم الخط استعمال ہوتا ہو، مولی چند جی کی زبان بدلنے کی تحریک میں اب کوئی جان نہیں ہو۔

عدالت کی اُردو تحریر کی ایک نقل اور اکاؤنٹنٹ آفس کی ایک تحریر کی نقل اسی رپورٹ کے ساتھ منسلک ہو۔ اکاؤنٹنٹ آفس ایک ایسا محکمہ ہو کہ جہاں کاروبار ہندی ہی میں ہوتا ہو خواہ وہ ہندو ریاست میں ہو یا مسلمان ریاست میں مگر اس تحریر کے ملاحظہ سے اندازہ ہوگا کہ اس دفتر میں بھی حسابی کام اور رسم الخط کے علاوہ اب بھی اُردو ہی استعمال ہو رہی ہو۔ مولی چند کے زمانے میں ایک بات یہ اور تھی کہ جن الفاظ یا اصطلاحات کے لیے ہندی یا سنسکرت زبان قاصر رہتی تھی ان کے لیے اُردو کو چھوڑ کر انگریزی الفاظ کو ترجیح دی جاتی تھی۔

سرکاری گزٹ ابتدا میں اُردو زبان ہی میں چھپتا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۱۵ء سے ہندی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۲۸ء سے سارا گزٹ ہندی میں چھپتا ہو۔ ۱۹۲۰ء کے بعد اُردو پریس فروخت کر دیا گیا۔ اور اب بھی ہندی پریس کے ساتھ اُردو ٹائپ موجود ہو۔

(۱) (الف) ۹ ہزار ۹ سو ۲۔ افراد کی مادری زبان اُردو ہو۔

(ب) ۲ لاکھ ۴۱ ہزار ۸ سو ۱۲۔ افراد مادری زبان کے علاوہ اردو بولتے ہیں۔

(ج) ۵ ہزار ۸ سو ۲۔ افراد لکھتے پڑھتے ہیں یا لکھ پڑھ سکتے ہیں۔

(د) ۳ ہزار ۲ سو ۹۲ افراد اُردو سمجھتے ہیں۔

(۲) (الف) سرکاری مدارس ۳ ہیں اور امدادی مدارس دو ہیں۔

(ب) ایک ہائی اسکول ہے اور دو برانچ اسکول ہیں، برانچ اسکولوں میں درجۂ ششم تک تعلیم ہوتی ہے۔ امدادی مدارس میں کلام مجید اور اُردو کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔

(ج) درس نصاب مجوزہ بورڈ رائج ہے۔

(د) اُردو پڑھنے والے طلبا کی تعداد ۸۵ ہے۔

(۳) غیر سرکاری مکاتب ۴ ہیں اور ان میں ۳۰ طلبہ اُردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ قدیم طرز کا عربی مدرسہ تحصیل باڑی میں ہے۔ اس میں اُردو پڑھائی نہیں جاتی، البتہ ذریعہ تعلیم اُردو ہی ہے۔ پچاس طالب علم زیر تعلیم ہیں۔

(۴) ایک سرکاری کتب خانہ ہے۔ لیکن اس میں عوام اور رعایا کے دیگر افراد کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس میں اُردو کتابیں بھی ہیں۔ ہائی اسکول میں ایک لائبریری ہے اس میں بھی اُردو کتابیں موجود ہیں۔ سات نجی کتب خانے ہیں اور ان میں بھی اُردو کی قلمی اور مطبوعہ کتابیں موجود ہیں۔

(۵) ایک بزم مشاعرہ ہے اور یہ کبھی کبھی مشاعرے کرایا کرتی ہے۔

(۶) تجاویز دربارۂ ترقی و اشاعت اُردو:۔

(۱) کم از کم دو دار المطالعے قائم کیے جائیں۔

(۲) بزم مشاعرہ کی ترقی اور سرپرستی کی ضرورت۔

(۳) ہز ہائی نس مہاراج رانا صاحب بہادر کا شکریہ ادا کیا جائے کہ اُن کو صحیح ملکی احساس ہے اور باوجود خارجی اثرات و دباؤ کے انھوں نے اُردو کو اب تک اپنے چند دفاتر میں قائم رکھا ہے اور استدعا کی جائے کہ اُردو کو موجودہ حالت ہی میں باقی رکھا جائے۔

(۴) مشاعروں میں بیرونی شعرا بھی شرکت فرمایا کریں۔
(۵) انجمن ترقی اُردو کی جانب سے مقامی باشندوں کو ملازم رکھ کر ریاست کے دیہات اور قصبات میں دورہ کرایا جائے کہ وہ دیہاتی اور زراعتی ضروریات پر لکچر دیں اور ان معلومات پر مبنی پمفلٹ اور چھوٹی چھوٹی کتابیں تقسیم کریں اور جو لوگ اُردو زبان سے واقف نہ ہوں انھیں تعلیم بھی دیں اور اس طرح یہ لوگ گشتی مدارس کا کام بھی دیں۔ ان کاموں کے لیے دربار سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جائے اور مالی امداد زیادہ تر انجمن ترقی اُردو دے اور بقیہ کے لیے مقامی طور پر چندہ کرلیا جائے۔
(۶) اگر انجمن ترقی اُردو اپنی کتابوں کو رعایتی قیمت پر دے اور کچھ مالی امداد بھی دے تو یہاں انجمن کی شاخ بھی قائم ہو سکتی ہے اور یہاں کے شاعروں کو انعامات دے کر ان کو اور دوسروں کو اُردو زبان سے شوق دلایا جاسکتا ہے اور ایک عمدہ لائبریری بھی قائم کی جاسکتی ہے۔

حصّہ دوم

(۱) اُردو کو یوں تو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن روٹی کا سوال اہم ترین ہے۔ اس لیے اب ۹۵ فی صدی طلبہ نے ہندی پڑھنی شروع کر دی ہے۔
(۲) ایام غدر میں یہاں شرفائے دہلی و لکھنؤ مع اپنے اہل و عیال کے پناہ گزیں ہوئے تھے، اس لیے یہاں کی اُردو زبان دہلی و لکھنؤ کی کافی نمایندگی کرتی ہے۔ عوام میں دہلی کا اثر زیادہ ہے اور عام طور پر لوگ اُردو زبان بہت صاف

بولتے ہیں۔ بہت قلیل حصۂ آبادی ایسا ہے جو اُردو بولنے پر قادر نہیں ہے
(۲۴) اُردو کتابیں جو یہاں تالیف ہوئیں :-
(۱) " خلاصۃ الطاعات " نماز کے متعلق ایک کتاب ہے۔ مطبع نور میں چھپی تھی۔
از مولوی امجد علی صاحب مرحوم، مطبوعہ سنہ ۱۳۰۵ھ
(۲) " دعائے عدلیہ " حضرات شیعہ کے اعتقادات مذہبی کو نظم کیا ہے۔ اس نظم کی ساری زبان اُردو ہے۔ مطبوعہ مطبع نور دھولپور از نور الحسن صاحب مرحوم وکیل ریاست دھولپور سنہ ۱۳۰۶ھ۔
(۳) "نصاب الطب" از چودھری محمد حسین صاحب مرحوم، مطبوعہ سنہ ۱۸۸۶ء۔ اُردو میں طب کی ایک کتاب۔
(۴) " خدیو سخن " کلام نواب رستم علی خاں، حال پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی دھولپور سنہ ۱۳۲۵ھ
(۵) " نور المجالس " قاضی نور اللہ صاحب شوستری مرحوم کے حالات اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں، مطبوعہ مطبع نور دھولپور، سنہ ۱۳۲۵ھ از نور الحسن صاحب مرحوم۔ اس کتاب کا تذکرہ بھرتپور کی رپورٹ میں بھی کر دیا گیا ہے۔ رہنے والے وہیں کے ہیں۔
(۶) " تشریح الشفا " منظوم۔ از چودھری محمد حسین صاحب مرحوم مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء
(۷) " چند بند دنیا " دنیا کی بے ثباتی کو نظم کیا ہے، مطبوعہ سنہ ۱۹۳۳ء از منشی وزیر خاں شرق مرحوم۔ مطبع آگرہ اخبار آگرہ
(۸) " پیمانۂ ہستی " مطبوعہ سنہ ۱۹۳۴ء ایضاً
(۹) ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ لوگوں کے نجی کتب خانوں میں بعض قلمی نسخے بھی موجود ہیں، جن کو دکھانا بھی یہ لوگ بُرا سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی چھین کر نہ بھاگ جائے۔

(۴) اُن صاحبوں کے نام جنھوں نے اس ریاست میں اُردو کی خدمت کی ہے۔

(۱) سردار محسن رضا صاحب۔ باڑہ کمیدان صاحب مرحوم

(۲) حکیم بندہ حسن صاحب حشر " " "

(۳) مکرم علی صاحب وکیل عدالت دھولپور

(۴) منشی گیا پرشاد صاحب وکیل عدالت دھولپور

نوٹ:- ہائی اسکول کے ہیڈ مولوی صاحب اور ماسٹر ثابت حسین صاحب جعفری ایم۔اے اور مسٹر سید ظہور الحسن صاحب وکیل عدالت، خاص طور پر انجمن کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جائزہ کے سلسلے میں بہت کافی امداد بہم پہنچائی ہے۔

مولی چند شرما جوڈیشل سکرٹری نے، عدالتوں میں جو سنسکرت الفاظ رائج کرنا چاہے تھے، ان میں سے چند ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

(۱) مُدعی = بادی (۲) مدعا علیہ = پربادی

(۳) ظاہر ہوتا ہے = پرتیت ہوتا ہے (۴) پیش کرنا = اوپَستت کرنا

(۵) منظور کرنا = سوئی کرت (۶) نامنظور کرنا = اسوئی کرت

(۷) عدالتِ ماتحت = آدھین نیا یالہ

(۸) پورے طور پر = پورنگھ

(۹) گواہ = ساکشی

(۱۰) شہادت = ساکشایت

(۱۱) خلاف = برُدھ

(۱۲) منسوخ کرنا = رُدھ کرنا

Judicial Secretary's Office.

OFFICE ORDER.

His Highness the Maharaj Rana Saheb Bahadur has been graciously pleased to order the following :—

(1) That all papers which are meant to be read and understood by the people like, Summons, Warrants, Decrees, Notices and so on, should hereafter be printed and written in Hindi.

(2) That all Officers and Clerks who have not exceeded the age of 40 years doing judicial work should be asked to learn Hindi in addition to Urdu if any of them do not already know the language.

(3) That no Clerks in the Judiciary be employed who do not know Hindi besides Urdu.

All concerned may be informed.

3-6-1937. (Sd.) M. C. SHARMA,

Judicial Secretary.

No. 908. Dated the 4th June 1937.

ذیل میں اکاؤنٹنٹ آفس کے ایک مراسلہ کی نقل دی جاتی ہی۔

نمبر مراسلہ —— ×

بخدمت جناب پریسیڈنٹ صاحب میونسپلٹی

مضمون :- کاغذات تقرر و برآمدگی تنخواہ معین الحسن کلرک دفتر پریسیڈنٹ صاحب میونسپلٹی، ۲۱- دسمبر ۱۹۳۶ء

خدمت میں پریسیڈنٹ صاحب میونسپلٹی اطلاع دی جاوے کہ اس بارے میں حکم سری حضور معلیٰ دام اقبالہٗ مورخہ ۱۳- جنوری ۱۹۳۶ء صادر ہوا تھا کہ اندر بجٹ اس کی کارروائی کی جاوے۔

آپ کے محکمے کا بجٹ و صرفہ دیکھا گیا تو بجٹ کے اندر کوئی بچت نہیں ہی۔ اسی وجہ سے اس میں اب تک تامّل رہا۔ اب جب سے آپ بجٹ کے اندر کوئی بچت نکالیں گے اس کا عمل درآمد کیا جاوے گا۔ ۷- اکتوبر ۱۹۳۷ء

(نقل مطابق اصل)

نقل ڈگری از محکمہ ججی دھول پور

نمبر رجسٹر ۸۵ قسم مقدمہ رہن

فیصلہ ۲۲، اکتوبر ۲۳ء

آٹھ	آنہ
راج دھولپور	اشامپ نقل

نام مدعی	نام مدعا علیہم یا ملزمان
پوجاری گنگا پرشاد برہمن سکنہ ماڑی اپیلانٹ	چکھو نابالغ و چندا پسران مٹو بذریعہ سرلادیوی والدہ خود سکنہ مذکور رسپانڈنٹ

اپیل فیصلہ سب ججی مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۲۳ء استقرار مکان قصبہ ماڑی

بعد سماعت اپیل و بحث وکلاء فریقین و ملاحظہ مسل کے حکم ہوا کہ اپیل مع خرچہ منظور فیصلہ عدالت ماتحت منسوخ۔ اگر مدعی چاہے تو تنسیخ نیلام کی باضابطہ نالش کرسکتا ہو

اور دفعہ ۱۴ میعاد سماعت کے مطابق وہ میعاد کا بھی فائدہ اٹھاسکتا ہے۔ صرفہ عدالت ابتدائی جواب دعویٰ ۸ر جواب تنقیح ۸ر وکالت نامہ ۸ر محنتانہ وکیل عہ۵ر سوال ۲ر درخواست ہائے حساب ۶ر طلبانہ طلبی گواہان ۱۲/ر طلبانہ طلبی نقل عہ۲/ر میزان عہ۵ ۱۰/ر تفصیل خرچہ اپیل اسٹامپ اپیل عہ۵ نقل فیصلہ ۱۴ر اسٹامپ فیس ۸ر طلبانہ عہ۲/ر وکالت نامہ ۸ر محنتانہ وکیل عہ۵ درخواست ۸ر طلبانہ طلبی نقل عہ۸ر میزان للعہ۵ ۱۰/ر میزان کل للعہ۵ ۲/ر خرچ مع ڈگری ہے۔ بہ ثبت دستخط ہمارے و عدالت ہذا مرتب ہوئے فقط دستخط بخط انگریزی بابو کنول صاحب ایم۔اے جوڈیشل افسر صاحب بہادر ریاست دھولپور

بقرأۃ	بسماعت
بنواری لعل	حبیب اللہ

نمبر رجسٹر	نام سائل	درخواست	تیاری نقل
۳۲۵/۸۸۳	گنگا پرشاد پوجاری	یکم اپریل سنہ ۱۹۲۴ء	۱۹ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

تاریخ دینے نقل	لفظ	ورق	بنواری لال
۱۹۔ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء	۱۳۴	دو	

دستخط انگریزی ۱۹ ۴/۲۴ ء

مہر عدالت

۴- الور

عام حالات

ریاست الور کی آبادی ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رُو سے سات لاکھ ۴۹ ہزار ۷ سو ۵۱ نفوس پر مشتمل ہے اور مسلم آبادی ایک لاکھ ۹۶ ہزار ۴ سو ۶۰ افراد بتائی گئی ہے لیکن یہاں کے مسلمان اور اہل الرائے اصحاب کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بالکل غلط بتائی گئی ہے اور مسلم آبادی کو دانستہ کم بتایا گیا ہے۔ اس خیال کو زیادہ صاف کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کانفرنس الور کی ایک مطبوعہ رپورٹ کا اقتباس پیش کیا جائے، اس رپورٹ کا نام "جمالی رپورٹ" ہے، جو اس کے مرتب ملک عبدالغفور خاں جمالی سکریٹری کانفرنس کے نام سے منسوب ہے۔ یہ رپورٹ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ہے، اس کے صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے کہ :-

"مردم شماری کے لحاظ سے اگرچہ مسلمان اقلیت میں دکھلائے گئے ہیں۔ لیکن یہ ایک راز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آبادی کے لحاظ سے بھی مسلمانوں کا تناسب اُس اوسط سے کہیں زیادہ ہے جو سرکاری مردم شماری میں دکھلایا گیا ہے۔

سابقہ حکومت کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مسلمان ضرور ایک نہ ایک دن اپنے حقوق ملازمت طلب کرنے کے قابل ہوں گے۔ چنانچہ اس غرض سے کہ اُن کے حقوق کو آسانی کے ساتھ پامال کیا جاسکے، ریاست کی مردم شماری سازش کے ماتحت نہایت غلط طریق پر کی گئی ورنہ ریاست میں ہماری آبادی کسی حالت میں دوسری قوم کے مقابلے میں کمزور نہیں

ہے اور اگر موقع آیا تو اس کا ثبوت بھی دیا جا سکے گا"۔

اسی سلسلے میں اگر ریاست کی ابتدائی تاریخ پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تو مناسب ہوگا۔ ممکن ہے ہمارے مقصد کے لیے بھی مفید ثابت ہو۔ اس ریاست کی بنیاد ایک راجپوت پرتاب سنگھ اور سات مسلمانوں نے مل کر ڈالی تھی اور اس کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ پرتاب سنگھ ریاست جے پور کا ٹھکانہ دار تھا، وہاں سے باغی ہوکر ریاست بھرتپور کی فوج میں ملازم ہوگیا۔ اسی دوران میں بھرتپور کے رئیس نے اپنی ایک قسم کو پورا کرنے کے سلسلے میں آمیر (ریاست جے پور کے قدیم دار الحکومت) پر گولہ باری کا ارادہ کیا۔ ریاست جے پور نے مزاحمت کی اور دونوں ریاستوں میں جنگ چھڑ گئی مگر پرتاب سنگھ نے اس جنگ سے اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ ریاست جے پور کا نمک خوار تھا۔

لڑائی کے خاتمہ پر دونوں فریق کمزور ہوگئے اور پرتاب سنگھ نے مع اپنے سات مسلمان ہمراہیوں کے ہر دو ریاستوں کے تھوڑے تھوڑے علاقے پر قبضہ کرکے اس ریاست (الور) کی بنیاد ڈالی اور آٹھوں برابر کے حصّے دار قرار پائے۔ اپنی موت کے وقت پرتاب سنگھ نے اپنے ساتوں مسلمان دوستوں کو وصیّت کی کہ وہ اس کے بیٹے کا خیال رکھیں۔

جس وقت لارڈ لیک نے شاہ عالم کی جانب سے ریاست الور سے معاہدہ کیا تو چھ مسلمان حصّے داروں نے پرتاب سنگھ کے بیٹے ، بختاور سنگھ کے حق میں دست برداری دے دی اور اپنے آپ کو بختاور سنگھ کا سرپرست قرار دیا مگر ایک حصّے دار محمد بخش نے اپنا حصہ "ڈھائی پرگنہ" علیحدہ کرکے لارڈ لیک سے معاہدہ کیا۔ چنانچہ لوہارو اسی حصّے دار کی ریاست کا نام ہے۔

بختاور سنگھ نے اپنے مسلمان سرپرستوں اور محسنوں کے ساتھ غدّاری کی

اور ماہ رمضان میں ایک روز افطار کے وقت زہر دلوا دیا۔ یہاں یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طویل مدت میں ریاست کا کاروبار فارسی زبان میں ہوتا رہا اور بختاور سنگھ نے بھی فارسی زبان ہی کو پسند کیا۔ چونکہ اب تک ریاست کا انتظام ایک ٹھکانہ یا جاگیر کی طرح کیا جاتا تھا اور حکومت کے کاروبار میں کوئی باقاعدگی یا نظم نہیں تھا۔ اس لیے صرف ایک ہی محکمے میں سارا کاروبار ہوتا تھا اور محکمے کی زبان فارسی تھی۔

مہاراجہ بنے سنگھ کے عہد میں امّو جان دہلوی دیوان ہو کر آئے اور انھوں نے ریاست کا بندوبست کیا اور کاروبار کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کر کے باقاعدگی کے ساتھ کام شروع کیا۔ اب بھی تمام محکموں میں فارسی زبان ہی استعمال ہوتی رہی۔ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۹۱ء کے درمیان یعنی مہاراجہ منگل سنگھ کے عہد میں دفاتر کی زبان اُردو ہوئی اور ۱۹۰۹ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۰۹ء سے بہت پہلے، اُردو دشمنی کے لیئے بدنام زمانہ، الور کے پربھو مہاراجہ جے سنگھ گدّی پر بیٹھ چکے تھے اور خود انھوں نے بھی اُردو زبان ہی کو جاری رکھا اور اس میں کسی قسم کے ردّ و بدل سے کام نہیں لیا۔ نہ معلوم کیا اسباب ہوئے کہ یکایک تمام دفاتر کو اُردو سے ہندی میں کیے جانے کے احکام نافذ کر دیے اور ساتھ ہی یہ پابندی لگا دی گئی کہ ایک ہفتے میں ہندی کی مشق کر لی جائے ورنہ بصورت دیگر ملازمین اپنے آپ کو برطرف سمجھیں۔ اس میں کوئی سبب ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۹۱۰ء کا ہے۔

رعایا کے کسی طبقے نے اس حکم کے خلاف احتجاج نہیں کیا اور جیسے بنا، اس حکم کی تعمیل میں ہندی رسم الخط سے واقفیت حاصل کی۔ البتہ صاحبزادہ حمید الظفر خاں سابق سنیئر منسٹر اور راجہ درجن سنگھ سابق جوڈیشل منسٹر نے دربار گدّی نشینی ۱۹۱۰ء کے موقع پر اس قدر اظہار خیال ضرور کیا تھا کہ مہاراج کے اس حکم کی وجہ

سمجھ میں نہیں آئی ہے۔ اگرچہ حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے، تاہم اندیشہ ہے کہ ہندی کی وجہ سے دفاتر کے کاموں میں ابتری نہ پھیل جائے اور ساتھ ہی کام میں طوالت کا خوف بھی ہے۔ اس کا جواب مہاراج کی طرف سے کچھ اس مفہوم کا تھا کہ رعایا کا فرض ہے کہ وہ تعمیل کرتی رہے۔

ریاست الور کے رئیس اپنی علم پروری اور معارف نوازی کے لیے مشہور رہے ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ بنے سنگھ نے ایک بہت اچھا کتب خانہ قائم کیا۔ غدر کے بعد جب کہ دہلی کے شاہی کتب خانوں کی دولت کوڑیوں کے مول بکتی پھرتی تھی، شرفا اور صاحبانِ فضل و کمال مارے مارے پھرتے تھے تو دیگر رئیسوں کی طرح اس راجہ نے بھی اِن لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دی۔ قلمی مسوّدوں اور پُرانی کتابوں کو تلاش کرا کے اپنے کتب خانے میں محفوظ کر لیا۔ اس زمانے میں فضلا اور علما کا ایسا اچھا مجمع ہو گیا تھا کہ لوگ الور کو دوسری دلّی کہا کرتے تھے۔

ماضیٔ قریب بھی اپنی انھیں باتوں کے لیے مشہور ہے، خود مہاراجہ جے سنگھ کو ہندی سے مطلق لگاؤ نہ تھا، اُردو اور فارسی کے عالموں میں شمار ہوتا تھا۔ شعر و سخن سے خاص دلچسپی تھی اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ شعرا اور علما کی محفلیں گرم رہتی تھیں، جن کو لوگ اب تک یاد کرتے ہیں۔ شاہی کتب خانے میں کتابوں کا اضافہ کیا اور اُردو اور فارسی کی نایاب کتابوں کے قلمی مسوّدے ہزاروں رُپے صرف کر کے اپنے یہاں منگوا کر رکھے، جن کی اصل کاپیاں نہ مل سکیں اُن کی نقلیں حاصل کیں۔ اِن میں سے بعض قلمی نسخوں کے نام اس رپورٹ کے آخر میں درج کیے جاتے ہیں۔

ان حالات کی موجودگی میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ آخر کار وہ کون سے محرّکات تھے جنھوں نے مہاراجہ کو ایک دم اُردو دشمنی پر آمادہ کر دیا، بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد اتنا علم ہو سکا کہ ۱۹۰۹ء یا اس کے لگ بھگ اُردو زبان کے قدیم "دوست"

پنڈت مدن موہن مالویہ یہاں تشریف لائے تھے اور انھوں نے مہاراجہ کو ترغیب دی کہ "ایک ہندو راجہ کا یہی دھرم ہے کہ وہ اپنی مذہبی زبان کو فنا ہونے دے اگر ہماری زبان فنا ہو گئی تو ہم اپنا تمدن، تہذیب اور دیگر قومی خصوصیات سب کھو بیٹھیں گے۔ لہذا مہاراج کو چاہیے کہ اپنی ریاست کے دفاتر میں ہندی کو ترقی دیں۔ اس کوشش میں کچھ اس قدر اثر تھا کہ مہاراجہ نے فوراً ہی ۱۹۱۱ء میں ہندی کے رواج کا حکم دے دیا۔

۱۹۲۱ء تک تو یہ حال رہا کہ اُردو زبان ہندی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی اس کے بعد تو چُن چُن کر ایسے الفاظ کا اخراج ہونے لگا جن میں کچھ بھی اُردو فارسی کی بُو آتی تھی۔ اور ۱۹۲۱ء کے بعد مہاراج گرو، ہنسا سروپ کی تحریک پر تمام دفاتر میں سنسکرت الفاظ کے استعمال کا حکم ہوا۔ ساتھ ہی سنسکرت الفاظ کی ایک ڈکشنری تیار کی گئی، جن سے اُردو کی قانونی مصطلحات اور دفاتر کے اُردو ناموں کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔ گویا ۱۹۲۲ء سے، حامیانِ ہندی نے اپنی دانست میں اُردو کو بالکل مٹا دیا تھا؛ محکموں، سڑکوں، اداروں اور دوسری ضروری چیزوں کے نام سنسکرت میں کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے بعض الفاظ بطور نمونہ آخر میں درج کیے جائیں گے۔

آہستہ آہستہ تمام سرکاری مدارس سے اُردو زبان کی تعلیم اٹھانی شروع کر دی گئی اور ۱۹۲۴ء تک ہائی اسکول الور کے سوا تمام مدارس سے اُردو کا اخراج ہو گیا۔ غرض کہ ہندی کی فوقیت اور برتری کے لیے جو جتن کیے جا سکتے تھے کیے گئے۔ مگر ابھی ایک کمزوری باقی تھی کہ لوگوں کی سینکڑوں برس کی عادت کیسے دور کریں اور انھیں کس طرح مجبور کریں کہ وہ سنسکرت کی نامانوس اصطلاحات کو سمجھنے لگیں اور ساتھ ہی جب ان کی زبان کھلے تو سوائے بھاشا کے اور کوئی زبان استعمال نہ ہو۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اکثر لوگوں کو احکامات کی تعمیل میں دقت پیش آئی تھی اور ان سے دلچسپ خلاف ورزیاں اور غلط فہمیاں عمل میں آیا کرتی تھیں، دفاتر کا کام بڑھ گیا تھا ہر نئے سال پر از سر نو کام شروع کر دیا جاتا تھا اور سابقہ مسلوں اور کاغذات سے شاذ و نادر سروکار رکھا جاتا تھا، عبارت کی طوالت نے یہ صفت عام کر دی تھی اور کثرت سے لوگ مسلوں پر اپنی یادداشت کے لیے نوٹ لکھنے کے لیے مجبور ہو گئے اور یہ نوٹ عموماً اُردو رسم الخط اور زبان میں ہوا کرتے تھے۔ بعض افسر طول طویل مسلوں کا خلاصہ اُردو میں مرتّب کراتے تھے۔ جب کہیں اس قابل ہو سکتے تھے کہ معاملے کو سمجھ سکیں۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری خامیوں کو دُور کرنے کے لیے ایک قدم اور اٹھایا گیا یعنی ۱۹۲۸ء سے ملازمت کے لیے ہندی یعنی سنسکرت کا امتحان پاس کرنا لازمی قرار دے دیا گیا۔ اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی شرط موجودہ ملازمین کے لیے بھی لگا دی گئی تھی۔ جو ملازم اس میں کامیاب نہ ہو اس کی ایک چوتھائی تنخواہ بطور جرمانہ وضع کر لی جاتی تھی اور امتحان پاس کرنے کے بعد اس کی واپسی کا حکم تھا۔ لیکن ایسا بہت کم ہُوا کہ یہ رقم واپس ملی ہو۔ اس امتحان کا شکار اُردو داں عموماً اور مسلمان ملازم خصوصاً ہوئے۔ اس امتحان کے لیے ایک سرکاری بورڈ مقرر کر دیا گیا تھا اور یہ بورڈ سال میں دو مرتبہ امتحان لیا کرتا تھا، یہ امتحان ۱۹۳۰ء تک جاری رہا۔

اسی قسم کی دوسری دل آزاریوں نے، جن کی تفصیل کا یہ کوئی محل نہیں، مسلمانوں کو سیاسی طور پر بہت بددِل کر دیا۔ آخر انھیں اسباب نے مسلمانوں کو ریاست کے خلاف لاکھڑا کیا اور ایک بہت بڑا ہنگامہ برپا ہُوا۔ مہاراجہ معزول کیے گئے اور اُن کی بجائے انگریزی اڈمنسٹریشن نے جگہ لے لی مگر نئی حکومت نے بیچاری اُردو پر اور بھی ستم ڈھائے۔ انگریز پرائم منسٹر پر چند متعصب افسر چھا گئے۔ نام کو انگریزی

حکومت رہی اور اس انگریزی حکومت کے پردے میں، مسلم آزاریوں کی وہی کیفیت رہی جو مسلمانوں کی بے چینی اور اضطراب کا سبب تھیں۔

مہاراجہ کے عہد میں برائے نام ہندی کا امتحان ہوتا تھا اور سیکڑوں ملازم ایک جگہ جمع ہو کر امتحان دیتے تھے۔ ایک دوسرے سے امداد لینے پر کوئی پابندی نہیں تھی، مگر انگریزی انتظام کے ہوتے ہی یعنی سنہ ۱۹۳۴ء سے اس امتحان کی تجدید کی گئی، ان امتحانات کو یونیورسٹی امتحانات کی سی شکل دے دی گئی، نیا بورڈ تشکیل کیا گیا اور اس میں ہندی اور سنسکرت کے ودیاوان پنڈت رکھے گئے۔ امتحانِ خوش خطی کا اضافہ کیا گیا اور نوٹس دے دیا گیا کہ جو شخص تین امتحانات میں ناکام رہے گا اس کو ملازمت سے بالکل علیحدہ کر دیا جائے گا۔ تمام ممتحن ہندو تھے، اور پوری قوت سے کوشش جاری تھی کہ دفاتر سے مسلمانوں کو نکال دیا جائے۔

یہاں کے مسلمان اس امتحان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے اندازہ کے لیے "جمالی رپورٹ" کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، اس کے صفحہ نمبر ۲۹ پر لکھا ہے کہ:

> "ریاست ہذا ہی میں نہیں بلکہ ریاست بھرتپور، گوالیار، جودھپور، کوٹہ، بیکانیر وغیرہ میں دفاتر ہندی میں ہیں، مگر وہاں ملازمین کے لیے ہندی امتحان پاس کرنے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ ریاست ہذا میں ایک مقررہ ہندی امتحان پاس کرنا لازمی رکھا گیا ہے اور ایسا معیار مقرر کیا گیا ہے جو دفتری زبان بننے کے لیے کسی حالت میں بھی اس لیے سود مند نہیں ہو سکتا کہ یہ ریاست کی عام فہم زبان نہیں ہے۔ دفتروں میں وہی زبان کارآمد ہو سکتی ہے جو عام طور سے بولی اور سمجھی جا سکے جس کو حکومت الور نے بھی گزٹ نمبری ۷۸-۲۷؍ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء میں تسلیم کیا ہے کہ "اسکولوں میں طلبا کو ہندی کا صرف اتنا

علم حاصل کرنا ضروری ہو جس سے روز مرہ کی تمام کارروائی عام فہم زبان میں کی جاسکے "۔ لیکن جو امتحان لیا جاتا ہو وہ اس معیار سے کہیں زیادہ ہوتا ہو۔

امتحان، غیر مسلم اصحاب، منتہی سنسکرت عالموں کے ذریعے لیا جاتا ہو جو مسلم لوگوں کو ناکامیاب بنانے میں قریب قریب اپنی قابلیت کو ختم کر دیتے ہیں۔ جبکہ دیگر ریاستوں میں ہندی دفاتر ہوتے ہوئے اس قسم کا امتحان ملازمین کے لیے ضروری نہیں رکھا گیا ہو تو محض اس ریاست میں ایسی .. .. امتحانی سختی کوئی معنی رکھتی ہو اور مسلم ملازمین کو اس کا شکار بنایا جا رہا ہو۔

آپ صاحبان کو معلوم ہو کہ یہ ہندی کا امتحان مہاراجہ صاحب بہادر کے دورِ حکومت میں مقرر کیا گیا تھا اور اس کا منشا یہی تھا کہ اس کے ذریعے مسلمان ریاست کی ملازمتوں سے علیحدہ کیے جا سکیں چنانچہ اس کے اثرات جیسے کچھ برآمد ہوئے اُس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہو کہ ریاست کے تمام دفاتر میں مسلمان خال خال نظر آنے لگے تھے۔

موجودہ دورِ حکومتِ انصاف پسند میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ تمام غیر ضروری باتیں دُور ہو جائیں گی جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں لیکن بدقسمتی سے اب بھی اس نقصان رساں چیز کا خاتمہ نہیں ہو سکا اور اس میں روز بروز اضافہ جاری ہو۔

یہ امتحان مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا زبردست ذریعہ بنا ہُوا ہو جس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہو کہ سررشتہ تعلیم میں امتحان کی بدولت ایک کافی تعداد میں مسلمان ملازمین کو علیحدہ کیے جانے کے

متعلق نوٹس مل چکے ہیں"۔

اس احتجاج کے بعد صرف اس قدر ہؤا کہ بورڈ میں ایک مسلمان ممبر بھی رکھ لیا گیا، لیکن امتحانی سختی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ موجودہ اڈمنسٹریشن میں بھی اس پالیسی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۲ء میں ہی ایک سنسکرت کالج قائم ہو چکا تھا۔ اب ۱۹۳۵ء میں ایک سنسکرت کالج اور کھولا گیا ہے۔ یہ کالج اس رقم سے کھولا گیا ہے جو پُن کے نام سے سرکاری طور پر وصول ہوتی ہے۔ اور یہ پیسہ ہندو اور مسلمانوں سے یکساں وصول ہوتا ہے۔ مفصلات میں ہندی مدارس کھولے جاتے ہیں، اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہندی مدارس اُن مقامات پر کھولے جاتے ہیں جہاں کثرت سے مسلمان آباد ہیں اور ضرورت ہے کہ وہاں اُردو مدارس بھی کھولے جائیں۔ راج رشی کالج میں سنسکرت کی تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ اب کہیں جاکر اُردو کی پڑھائی بھی شروع ہوئی ہے۔

سرکاری طور پر اُردو کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے اور اُردو والوں کو شکایت ہے کہ ہماری ضروریات کے لیے یہ مدارس بالکل ناکافی ہیں۔ خود موجودہ حکومت نے گزٹ نمبر ۱۷ مجریہ جولائی ۱۹۳۲ء میں تسلیم کیا ہے کہ:۔

"مسلمانوں کو اپنی مذہبی معلومات کے لیے اُردو زبان کا پڑھنا بہت ضروری ہے" اسی بنیاد پر مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ مزید مدارس کھولے جائیں تاکہ ہمارے بچے آسانی کے ساتھ اپنی مادری زبان سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مہاراجہ کے عہد حکومت میں مدارس اور سرکاری دفاتر سے اُردو بالکل اٹھ چکی تھی اور یہی نہیں بلکہ اُردو پڑھنا اور دفاتر میں اُردو الفاظ استعمال کرنا جرائم میں شمار ہوتا تھا مگر سننے میں آیا ہے کہ جب وقت مہاراجہ معزول ہوئے ہیں، اس وقت اُنھوں نے انگریز اڈمنسٹریٹر سے کہا تھا کہ مسلمان بچوں کو

مدارس میں اُردو پڑھنے کی اجازت دے دی جائے۔ مگر پانچویں کلاس تک ہندی کو لازمی رکھا جائے، چنانچہ اب تک اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے یعنی پانچویں جماعت تک ہندی لازمی ہے۔

مہاراجہ اور موجودہ حکومت اپنی ہندی نواز پالیسی کے لیے کہاں تک حق بجانب کہی جاسکتی ہے؟ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ ریاست کے دفاتر میں ہمیشہ سے اُردو فارسی کا دور دورہ رہا، مدارس میں اُردو فارسی پڑھائی جاتی رہی۔ تمام ریاست کی مشترکہ زبان اُردو رہی اور کسی زمانے میں الور کی آبادی کو اُردو بولنے اور سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی۔ الور کی تصانیف، باشندے اور وہاں کی علمی مجالس اس کی شاہد ہیں۔ علاوہ اس کے اکثر احکام اور تقریریں اُردو رسم الخط اور زبان میں شائع ہوئی ہیں اور لطف یہ ہے کہ دفاتر میں ہندی کے رواج کے بعد ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ الور کے "سیاسی ہنگامہ" کے دوران میں متعدد احکام اُردو میں شائع ہوئے ہیں ۱۹۳۲ء میں ایک فرمان اُردو میں شائع ہوا اور اس کے بعد پھر ایک ایسا ہی اعلان مسلمانوں کے لیے اُردو میں شائع ہوا۔ ۱۹۳۲ء کے دربار راکھی بندھن میں اپنی رعایا کو اُردو میں مخاطب کیا تھا اور اسی دربار کی کل کارروائی اُردو زبان میں شائع ہوئی ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات اس بات کے مضبوط شاہد ہیں کہ اگر ہندوؤں کو چھوڑ بھی دیا جائے (اگرچہ ان میں بھی معتدبہ تعداد اُردو دانوں کی ہے) تو کم از کم مسلمانوں کی نصف آبادی (مسلمان کل ریاست کی آبادی کے نصف ہیں) کی زبان اُردو کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اُردو کی تعلیم کو جرم قرار دے کر ایک دم دفاتر سے اُردو کو خارج کر دینا سراسر ناانصافی ہے تعصب اور تنگ نظری کے علاوہ دوسرے الفاظ سے اس کو یاد بھی نہیں کیا جا سکتا اور بعض اصحاب کے قول کے مطابق سابقہ بےچینی اور سیاسی انتشار میں لسانی پیچیدگیوں کا بھی بڑا دخل تھا۔ اپنی زبان کو مٹتے اور بگڑتے دیکھ کر لوگ بےچین اور بےقرار ہو گئے تھے۔

انجمن ترقی اُردو نے اپنی اُردو کانفرنس ۱۹۳۶ء میں مختلف مقامات پر اپنی شاخیں کھولنے کی تجویز پاس کی تھی، جس میں الور کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ یہاں مقامی لوگوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی گئی، لوگوں نے آمادگی ظاہر کی اور چاہا کہ فوراً ہی شاخ قائم کردی جائے، لیکن فی الحال اس کا قیام اس لیے عمل میں نہیں لایا گیا کہ یہ شاخ نام کی شاخ ہوتی اور چند مشاعروں کے علاوہ اس کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع نہ ہوتا۔

موجودہ پرائم منسٹر، مسٹر سی۔ جی۔ پرائر ہندی کے حامیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور انھیں اُردو زبان سے مطلق ہمدردی نہیں ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سابقہ بے چینیوں اور فسادات میں سلمانوں کو سب سے بڑی شکایت ریاست سے یہی تھی کہ ریاست خواہ مخواہ زبان اُردو کو مٹانے پر تُلی ہوئی ہے۔ اس لیے اندیشہ تھا کہ اگر اس وقت انجمن کی شاخ یہاں قائم کی گئی تو معلوم نہیں حامیانِ ہندی اس کو پرائم منسٹر کے سامنے کس روشنی میں پیش کریں گے اور اگر تخویف میں آکر مسلمانوں نے اس کام سے ہاتھ کھینچ لیا تو یہ عمل بے نتیجہ ہی رہے گا۔ مسلمان ویسے ہی خوف زدہ ہیں اور نہیں چاہتے کہ آئندہ اغیار کے ہاتھوں دکھ اور تکلیف اٹھائیں۔

انجمن کی شاخ صرف ایک صورت میں قائم ہوسکتی ہے۔ اگر انجمن نے اس پر توجہ دی تو امکان ہے کہ راجپوتانہ میں ایک مضبوط مرکز بن سکے۔ الور میں اس وقت صرف ایک آدمی ایسا ہے جس سے اُردو کی ترقی میں امداد مل سکتی ہے۔ ان صاحب کا نام شبّیر حسن ہے اور یہ اپنے سابقہ عمل، خلوص اور مستعدی کی وجہ سے الور کے لوگوں میں کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں مگر آج کل یہ صاحب معاشی مشکلات میں مبتلا ہیں اور بہت ہی خلاکت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ سابقہ سیاسی ہنگامے میں تباہ ہو گئے، لیکن اب تک ان کی حمیت نے گوارا نہیں

کیا ہو کہ دیگر اصحاب کی طرح حکومتِ وقت سے مل کر اپنی حالت درست کرلیں۔
انجمن چاہے تو بغیر کسی مالی امداد کے بھی یہ کام کر سکتی ہو، اس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہو۔ یہاں ایک مقبرہ ہو جو مقبرہ "فتح جنگ" کے نام سے موسوم ہو۔ عرصے سے ہندو صاحبان اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اسے ہندو عمارت تسلیم کرالیا جائے۔ چنانچہ ہندی اخبار "تیج پرتاب" نے اپنے کئی مضامین میں اس کا مطالبہ کیا کہ اصل میں اس کا نام "فتح سنگھ" ہو اور ایک ہندو راجہ کی چھتری ہو۔

پہلے یہ عمارت کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی، جب یہ جھگڑا چلا تو مسلمانوں کو بھی ہوش آیا اور انھوں نے حکومتِ وقت کو سمجھایا کہ ہندو غلط کہتے ہیں اصل میں یہ مقبرہ ہو اور نواب صاحب حیدر آباد کے خاندان کا کوئی رکن اس میں دفن ہو، کیونکہ اسی خاندان میں خطاب "فتح جنگ" قدیم سے چلا آتا ہو۔ حکومت نے کچھ تو اس دلیل کی معقولیت اور کچھ عمارت کے اسلامی فنِ تعمیر سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے مطالبے کو تسلیم کر لیا۔

جب یہ عمارت مسلمانوں کے ہاتھ آگئی تو انھوں نے اپنے خیال کے مطابق سر عثمان علی خاں والئی دکن کو اس جانب توجہ دلائی اور اس کی دیکھ بھال اور صفائی و روشنی کے لیے درخواستیں روانہ کیں کہ نظام کی جانب سے یہاں ملازم رکھ دیا جائے مگر وہاں سے کچھ جواب نہیں ملا۔ کچھ دنوں اس میں مدرسہ چلتا رہا مگر بعد میں وہ بھی ختم ہو گیا۔

اگر انجمن کوشش کرے اور نظام گورنمنٹ کی جانب سے کچھ امداد مل جائے تو شبّیر حسن صاحب کو ملازم رکھ کر اس میں مدرسہ کھولا جا سکتا ہو اور یہی مدرسہ اردو کی اشاعت کا مرکز بھی ہو گا۔

فی الحال " انجمن ترقی اُردو " کے نام سے کوئی انجمن بنانا زیادہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اگر الور کے لیے یہ بنیادی امداد دے دی گئی تو پیر جانے کے بعد علاقہ میوات کے مسلمان باشندوں کو اُردو کی ترقّی کے لیے آمادہ کیا جا سکتا ہے اور یقیناً بہت تھوڑی مدت میں وہ وقت آ سکتا ہے کہ انجمن کی قائم کی ہوئی یہ شاخ الور کے چپے چپے پر اُردو مکتب کھول سکتی ہے۔ ان مکاتب کے اخراجات بھی خود مقامی لوگ ہی دیں گے مگر یہ سب اُسی وقت ممکن ہے کہ پہلے پیر جانے کا موقع مل جائے۔

اس مقبرے میں بہت کافی گنجائش ہے اور اس کے آس پاس کی زمین اس قابل ہے کہ ایک اوسط درجے کا انسان، باغیچہ لگا کر اپنی معاش بڑی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ جائے وقوع نہایت اچھی ہے۔ اسٹیشن سے بالکل قریب ہے اور شہر یہاں سے تقریباً ایک میل ہے۔ اسٹیشن پر خاصی بستی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ الور میں کچھ مضبوط بنیادوں پر یہی شاخ قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر یوں ہی قائم کر دی جائے گی تو کچھ کام نہیں ہو سکے گا۔ البتہ کہنے کو ہو جائے گا کہ الور میں بھی ایک شاخ قائم ہے۔

سوال نمبر ا

(الف) ۳ لاکھ ۲۴ ہزار ۴ سو ۶۰ نفوس کی مادری زبان اُردو ہے۔

(ب) ۲ لاکھ ۴۴ ہزار ۹ سو ۱۷ نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بھی بولتے ہیں۔

(ج) ۹ ہزار ۴ سو نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔

(د) ایک لاکھ ۶۲ ہزار ۳ سو ۴۷ نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) کل ۸۴ مدارس سرکاری ہیں، ان میں صرف ایک امدادی ہے، جس کو لعہ ماہوار امداد ملتی ہے مگر اس کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔

(ب) ۵۰ پرائمری مداس ہیں، ایک کالج ہے، اس میں اُردو میٹرک تک پڑھائی جاتی ہے۔ ایک مڈل اسکول ہے اور ایک ہائی اسکول ہے۔ ابتدائی تعلیم امدادی مدرسے میں بھی ہو جاتی ہے۔

(ج) سرکاری مدارس میں بورڈ کی جانب سے نصاب مقرر ہے۔ البتہ کبھی کبھی پرائمری مدارس میں محکمۂ تعلیم کی مرضی کو بھی دخل ہو جاتا ہے۔

(د) ۲ ہزار ۲ سو طلبا آج کل اُردو پڑھ رہے ہیں۔

سوال نمبر ۳

کل ریاست میں ۷۰ نجی مکتب ہیں، جن میں قرآن پاک کے ساتھ ساتھ اُردو کی بعض مذہبی ریڈریں پڑھائی جاتی ہیں، ان کی حالت ثپر امید نہیں ہے۔ آج کل ان مکتبوں میں ۴۰۵ طلبا تعلیم پا رہے ہیں۔

سوال نمبر ۴

کل ریاست میں اس میں اس وقت ۶ کتب خانے ایسے ہیں جن میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں، علاوہ اس کے بعض اصحاب کے پاس اُردو کتب کا کافی ذخیرہ ہے۔ لیکن اس سے عام لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

سوال نمبر ۵

کوئی باقاعدہ انجمن نہیں ہے۔ البتہ کالج، اسکول اور جو کرشن کلب میں کبھی کبھی مشاعرے ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے گھروں پر گاہے گاہے مشاعرے کر لیا کرتے ہیں۔ ان میں بھی باقاعدگی یا پابندی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ جب چاہا مشاعرہ کر ڈالا۔ مختصر یہ کہ سال میں ۶ مشاعرے ضرور ہو جاتے ہیں، ان میں بھی بہت محدود تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۶

ایک پریس "رادھا کانت پریس" کے نام سے قائم ہے۔ اس میں تمام کام ہندی میں ہوتا ہے۔ اُردو ٹائپ بھی موجود ہے، تاجر لوگ اپنے اشتہار چھپوا لیا کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۷

ریاست کے گزٹ کی ایک کاپی رپورٹ میں منسلک ہے۔ براہ کرم اسے ملاحظہ کر لیجیے۔

سوال نمبر ۸

انگریزی ایڈمنسٹریشن کے ہونے پر ایک حکم اُردو کے متعلق شائع کر دیا گیا تھا۔ اس کا تذکرہ اس رپورٹ کی ابتدا میں ہے۔

سوال نمبر ۹

(۱) قریہ قریہ میں مدارس کھولے جائیں۔

(۲) لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اخباروں اور رسالوں کو مطالعہ میں رکھیں۔

(۳) حکومت کی ہندی نواز پالیسی کو دُور کیا جائے۔

(۴) مسلمان آبادیوں میں بطور خاص سرکاری مدارس کھلوائے جائیں۔

(۵) میو قوم کے سرداروں کو اُردو زبان کی حمایت پر پوری طرح آمادہ کیا جائے۔

حصّۂ دوم

سوال نمبر ۵ و ۶

ان دونوں سوالات کے جواب یکجا درج کیے جارہے ہیں۔ اس ذیل میں پہلے مطبوعہ اور بعد میں غیر مطبوعہ کتب کا تذکرہ کیا جائے گا۔ غیر مطبوعہ کتابوں میں سے صرف ایسی کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن کے مؤلفین یا مصنّفین کی وجہ سے الور میں اُردو زبان نے فروغ حاصل کیا ہو اور بعض مشکلات کی وجہ سے ان کی کتابیں چھپ نہ سکی ہیں۔ مطبوعہ کتابوں کے سنہ طباعت میں ترتیب سے کام نہیں لیا گیا ہی۔

(۱) "جوہر الایقان فی حفظ الایمان" از مولوی مفتی حکیم عبد الکریم صاحب مرحوم مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی۔ صفحات ۱۲۸۔ سنہ ۱۳۰۹ھ

(۲) "حالاتِ دل گداز معروف بہ سوانح بندہ نواز" مؤلفہ حکیم محمد عمر صاحب فصیح مطبوعہ افضل المطابع، دہلی۔ پہلی اشاعت سنہ ۱۹۰۲ء۔ دوسری اشاعت سنہ ۱۹۰۸ء

(۳) "کلّیاتِ سالک" کلام مرزا قربان علی بیگ صاحب سالک مرحوم مطبوعہ اکمل المطابع دہلی۔ صفحات ۳۸۰۔ سنہ ۱۸۸۰ء

(۴) "مرقع الور" تاریخ ریاست الور، مرتبۂ منشی محمد مخدوم صاحب تھانوی مرحوم۔ مطبوعہ آگرہ اخبار پریس۔ صفحات ۲۲۰۔ سنہ ۱۲۹۰ھ

(۵) "ارژنگ تجارہ" (الور) تجارہ کی اُردو تاریخ۔ مرتبۂ منشی محمد مخدوم صاحب تھانوی مرحوم۔ مطبوعہ آگرہ اخبار پریس۔ صفحات ۱۴۵۔ سنہ ۱۲۹۰ھ

(۶) "دیوانِ شہرت المعروف بہ ارمغانِ احبّا" کلام منشی ہیرالال صاحب

شہرت متوفی۔ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور۔ صفحات ۱۲۱ ۔ سنہ ۱۸۸۷ء

(۷) "دیوانِ فنا" کلام مسٹر جوزف بنسلی فنا مرحوم۔ مطبوعہ کشور ہند پریس میرٹھ سنہ ۱۸۷۱ء

(۸) "دیوانِ آزاد" کلام الگزنڈر ہیڈر لی آزاد عرف ایلک صاحب مرحوم۔ سال رحلت سنہ ۱۸۶۱ء

(۹) "ترجمہ گلستاں اُردو" از منشی گوپال کرشن تحسین۔ متوفی سنہ ۱۳۰۸ھ

(۱۰) "تاریخ دلچسپ" تاریخ ریاست الور، مؤلفہ حاجی میر کفایت علی صاحب مرحوم۔ مطبوعہ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ صفحات ۲۴ ۔ سنہ ۱۸۹۳ء

(۱۱) "منظہر الاسلام فی میلاد النبی علیہ السلام" از حاجی میر کفایت علی صاحب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔ صفحات ۱۰۰ ۔ سنہ ۱۳۰۰ھ

(۱۲) "انشائے جو نرائن" مرتبہ منشی جو نرائن متوفی۔ مطبوعہ مطبع یوسفی۔ الور سنہ ۱۸۸۷ء

(۱۳) "مثنوی اسرار حقائق" از منشی گوپال کرشن صاحب تحسین متوفی۔ مطبوعہ نول کشور پریس۔ لکھنؤ۔ سنہ ۱۹۰۶ء۔

(۱۴) "ہنجارِ سالک" کلام مرزا قربان علی بیگ صاحب سالک مرحوم مطبوعہ مطبع بدر الدجےٰ۔ دہلی۔ صفحات ۱۸۸ ۔ سنہ ۱۲۸۸ھ

(۱۵) "مرآۃ الہند" ہندستان کے فرماں رواؤں کی تاریخ ہے۔ مرتبہ حکیم سید وزیر علی خاں شیدا مرحوم۔ مطبوعہ مطبع منظہر العجائب۔ دہلی۔ صفحات ۸۰ ۔ سنہ ۱۸۵۸ء

(۱۶) "دیوانِ مجروح" کلام میر مہدی حسین مجروح مرحوم۔ طبع شدہ۔ مطبع کا نام اور سنہ طباعت معلوم نہیں ہو سکا۔

(۱۷) "اقلیدس" از مولوی سید محمد دلاور علی صاحب مرحوم۔ اُردو میں بعض مسائل علم ہندسہ کو حل کیا ہے۔ دہلی کے کسی مطبع میں چھپی ہے۔ سنہ تالیف سنہ ۱۸۹۴ء یا سنہ ۱۸۹۵ء ہے۔

(۱۸) "دیوان شور" کلام مسٹر جارج پیش شور مرحوم، مطبع کا نام معلوم نہ ہوسکا صفحات ۲۲۰۔ ۱۸۶۴ء

(۱۹) "انجمن وحشت" انتخاب کلام شعرائے ہند، اس میں مہاراجہ صاحب متوفی کے اشعار بھی موجود ہیں۔ مرتبہ مہاراجہ جے سنگھ والئ ریاست الور۔ متوفی المتخلص بہ وحشت۔ دہلی کے کسی مطبع میں چھپی ہی ۱۹۱۵ء اندازاً۔

(۲۰) "چمن وحشت" دو حصوں میں، شعرائے ہند کا انتخاب، ہندی رسم الخط میں چھپا ہی۔ مُرتبہ مہاراجہ جے سنگھ والئ الور متوفی، المتخلص بہ وحشت۔ مطبوعہ جبلی پریس الور۔ ۱۹۳۳ء

(۲۱) "رسالہ رکن دین" از مولوی رکن الدین صاحب مرحوم، مذہبی عقائد پر ایک کتاب ہی۔ کافی ضخیم ہی اور اس کی کئی اشاعتیں ہوچکی ہیں۔ اور ہندستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہوچکا ہی۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ مولوی صاحب مرحوم، ہندستان کے کثیر لوگوں کے پیر و مرشد تھے اور مریدوں نے اس رسالہ کو کثرت سے چھپوایا ہی۔ اُردو زبان میں سترھواں اڈیشن ۱۳۵۵ھ میں چھپا۔

(۲۲) "توضیح العقائد" مؤلفہ مولوی رُکن الدین صاحب مرحوم۔ مطبوعہ مطبع افضل المطابع، دہلی صفحات ۱۸۰۔ ۱۳۳۲ھ

(۲۳) "اوراقِ غم" واقعاتِ کربلا۔ مؤلفہ مولوی محمد احمد صاحب مرحوم، سابق مفتی ریاست الور عرف "بھیّا"۔ مطبوعہ منظور عام پریس، لاہور۔ صفحات ۴۶۴۔ ۱۳۴۸ھ

(۲۴) "فروغ نبی" مجموعہ اشعار مولوی دیدار علی صاحب مرحوم، مطبوعہ مطبع منظور عام لاہور۔ صفحات ۱۰۸۔ ۱۳۴۸ھ

(۲۵) "تنزیہ الٰی آلہ السبوح ونقصان النجز والقبوح" مذہبی مناظرہ ہی۔

مؤلفہ مولوی عبدالواحد صاحب مرحوم صفحات ۹۶ سنہ ۱۳۲۱ھ

(۲۶) "قطعہ تاریخ انتقال" مہاراجہ جسونت سنگھ کے انتقال پر نظم ہے۔ از مولوی عبدالواحد صاحب مرحوم صفحات ۸ سنہ ۱۹۰۸ء

(۲۷) "روح الصلوٰۃ" مؤلفہ مولوی رکن الدین صاحب مرحوم۔ مطبوعہ تجلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔

(۲۸) "حیات ارشاد" سوانح مولوی ارشاد علی صاحب الوری مرحوم، از مولوی محمد محمود حسن صاحب زیدی۔ مطبع محبوب المطابع، دہلی۔ صفحات ۵۴۔

(۲۹) "دیوان سُنے ہی" کلام پنڈت رام سُنے ہی، سپرنٹنڈنٹ گیراج الور اندازاً سنہ ۱۹۲۶ء میں چھپا ہے۔

(۳۰) "دیوان ذاکر" اس کے متعلق زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۳۱) "دیوان جمالی" کلام قاضی امراؤ علی صاحب جمالی مرحوم۔

(۳۲) "ہدایت الطریق فی بیان التقلید والتحقیق" از مولوی دیدار علی صاحب مرحوم افضل المطابع دہلی۔ صفحات ۱۲۰۔

نوٹ :- مندرجۂ بالا کتب کے علاوہ مولوی مفتی دیدار علی صاحب مرحوم، مولوی عبدالواحد صاحب مرحوم، حکیم محمد عمر صاحب فصیح، مولوی رکن الدین صاحب مرحوم مولوی ارشاد علی صاحب مرحوم، مولوی محمد محمود حسن صاحب زیدی اور مولوی محمد محمود صاحب انصاری نے متعدد رسائل اور پمفلٹ اُردُو زبان میں چھپوا کر شائع کیے ہیں۔ ان میں سے اکثر صاحبان کے یہاں کتابوں کا ذخیرہ ہے اور توقع ہے کہ تلاش کرنے پر بعض مفید کتابیں دستیاب ہوسکیں۔

(۱) ان کتابوں کے علاوہ ایک رسالہ "مسیحائے زماں" کے نام سے تجارہ (الور) سے شائع ہوتا ہے۔ درمیان میں یہ بند ہوگیا تھا۔ جون سنہ ۱۹۳۶ء سے پھر جاری ہوا ہے۔ اس کے

ایڈیٹر قاضی حکیم محمد کرم حسین صاحب ہیں۔ محبوب المطابع دہلی میں طباعت کا انتظام ہے۔

(۲) ایک کتاب "بزم آخر" نامی حکیم سید حامد حسین صاحب کے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۸۸۵ء میں چھپ چکی ہے۔ اور ان صاحب نے اس کے اصلی نسخہ سے نقل کرلیا تھا۔ گویا ان کے پاس قلمی نسخہ ہے۔ بعد میں الور کے سرکاری کتب خانہ میں اس کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی نظر سے گزرا، اس کتاب کے لکھنے والے منشی فیض الدین صاحب مرحوم تھے۔ اس کتاب میں دہلی کے آخری دو بادشاہوں یعنی اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے طریق معاشرت اور حالات پر بحث کی گئی ہے۔

(۳) حکیم محمد حسن صاحب مرحوم الور میں بڑے مشہور عالم گزرے ہیں۔ یہ صاحب منوّر علی خاں آشفتہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کی کتابوں کے مسوّدات موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں مفید ہیں لیکن وہ اب تک چھپ نہیں سکیں۔ لیکن حکیم صاحب مرحوم نے اُردو زبان کو الور میں بہت فروغ دیا ہے۔ اس وقت ان کے صاحب زادے حکیم سید حامد حسین صاحب حیات ہیں۔ بہت ضعیف ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس اپنے قلمی مسودات کے سوا اپنے دادا یعنی منور علی خاں آشفتہ مرحوم کا قلمی دیوان موجود ہے۔ اس کو آشفتہ مرحوم کے ایک شاگرد منشی منّا لال شوق نے بہت خوش خط لکھ کر تیار کیا تھا۔

(۴) راج رشی کالج سے ایک میگزین "وِنے" کے نام سے جاری ہے۔ یہ رسالہ ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا ہے اور بعض اوقات سال میں ایک ہی مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں اُردو کا حصہ بھی ہوتا ہے۔ اُردو کے حصے کو مسٹر پی۔ ایس بھٹناگر پروفیسر فلسفہ و زبانِ اُردو مرتب کرتے ہیں۔ دہلی کے کسی پریس میں اس کی طباعت کا انتظام ہے۔

پُستک سالہ (سرکاری کتب خانہ) کی

بعض قلمی کتابوں کی فہرست

(۱) "اقبال نامۂ بہرامی" از جوشی انندی لال متوفی۔ نثر
(۲) "شاہ نامہ اُردو" نظم ۱۸۲۹ء میں لکھا گیا۔
(۳) "یادگار ریاست الور" از منشی رام سہائے۔ نظم۔ دو جلد۔
(۴) "پھول نامہ" یعنی تاریخ جینید۔ نظم
(۵) "کلّیات سودا"۔ ۱۲۳۲ھ
(۶) "کلّیات جعفر زٹلی"
(۷) "کلّیات جرأت"
(۸) "دیوان میر سوز"
(۹) "دیوان ولی"
(۱۰) "دیوان مومن"
(۱۱) "دیوان جعفر زٹلی"
(۱۲) "دیوان محب"
(۱۳) "بیاض بھجن ہائے کبیر"
(۱۴) "بیاض اشعار اُردو"
(۱۵) "دیوان تصویر"
(۱۶) "زُبدۃ الاخلاق"۔ از حمر حسن صاحب۔ نثر
(۱۷) "انتخاب فسانۂ آزاد" از جوشی انندی لال جی۔

(۱۸) "تقریظ مع فضیحتی" نثر

(۱۹) "قصّہ شاہ روم" نثر

(۲۰) "ہدیۂ الوریہ" از مولوی غضنفر علی صاحب نثر۔

(۲۱) "فرس نامہ منظوم" سعادت یار خاں۔

(۲۲) "زینتِ انجیل" نظم، از مولوی ہدایت اللہ صاحب۔

(۲۳) "جامع الاسرار" نثر۔

(۲۴) "مثنوی مرزا قمر" ۱۸۵۸ء۔

(۲۵) "جوہر جلائے برقی" نثر۔ جواہر لعل۔

(۲۶) "تصوّف کی کتاب" نثر۔

(۲۷) "ناخن سے لکھے ہوئے چند اشعار"

ان قلمی نسخوں کے علاوہ اور نسخے بھی موجود ہیں۔ بعض پرانی مطبوعہ کتابوں کے نام بھی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

(۱) "رسالۂ شمسیہ" ۶ جلدوں میں۔ پنڈت اجودھیا پرشاد، فخر الدین اور نواب شمس الدولہ۔ بخط نسخ چھاپہ حیدر آباد۔ اس کتاب کو اس طرح چھ جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

(۱) جرِّ ثقیل، (۲) علم ہیئت (۳) علم آب (۴) علم ہوا (۵) علم انظار (۶) علم برق مقناطیسی۔

(۲) "دیوان شور" کی چھپی ہوئی دو جلدیں۔

(۳) "دیوان آزاد" عرف ایلک صاحب مرحوم کا ایک قلمی نسخہ۔

ان سنسکرت الفاظ کا نمونہ جن کو الور میں اُردو الفاظ اور مصطلحات کی بجائے رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(۱) گرہ منتری
(۲) سدھات } = وزیر مال

(۳) نیائے منتری
(۴) دھرم راج } = وزیر عدالت

(۵) سینا منتری
(۶) جینت } = وزیر فوج

(۷) سُومنت = پرائم منسٹر
(۸) محکمہ مال = کرہ بھاگ
(۹) عدالت = نیائے بہ بھاگ
(۱۰) محکمۂ فوج = سینا بہ بھاگ
(۱۱) ہوم منسٹر = گرہ منتری
(۱۲) ہوم ڈیپارٹمنٹ = گرہ بہ بھاگ
(۱۳) شکار خانہ = آکھیٹ
(۱۴) محکمۂ تاریخ = اتہاس کاریالہ
(۱۵) سپہ سالار = سیناپتی

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے اجلاس چہل و یکم منعقدہ سنہ ۱۹۲۸ء بمقام اجمیر شریف ایک ریزولیوشن ریاست الور کے متعلق پاس کیا تھا۔ اس کو بجنسہ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ زبان کے مسئلے میں کس قدر ظلم زیادتی سے کام لیا گیا تھا۔

ریزولیوشن نمبر ۳۸

" آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب الور سے درخواست کرتی ہو کہ پرائیویٹ مکتبوں میں قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم کے واسطے آسانیاں پیدا کریں کیوں کہ مسلمانوں کی تعلیم بغیر مذہبی تعلیم کے ناقص رہتی ہو اور ریاست کے مدارس میں فارسی، اُردو اور عربی جاری فرمائیں "

مرزا عبدالقادر بیگ صاحب نے اس ریزولیوشن کو پیش کیا اور یہ فرمایا کہ سرکاری مکاتب میں مذہبی تعلیم کی اجازت نہیں ہو تو کم از کم مسلمانوں کے نجی مکاتب میں تو اجازت دی جائے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہو کہ وہ اپنے مکاتب میں بھی اُردو وغیرہ کی تعلیم نہ دے سکیں۔

الور راج گزٹ

سنکھیا ۱۳۲ اُنسکروار تاریخ ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کھنڈ ۶ ۲۵

ہز ہائی نس گورنمنٹ نے علاقہ دیہات میں ۲۰ ورناکیولر مدرسے جات بہت جلد کھولنا نسچے کیا ہو۔ دیسی امیدواران ہی صرف ماسٹر مقرر کیے جاویں گے اور جو شخص فوراً ہی اسکول کھولنے کے قابل ہو تو اس کو اس کے بارے میں حاکم سررشتہ تعلیم کو درخواست دینا چاہیے۔ درخواست دہندگان یہ ظاہر کریں گے کہ وہ کتنے طلبہ بھرتی کر سکیں گے اور اس موضع کا نام بھی ہونا چاہیے جہاں کہ وہ مدرسے کھولنے کے لیے تیار ہوں۔ درخواستوں کے ساتھ ایک تحریر نمبرداران

وگانو سے مال گذار لوگوں کی جانب سے پیش ہونی چاہیے کہ گانو میں مدرسے کی ضرورت ہی اور بصورت کھولنے مدرسہ ایک بلا کرایہ کا مکان دستیاب ہو سکے گا۔

(۲) جو امیدوران کہ ایسے ابتدائی مدرسہ جات کھولنے میں کامیاب ہوں گے کہ جو سررشتہ تعلیم کے افسر کی ضروریات کو پورا کرتے ہوں تو ان کو ریاست کے سررشتۂ تعلیم میں مستقل آسامی مل جائے گی۔

(۳) پنڈت و مولوی صاحبان سے درخواست ہی کہ وہ عرضی بھیجیں اور ریاست میں تعلیم ورناکیولر (اُردو ہندی) کے پھیلانے میں عام طور پر گورنمنٹ کی مدد کریں۔

ادھی کار انوسار
ایچ، ایف، ڈی، ویلی پرائم منسٹر
ان ہز ہائی نس گورنمنٹ الور

(۴)

مغربی راجپوتانہ ایجنسی

(۱)

بیکانیر

(۲)

جودھپور

(۱) بیکانیر

عام حالات

ریاست بیکانیر کی کل آبادی ۹ لاکھ ۳۶ ہزار ۲ سو ۱۸ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس ریاست کے بعض علاقے پنجاب کی سرحدوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ریاست راجپوتانہ کے ایک کونے میں واقع ہے اور ذرائع آمدورفت کی کمی اور فاصلے کی دوری نے اس علاقے کی زبان، تمدن اور دیگر قومی خصائص کو ایک حد تک بیرونی اثرات سے محفوظ رکھا ہے۔ اگر شمالی ہند کا کوئی باشندہ ملک کے اندرونی حصے میں آجائے تو اُسے کثرت سے ایسے لوگ ملیں گے جو اس کی گفتگو سمجھ تو سکیں گے لیکن اپنے آپ کو سمجھانے میں لاچار و مجبور نظر آئیں گے۔ بعض اوقات شہر میں بھی ایسا ہوتا ہے۔

کرنل سر کیلاش نرائن ہاکسر، آج کل اس ریاست کے وزیر اعظم ہیں۔ انھوں نے ایک نجی گفتگو میں فرمایا کہ "میری مادری زبان اُردو ہے۔ میں اس ریاست میں نو وارد ہی ہوں، حالانکہ مجھے آئے ہوئے چار، پانچ مہینے ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں میں لوگوں کو اپنا مقصد تو سمجھا سکتا ہوں لیکن اُن کی بولی سے محض ناآشنا ہوں۔ یہ لوگ خالص مقامی بولی نہیں بولتے، بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ ہندستانی زبان بولیں پھر بھی بڑی دقت سے ان کی گفتگو سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ صرف کاشت کار یا غیر تعلیم یافتہ اشخاص کا تذکرہ ہے"۔

مہاراجہ بیکانیر کا شمار اُن چند راجاؤں میں ہوتا ہو جن کو اُردو زبان سے ذاتی کاوش ہو، اگرچہ وہ خود بھی نہایت عمدہ اُردو بولتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہو کہ دوسرے والیانِ ریاست کو بھی انھیں راجہ نے ترغیب دلائی ہو کہ دفاتر میں ہندی رائج کی جائے۔ ان حالات میں کرنل ہاکسر کی مندرجہ بالا گفتگو کے بعض مفید اجزا کو ہم اپنے مقصد کی خاطر استعمال نہیں کر سکتے۔ کرنل صاحب سے خواہش بھی کی گئی تھی کہ وہ ان خیالات کی تصدیق کر دیں مگر وہی عذر پیش کر دیا گیا جو ایسے موقعوں پر ہونا چاہیے۔

حالات کی اس نوعیت کے باوجود یہ تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس علاقے میں اُردو کو کوئی ممتاز درجہ حاصل نہیں ہو جیسا راجپوتانہ کی دیگر ریاستوں اور اجمیر کے باشندوں کا خیال ہو۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بیکانیر میں اُردو کا بُرا حال ہو اور اگر وہاں کوئی اس زبان کو سمجھنے والا بھی مل جائے تو بہت غنیمت ہو۔ بیکانیر کی رپورٹ مردم شماری بھی ایک حد تک اس خیال کی تائید کرتی ہو۔ یہ سب کچھ حقیقت کے خلاف ہو۔ اس ریاست کے دفاتر میں بہت کافی عرصے تک اُردو زبان سرکاری اغراض کے لیے استعمال ہوتی رہی ہو۔ مدارس میں اُردو زبان کا معقول انتظام رہا ہو۔ باشندگانِ ریاست نوکری کی خاطر اُردو زبان کو شوق اور محنت سے حاصل کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں آج کل ہندی رسم الخط استعمال ہوتا ہو مگر اس کی عبارت اور زبان پوری طرح غمازی کر رہی ہو کہ یہاں زبان اُردو کو ایک خاص درجہ حاصل رہا ہو۔

۱۸۵۹ء کا یہ واقعہ ہو کہ مہاراجہ بیکانیر نے مرزا غالب سے فرمائش کی کہ وہ ایک "سکہ" (سکے پر کندہ کرنے کے لیے شعر) کہہ دیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ ایک عرضداشت (فارسی زبان میں) ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں بھیجنے کے لیے تیار کر دیں۔ مرزا صاحب نے ایک عرضداشت کا مسودہ تیار کر دیا اور دو "سکے" فارسی میں لکھ کر بیکانیر اپنی ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیے، اس تحریر کی اصل جے پور میں

مولانا اطہر ہاپوڑی کے پاس محفوظ ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اُردو اور فارسی کو بیکانیر میں کیا اہمیت حاصل تھی۔

مہاراجہ بیکانیر کی سالگرہ ۱۹۱۲ء کے موقع پر پنڈت مالوی نے سر دربار درخواست کی تھی کہ " میں بہ حیثیت برہمن بھیک مانگتا ہوں، میری دکشنا یہ ہے کہ اُردو کو ہندی سے تبدیل کر دیا جائے"۔ اس تحریک پر ریاست کے دفاتر سے اُردو زبان کو اُٹھا دیا گیا۔ لیکن چار سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ریاست کے دفاتر میں ابتری پھیل گئی، کاغذی نظام اور تحریری کاروبار درہم برہم ہو گیا اور جب حالات کی یہ کیفیت ناقابل برداشت ہو چکی تو مسٹر رڈکن ہوم منسٹر بیکانیر کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھایا گیا۔ اس کمیشن کے سات ممبر تھے اور یہ سب ہندو تھے۔

اس کمیشن کی رپورٹ کا مفہوم یہ ہے کہ " ہندی دیر میں لکھی جاتی ہے اور کاغذ زیادہ خرچ ہوتا ہے اور ہندی کو لکھنے کے بعد پڑھنے میں دقت ہوتی ہے کیوں کہ صرف رسم الخط تبدیل ہوا ہے، زبان اور عبارت ابھی تک اُردو ہے۔ اہلکار صرف ہندی داں ہیں اور ان کی قابلیت بھی زیادہ نہیں ہے۔ دفاتر میں ابتری کی یہی وجہ ہے"۔

اس رپورٹ کے بعد خیال تھا کہ والیٔ ریاست اُردو زبان کو پھر دفاتر میں رائج کر دیں گے مگر تواری جی ہیڈ ماسٹر ڈونگر کالج نے کچھ اس قسم کا ماحول پیدا کر دیا اور اُدھر مالوی جی کا زور اس انداز سے ہوا کہ یہ تبدیلی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کی مسل سرکاری طور پر مرتّب ہے اور سرکاری محافظ خانے میں موجود ہے۔ کمیشن کی رپورٹ بھی چھپی ہوئی نہیں تھی۔

اسی سلسلے میں ایک روبکار کی عبارت کا آخری جملہ یہ ہے:۔ "ریاست کے معمولی پڑھے لکھوں کی پرورش کے لیے ہندی میں دفتر کا رہنا مناسب معلوم ہوتا ہے"۔ محکمۂ خاص کے ریکارڈ آفس میں یہ مسل بھی موجود ہے۔ اس کمیٹی کے انگریز صدر نے

صاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ " ہندی کی نسبت اُردو بہتر ہے "۔

جب ہندی کے رواج کے احکام ہوئے اور اُردو کو مٹائے جانے کی سازش پر عمل شروع ہوا، اُسی زمانے میں قدرت اسی راجہ اور عمال کے ہاتھوں اُردو کے تحفظ کا انتظام کر رہی تھی۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس ریاست کا شمار اچھی ریاستوں میں نہ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ ذرائع آمد و رفت کی کمی تھی۔ ریاست میں پہنچنے کے لیے ایک کافی فاصلہ طے کرنا اور اسی قسم کی دوسری کمزوریوں نے اس کے مالیہ کو ۲۷ لاکھ سے آگے نہ بڑھنے دیا تھا۔

موجودہ راجہ کے دورِ حکومت میں ہندی کے بڑھائے جانے کے علاوہ دوسری اصلاحات بھی نافذ ہوئیں اور مختلف اسکیموں پر عمل شروع کیا گیا۔ ذرائع آمد و رفت میں اضافہ، ریلوں کی تعمیر، نہروں کے اجرا اور کارخانوں کے قیام نے آمدنی اور تمدن کے اعتبار سے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یعنی اس کی آمدنی ایک کروڑ ۲۷ لاکھ ہو گئی۔ جہاں یہ ہوا، وہاں یہ بھی ہوا کہ ہزاروں خاندان پنجاب سے بیکانیر منتقل ہو گئے۔ سینکڑوں افراد شمالی ہند اور راجپوتانہ کی دیگر ریاستوں کے یہاں برسرِکار ہیں۔ ان کے میل جول سے یہاں کی مقامی بولیاں ختم ہو رہی ہیں اور ٹھیک ٹھیک ایک مشترکہ اور باہمی زبان پیدا ہو رہی ہے۔ یہ زبان نہ صرف اُردو سے قریب تر ہے بلکہ اُردو کی جڑوں کو مضبوط کر رہی ہے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ۱۹۲۸ء میں منشی امیر الدین خاں صاحب نے راجپوتانہ کے مسلمانوں کے متعلق ایک رپورٹ پیش کی تھی، اس رپورٹ کے صفحہ ۱۳ پر وہ لکھتے ہیں :-

" یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنڈت مدن موہن مالویہ کے خاص تعلقات مہاراجہ بیکانیر سے ہیں۔ اور پنڈت جی کی ہی ایک خاص ذات کا

اثر تھا کہ ۱۹۱۱ء سے ریاست میں اُردو کی بجائے ہندی زبان قرار دے دی گئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تبدیلی زبان میں پنڈت جی کی کوششیں ضرور شامل ہیں۔ اور ریاست میں قدیم سے اُردو ہی میں کام ہوتا چلا آتا ہے۔ علاوہ اس کے مہاراجہ کو تاریخ بیکانیر لکھوانے کا شوق پیدا ہوا تو اُردو زبان ہی کو ترجیح دی گئی۔ اگرچہ یہ کتاب پبلک میں نہیں آئی اور کسی خاص وجہ سے اس کو شائع نہیں کیا گیا لیکن اس کی کاپیاں گورنمنٹ پریس بیکانیر میں موجود ہیں۔ خود مہاراجہ کا ذاتی کتب خانہ بہت قیمتی ہے اور اس میں قدیم اور قلمی نسخے موجود ہیں۔

پہلے یہاں انجمن ترقی اُردو کی شاخ بھی تھی اور مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے۔ مگر اب مشاعرے اوّل تو منعقد ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو ان میں عوام شرکت نہیں کر سکتے۔ انجمن کی شاخ کی یہ صورت تھی کہ درگاہ نوگزہ میں ایک لائبریری قائم تھی، اس لائبریری کا الحاق انجمن سے کر لیا گیا تھا۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ چندہ ختم ہونے پر یا کسی اور صورت میں انجمن کی جانب سے کوئی اطلاع نہیں آئی اور یہ الحاق بھی ختم ہو گیا اور ساتھ ہی لائبریری بھی ختم ہو گئی۔

مدارس میں اُردو تعلیم کا بہت کم انتظام ہے۔ ڈونگر کالج میں سنسکرت اور ہندی کا انتظام تو ہے مگر اُردو اور فارسی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بعض اساتذہ نے ڈائرکٹر تعلیمات کو توجہ بھی دلائی، شنوائی نہیں ہوئی۔ صرف ایک مدرسہ ایسا ہے جس کو سرکار سے امداد دی جاتی ہے اور اس میں اُردو کی تعلیم بھی ہوتی ہے اور یہ مولوی نذیر علی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

سوال نمبر ا

(الف) ایک لاکھ ۶۷ ہزار ۵ سو ۸۹ نفوس کی مادری زبان اُردو ہی۔
(ب) ایک لاکھ ۳ ہزار ۵ سو ۲۳ نفوس مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں۔
(ج) پانچ ہزار نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔
(د) ۴ لاکھ ۶۵ ہزار ایک سو چھ نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) تین مدارس ہیں۔ ان میں ایک مدرسہ امدادی ہی۔
(ب) ایک ہائی اسکول ہی۔ دوسرا مڈل اسکول ہی اور تیسرا ایک مکتب ہی جس میں قرآن شریف کی تعلیم کے علاوہ اُردو بھی پڑھائی جاتی ہی
(ج) ہائی اسکول اور مڈل اسکول میں اجمیر بورڈ کے مطابق کورس ہی اور تیسرے مدرسے میں مُدرّسوں کی مرضی پر منحصر ہی اور وہی نصاب مقرر کرتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اس مدرسے کا نصاب مناسب ہی۔
(د) طلبہ کی مجموعی تعداد جو اُردو پڑھتے ہیں۔ ۴۲۰ ہی۔

سوال نمبر ۳

اُردو کا کوئی مکتب نہیں ہی۔ قرآن خوانی کا مکتب تقریباً ہر مسجد میں ہی صرف ایک مدرسے میں اُردو بھی پڑھائی جاتی ہی اور اس میں پچاس طالب علم اُردو بھی پڑھ رہے ہیں۔

سوال نمبر ۵

تقریباً ۳ کتب خانے ہیں۔ ان میں سے ایک سرکاری کتب خانہ ہے اور اس میں صرف پرانی کتابیں ہیں، نئی کتابیں نہیں منگائی جاتی ہیں؛ بقیہ دو کتب خانوں میں اُردو کتابیں بھی موجود ہیں۔

سوال نمبر ۶

سرکاری مطبع ہے اس میں سرکاری کاغذات اور گزٹ چھپتے ہیں۔ گزٹ میں اُردو کا حصہ نہیں ہے۔ حال ہی میں اس مطبع نے حیدرآباد کے ٹائپ پریس کی مشین منگائی ہے، تاکہ امتحانات کے پرچے اور دوسری ضروری چیزیں طبع ہو سکیں۔

سوال نمبر ۷

۱۹۱۲ء میں ریاستی دفاتر میں رسم الخط ہندی کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اُردو زبان اور اُردو رسم الخط ہوتا تھا، چنانچہ اُردو اور ہندی تحریرات کی ایک ایک مصدقہ نقل شامل کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ سے اندازہ ہوگا کہ زبان اُردو کس حد تک استعمال ہو رہی ہے۔

سوال نمبر ۹

(۱) ڈونگر کالج میں اُردو فارسی کا انتظام کرایا جائے۔

(۲) ریاست سے درخواست کر کے اُردو مدارس کا اضافہ کرایا جائے۔

(۳) مشاعروں کو عام کر کے اُن کو بار بار اور جلدی جلدی منعقد کیا جائے۔

(۴) چھوٹی قوموں میں اُردو کی نشر و اشاعت کی جائے۔
(۵) قصے، کہانیاں اور مذہبی افسانے، رسائل کی شکل میں کثیر تعداد میں چھاپ کر مفت تقسیم کیے جائیں۔

حصّۂ دوم

سوال نمبر ۲

یقیناً شوق ہو اور اچھی نظر سے دیکھتے ہیں، چنانچہ اس وقت ۶ سکھ لڑکے اُردو زبان میں میٹرک کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے علوم مشرقیہ کے امتحانات پاس کرنے کا ذوق بھی یہ بتاتا ہو کہ اُردو سے شوق ضرور پایا جاتا ہو لیکن معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجبور رہتی ہیں۔

سوال نمبر ۵ و ۶

(۱) قدیم زمانے کے کوئی مصنّف یا شاعر ہمیں یہاں نہیں ملتے۔ البتہ بعض ایسے لوگ ضرور موجود ہیں جو کافی عرصے سے بیکانیر میں رہتے ہیں جو شعر و شاعری کے ذریعے اُردو کی خدمت کرتے ہیں یا لوگوں کو شوق دلاتے ہیں اور ان میں سے بہت سے بقید حیات ہیں۔ مثلاً:۔

(۱)۔ مولوی حاجی شیخ محمد ابراہیم صاحب آزاد
(۲) منشی محمد عبداللہ صاحب بی، اے المتخلص بہ بیدل، ڈسٹرکٹ جج بیکانیر۔
(۳) حاجی محمد یوسف صاحب راسخ، سیکنڈ مولوی سادول ہائی سکول۔

(۴) مولوی بادشاہ حسین صاحب رعناؔ لکھنوی، ہیڈ مولوی سادول ہائی سکول
(۵) منشی سوہن لال صاحب سابق افسر مال و ممبر کونسل بیکانیر۔
(۲) اگرچہ یہ کتاب شائع نہیں ہوئی اور لوگوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا مگر سب سے قدیم کتاب اسی کو شمار کیا جانا چاہیے۔ یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپی ہے۔ پوری کتاب ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر ۷

(۱) مولوی بادشاہ حسن صاحب رعناؔ
(۲) حاجی محمد یوسف صاحب راسخؔ
(۳) جناب منشی مولوی محمد عبداللہ صاحب صوفی عرف امیر دولھا۔

(نقل مطابق اصل)

اپیل کورٹ راج سری بیکانیر ۳۱ راگست ۱۹۰۱ء

مہر عدالت

سارٹیفکٹ

سید نظیر علی مختار کو ہم نومبر ۱۸۹۶ء سے جانتے ہیں ان کا چال چلن بہت اچھا ہے۔ کارروائی عدالت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اور مقدمات جوڈیشل میں اپنے موکل کی طرف سے نہایت عمدگی اور دیانت داری کے ساتھ پیروی کرتے

ہیں۔ ہم نے آج تک سید نظیر علی کی نسبت کوئی شکایت نہیں سُنی۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ غالباً کل حکّام عدالت ہائے راج سید نظیر علی کی کارروائی سے رضامند ہیں اور یہ قانون بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ ہم ایسے شخص کو سارٹیفکٹ ہرگز نہیں دیتے جس کے چال چلن میں دھبہ ہو۔ چونکہ سید نظیر علی ہمارے تجربہ کے مطابق اپنے پیشہ میں بہمہ صفت موصوف ہیں یہ سارٹیفکٹ حسب درخواست سید نظیر علی ان کو دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ حکّام علاقہ غیر سے مل کر اپنے پیشہ میں فائدہ اٹھاویں۔

ایک نقل اس کی آرڈر بک میں درج کی جاوے۔ اور یہ اصل سارٹیفکٹ سید نظیر علی کو دیا جاوے فقط

دستخط انگریزی

(ہندی عبارت از دو رسم خط میں)

عدالت ہائی کورٹ راج سری بیکانیر تجویز نرٹھات

تجویز عدالت میاں احسان الحق صاحب بی۔اے بارایٹ لا چیف جسٹس ورلائے بہادر پنڈت ڈی رام ناناوتی صاحب بی۔اے، ایل ایل۔بی جسٹس

تاریخ ۲۳-۱۱-۱۹۳۷

مقدمہ نمبر ۱۲۲

صیغہ وبھاگ

اپیل دیوانی

مہر عدالت

ٹھاکر چندر سنگھ جی خلف ٹھاکر اگر سنگھ جی تعظیمی سردار ٹھکانا کن واری
تحصیل رسن گڑھ   اپیلانٹ

بنام

پیتھ سنگھ ولد جھڑ سنگھ .. .. .. حصہ دار گانو لونگھ رسپانڈنٹ

اپیل   تجویز عدالت ڈسٹرکٹ جج   تاریخ ۱۷-۷-۳۷

رسپانڈنٹ کی اپیل

اس مقدمہ میں چندو سنگھ جی پودار کن واری مدعی اپیلانٹ کا دعوے بابت دلانے بقایا رقم ۶/ر ۶ پائی و رسد ۱۲ر و عصر رقم جملہ ۴ر ۶ پائی کا اس بیان سے تھا - پیتھ سنگھ مدعا علیہ رسپانڈنٹ ان کا ... ہی اور موضع میں ایک حصہ کا بھاگی ہی - پیتھ سنگھ نے اپروکت رقم ٹھکان میں وقت پر داخل نہیں کیا - اس لیے دلائی جائے - .. .. .. ۳۷-۴-۳ کا ڈگری شدہ اور ڈسٹرکٹ جج رسن گڑھ سے مدعا علیہم کو للعہ ر سود کا دعویٰ خارج کیا گیا - جس سے یہ .. .. .. ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہی سنہ ۱۹۳۵ء میں ٹھاکر لاکھمن سنگھ بنام لونیا میں عدالت عالیہ کمیٹی نے عہ ر فی آدمی رسد دلایا تھا - دیکھو .. .. تھا رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۶ - قابل وکیل اپیلانٹ یہ ملتے ہیں کہ اگر یہ رقم وقت پر ادا نہ ہوگی ان کو راج میں عہ ر سود دینا پڑے گا - پھر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ۶ ریسنکڑہ سود کیسے پائے گا - ہمارے نزدیک فیصلہ عدالت اپیل بجال ہی اور اس میں کسی .. .. نہیں ہوتی - اس لئے ہم اپیل کا خرچہ نامنظور کرتے ہیں -

دستخط میاں احسان الحق جی صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا چیف جسٹس ۳۷-۱۱-۲۳
دستخط رائے بہادر ڈی - رام ر ناناوتی جی .بی - اے ، ایل ایل - بی جسٹس ۳۷-۱۱-۲۳

مقابلہ کیا گیا۔

سوال تصفیہ مدعا علیہم اپیل میں صرف یہی ہے کہ سود عہ رسینکڑہ ملنا چاہیے جو عدالت ماتحت نے اپیل اوّل میں دکھایا ہے یا ۶ر سیکڑہ۔ قابل اپیلانٹ نے ہماری توجہ محکمہ عالیہ کونسل کے فیصلے تاریخ ۳۲-۳-۲۴ پر دکھایا ہے۔ یہ فیصلہ بہت پُرانا ہے اور قانون راج کی دفعہ ۲۱ کی ترمیم سے پہلے کا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی لحاظ اس مقدمے پر نہیں ہے۔ دوسرے یہ نقل ۱۹۔ مئی ۱۹۱۲ء کی ہے جس میں ۶ر فی صدی سود دلایا ہے۔ لہٰذا یہ حکم خاص صادر کیا گیا ہے جو اس معاملہ پر لاگو ہے۔

---

(۲) جودھ پوُر

عام حالات

ریاست جودھ پوُر ، راجپوتانہ میں مغربی راجپوتانہ رزیڈنسی کی ایک بہت بڑی ریاست ہے۔ اس ریاست کو " مارواڑ " کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں پورے راجپوتانہ کا نصف حصہ اس ریاست کے حدود میں شامل تھا لیکن اب اس میں کمی ہوگئی ہے۔

جودھ پور میں اُردو کا چلن بہت قدیم ہے۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ محل نہیں، البتہ اجمالی طور پر اتنا کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ مختلف زمانوں میں اس ریاست پر مسلمان بادشاہ حملے کرتے رہے ہیں اور مہاراجہ جسونت سنگھ اوّل کے انتقال کے بعد کامل تیس برس تک شہنشاہ اورنگ زیب کا قبضہ رہا ہے، سندھ اور شمالی ہندُستان کے سینکڑوں مسلمان خاندان یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان خاندانوں کے فاضل اور عالم اصحاب نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، صدیوں تک یہ ریاست تجارتی مرکز بنی رہی ہے اور نہ صرف ہندُستان اور کشمیر کے سوداگر یہاں آتے رہے بلکہ یورپ ، افریقہ ، ایران اور عرب کے تاجروں کے لیے بھی تجارتی جاذبیت کا باعث بنی رہی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ایسے حالات نے قوموں کے رسم ورواج اور تمدن ومعاشرت تک کو بدل ڈالا ہے تو پھر زبان توسب سے پہلی چیز ہے جو اس قسم کے اثرات کو

قبول کرتی ہے اور اس میں رفتہ رفتہ تبدیلی شروع ہوتی ہے۔ پس جودھپور میں مقامی اور بیرونی باشندوں کے میل جول اور باہمی ارتباط نے مقامی بولی کو متاثر کرنا شروع کیا۔ نو واردوں کی اکثریت کی زبان فارسی تھی۔ گویا مقامی بولی میں رفتہ رفتہ فارسی نے اثر کرنا شروع کیا، درس وتدریس نے اس عمل کو قوت پہنچائی اور سرکاری کاروبار کے بعض شعبوں میں اس کے استعمال نے اس کی بنیادوں کو اور بھی مضبوط کر دیا۔

عربی، فارسی، مارواڑی اور دیگر زبانوں کی آمیزش سے بتدریج ایک مشترکہ زبان بننا شروع ہوئی، اس کو راجستانی یا ہندستانی کہیے یا اُردو! بہر حال یہ ایک مشترکہ زبان کہلائی جانے کی مستحق ہے۔ اس نے لوگوں کو اپنی اہمیت کا احساس دلایا۔ باہمی تبادلۂ خیالات میں آسانیاں فراہم کیں، پھر چونکہ حکومت کے کاروبار میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور تمدن اور سماج کی آئے دن کی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے مقامی بولی کا لفظی ذخیرہ کافی نہ تھا، اس لیے حکومت کو ایک وسیع اور ہمہ گیر زبان کی ضرورت تھی، ادھر فارسی کی بلندی تک عوام کا پہنچنا مشکل تھا اس لیے اُردو زبان سرکاری اغراض کے لیے استعمال کی جانے لگی۔

اوپر کے واقعات کو کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ حقیقت ہے کہ آج سے ۴۰-۴۵ برس پہلے سرکاری دفاتر میں اُردو زبان استعمال ہوتی تھی، زبان کے ساتھ رسم الخط بھی اُردو ہی تھا۔ اس کے بعد رسم الخط مارواڑی اور پھر ہندی کیا گیا اور پھر یہ نہیں کہ کچھ عرصے تک ایسا ہوا، بلکہ کافی زمانے تک اُردو رائج رہی۔

اُردو کے رواج کے مندرجۂ بالا اسباب کو ماننے میں اس لیے تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دیہاتی آبادی کی اکثریت نہ صرف اُردو بولتی اور سمجھتی ہے بلکہ وہ اُردو بولنے کو اچھا بھی سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ

اچھی سے اچھی اُردو بول سکیں۔

جودھ پور کے باشندوں میں اُردو زبان کی قدر و قیمت کا اندازہ ایک ضرب المثل سے ہوگا جو اُن میں رائج ہے۔ اُن کو کہتے ہوئے سُنا گیا ہے کہ:-

اگر مگر کے سولہ آنے، اِکرڈم ٹکرڈم بارہ

اُٹھے کٹھے کے آٹھ آنے، سوں ساں پیسہ چار

یعنی زبان اُردو کی قیمت سولہ آنے ہے، مرہٹی بارہ آنے، مارواڑی آٹھ آنے اور گجراتی چار پیسے کے برابر ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ یہ مثل شمالی ہند کے باشندوں کی جوڑی ہوئی ہے۔ مارواڑیوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اوّل تو ایسا ہی نہیں اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس مثل کی اہمیت کسی طرح کم نہیں ہوتی، چونکہ آج مارواڑی سماج اسے اپنا کر کے استعمال کر رہا ہے۔ رپورٹ مردم شماری ۱۹۱۱ء کے حصۂ اوّل کے بعض اقتبا سات اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں مختلف شکلوں سے اس کی تصدیق کی گئی ہے کہ مارواڑی لوگ اُردو بولتے ہیں اور اسے پسند بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۶۶ پر لکھا ہے کہ:-

"قصباتی اور شہری آبادیوں میں ہندستانی یا اُردو بولنے کا زبردست میلان پایا جاتا ہے اور مارواڑی بولی رفتہ رفتہ فنا ہو رہی ہے۔ تعلیم یافتہ مارواڑی اور خصوصاً مارواڑی عہدہ دار، باہمی گفتگو میں مارواڑی کی بجائے اُردو استعمال کرتے ہیں۔ خالص ہندستانی یا اُردو تو یقیناً کمیاب ہے مگر ملی جُلی ہندستانی اور اُردو عام طور پر بولی جاتی ہے"۔

اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھتے ہیں!-

"دیہاتی آبادیوں میں عموماً خالص مارواڑی بولی جاتی ہے لیکن

دیہاتی جب کسی مارواڑی افسر سے گفتگو کرتے ہیں تو بگڑی ہوئی اُردو بولتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب کوئی مارواڑی افسر خوف زدہ دیہاتی سے گفتگو کر رہا ہو تو وہ اپنی گفتگو کو "اگر مگر" کے میل جول سے (یعنی فارسی اور اُردو کے اچھے الفاظ استعمال کرکے) خوشنما اور خوبصورت بنائے گا"۔

اس سے ہمیں اتنا تو معلوم ہی ہوتا ہے کہ مارواڑ میں زبان اُردو کسی نہ کسی شکل میں ضرور بولی جاتی ہے۔ مندرجہ بالا اقتباسات اُردو زبان کی اہمیت کا سرکاری اعتراف ہے لیکن اسی رپورٹ کے اعداد وشمار کی دیکھ بھال سے ہمیں ایک عجیب تضاد محسوس ہوتا ہے۔

ریاست جودھپور کی مجموعی آبادی مردم شماری ۱۹۳۱ء کی رُو سے ۲۱ لاکھ ۲۵ ہزار ۹ سو ۸۲ نفوس پر مشتمل ہے لیکن اس پوری آبادی میں اُردو بولنے والے صرف ۱۶۸ نفوس ہیں اور ۱۹۲۱ء میں یہ تعداد ۱۳۵ ہی دکھائی گئی ہے۔ اعداد و واقعات کا یہ کس قدر کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اگر صرف مسلمان آبادی کو ہی اُردو بولنے والوں میں شمار کرلیا جائے، تب بھی ایک لاکھ ۷۶ ہزار ۸ سو ۶۳ افراد کی مادری زبان اُردو ہونا چاہیے۔ پھر یہ نامناسب طرزِ عمل اور اُردو زبان کی دشمنی کچھ جودھپور کے لیے مخصوص نہیں۔ اس ذیل میں کم وبیش سب ریاستیں ملوث ہیں۔ اور ریاستی آبادیوں کو جب تک خاص ہدایات نہ دی جائیں اس کا انسداد غیر ممکن ہے۔

اِدھر تو اس طرح اُردو زبان کا گلا گھونٹا جاتا رہا، دوسری طرف اُسے سرکاری دربار سے اٹھائے جانے کی سازشیں کی جاتی رہیں اور یہ سازشیں کچھ اس طرح عمل میں لائی گئیں کہ آج جودھپور کے باشندے بھی صاف اور قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ اُردو کو دفاتر سے کیوں نکال دیا گیا۔

کہا یہ جاتا ہے کہ سر پرتاب سنگھ سابق مصاحب اعلیٰ ریاست جودھ پور کی خدمت میں ایک حسابی تحریر پیش کی گئی، اس میں کسی جگہ فقرہ "ظروف گلی" بھی لکھا ہوا تھا۔ سر پرتاب نے اس کو نہ سمجھ کر پیشکار سے سوال کیا کہ "جروف گلی کائیں ہووے" اس پر جواب ملا کہ اتنے بڑے افسر ہو کر آپ کی سمجھ میں یہ فقرہ نہ آنا تعجب کی بات ہے۔ بس اس سے خفا ہو کر انھوں نے دفتروں سے اُردو کے اٹھائے جانے کا حکم دیا۔

حکم کا مفہوم یہ تھا کہ آئندہ سے ہر کاغذ مارواڑی زبان اور مارواڑی رسم الخط میں لکھا جائے۔ کوی راج مُراردان کو جو ممبر کونسل بھی تھے، حکم ملا کہ پندرہ روز میں اُن ملازمین کا امتحان لیا جائے اور جو مارواڑی نہ سیکھے اس کو علیحدہ کر دیا جائے چنانچہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ منشی محمد حسین صاحب اہلکار عدالت دیوانی مارواڑی نہ سیکھنے ہی پر علیحدہ ہوئے تھے۔ یہ واقعہ ستمبر ۱۹۳۲ء کے بعد کا بتایا جاتا ہے۔

سر پرتاب، سابق والیٔ جودھ پور کے بھائی تھے، اُنھوں نے باقاعدہ تعلیم کہیں نہیں پائی تھی اور ایسا زیادہ پڑھا لکھا بھی نہ تھا۔ ان کا شمار فوج کے ممتاز سرداروں میں ہوا کرتا تھا۔ مزاج کے بہت اکھڑ تھے۔ ابتدا میں یہ خان بہادر نواب فیض اللہ خاں سابق مصاحب اعلیٰ سے رنجیدہ ہو کر جے پور چلے گئے تھے۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں مہاراج رام سنگھ سابق والیٔ جے پور کی سفارش پر سر پرتاب جودھ پور کے مصاحب اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس عہد میں سر سکھ دیو پرشاد جوڈیشل سکریٹری مقرر ہوئے۔

سر پرتاب کے آخر زمانہ میں (یعنی مہاراجہ جسونت سنگھ کا عہد) سر سکھ دیو پرشاد کونسل کے ممبر ہوئے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بہت متعصب تھے اور ان کے تعصب کا حال اس وقت اور بھی کھل گیا، جب مہاراجہ سردار سنگھ کے عہد میں یہ

بااختیار مصاحب اعلیٰ ہوئے، انھوں نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں سے ہٹانا شروع کیا اور بعض مسلم خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں اُردو کو سرکاری دفاتر سے ہٹایا گیا ہو، اس وقت سر سکھ دیو کونسل کے ممبر تھے اور انھوں نے "ظروفِ گلی" کی آڑ میں سر پرتاب کی ضدی طبیعت سے فائدہ اٹھا کر اُردو کو نقصان پہنچایا۔

جودھ پور کے ایک معزز اور تعلیم یافتہ صاحب کا بیان ہو کہ آج سے ۴۰ سال پہلے دفاتر میں اُردو رائج تھی۔ سر پرتاب نے جو اُن پڑھ تھے ہندی رائج کی، لوگ اُن کو سخت متعصب بتلاتے ہیں مگر یہ غلط ہو۔ اُن کی نسبت لوگوں نے یہ رائے اس وجہ سے قائم کی کہ انھیں مسلمانوں کے چند مقامی خاندانوں سے ذاتی نفرت تھی۔ اُن کے مزاج اور طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ نہ کسی سے خوش ہوتے دیر لگتی تھی اور نہ رنج پیدا ہونے میں تاخیر ہوتی تھی۔

وہ سوامی دیانند کے متبع تھے، سوامی جی سر پرتاب کی دعوت پر جودھ پور آئے تھے، شبہہ ہو سکتا ہو کہ اُردو کو نقصان پہنچانے میں سوامی جی کا ہاتھ ہو، مگر حقیقت اس کے خلاف ہو۔ یعنی سوامی دیانند کے چلے جانے کے بعد اُردو یہاں سے ہٹائی گئی ہو۔ جس زمانے میں سر پرتاب نے ہندی کی تحریک کی اُس زمانے میں اُنھوں نے کھادی پہننے کے احکام بھی جاری کیے تھے۔

پنڈت مدن موہن مالویہ، بنارس یونیورسٹی کے لیے چندہ حاصل کرنے، یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔ آخری مرتبہ ۱۹۳۶ء میں آئے تھے۔ بعض پبلک جلسوں میں تقریریں بھی کرائی گئیں۔ کئی بار لاکھوں رُپے ہندو یونیورسٹی کے لیے یہاں سے لے گئے۔

مندرجہ بالا بیانات سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہو کہ سر پرتاب کے ہی

حکم سے اُردو کی بجائے مارواڑی کی گئی اور رفتہ رفتہ مارواڑی رسم الخط ہندی رسم الخط میں تبدیل ہوگیا اور یہ کہ تنہا ایک شخص کی خواہش پر یہ تبدیلی عمل میں نہیں آئی بلکہ سوامی دیانند سے لے کر پنڈت مالوی تک سب لوگ اس سازش میں شریک تھے اور بتدریج اُردو کا دیس نکالا گیا ہے۔

جس زمانے میں اُردو ہٹائی گئی اُس کا صحیح سنہ اور تاریخ تو معلوم نہ ہو سکا لیکن اندازاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالباً وہ زمانہ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ ہو گا۔

اس حکم کی ابتدا میں سرکاری عہدہ دار حکم کی مطابقت میں زبان اور رسم الخط دونوں مارواڑی استعمال کرتے رہے، لیکن جیسا کہ اس رپورٹ کی ابتدا میں کہا جا چکا ہے کہ مارواڑی بولی کی لغت اور ذخیرۂ الفاظ میں اتنی سکت اور وسعت نہ تھی کہ وہ سرکاری اور سوسائٹی کی آئے دن کی ضروریات کا ساتھ دے سکیں اس لیے زبان تو اُردو ہی استعمال ہوتی رہی مگر رسم الخط مارواڑی ہی رہا۔ مارواڑی رسم الخط اس قسم کا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لیے بڑی مشق اور مہارت کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے سرکاری تحریروں میں غلطیاں ہونے لگیں اور مجبوراً وقتاً فوقتاً افسران کو اس کے متعلق ہدایات دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہدایات کے باوجود اصل شکایت دور نہ ہو سکی۔ اس لیے مارواڑی رسم الخط کی بجائے ہندی یا دیوناگری رسم الخط اختیار کر لیا گیا۔ پھر بھی بعض افسران اب تک ایسے موجود ہیں جو پرانے ڈھرے پر چلتے ہیں، چنانچہ متعدد بار اس کے متعلق سخت احکام دینا پڑے جیسا کہ ایک حکم کی نقل سے معلوم ہو گا۔ ریاست جودھ پور کے موجودہ چیف منسٹر مسٹر ڈی۔ ایم۔ فیلڈ نے ۸ر فروری ۱۹۳۸ء کو ایک سرکولر نکالا جس کو ذیل میں دیا جاتا ہے۔

"خان بہادر میروان جی لیسٹن جی مرحوم مصاحب اعلیٰ نے ۱۹۱۶ء میں ایک ہدایت جاری کی تھی، اس کا مطلب و منشا یہ تھا کہ سرکاری

تحریروں میں دیوناگری رسم الخط کو استعمال کیا جائے۔ یہ ہدایت ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۶ء کے "مارواڑ گزٹ" میں شائع بھی ہو چکی ہو۔ تمام عدالتوں اور دفاتر کی توجہ اس طرف پھر مبذول کرائی جاتی ہو۔ یہ دیکھا گیا ہو کہ بعض افسران اب تک ایسا مارواڑی رسم الخط استعمال کرتے ہیں جو پڑھا نہیں جاتا جس سے متعلقہ لوگوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ لہذا جملہ عہدہ دارانِ ریاست کو اب ہدایت کی جاتی ہو کہ وہ سرکاری تحریروں اور خط وکتابت میں صاف ہندی یا دیوناگری رسم الخط استعمال کریں۔

اس کے علاوہ ریاست کے مختلف شعبوں، حکومتوں وغیرہ اور پبلک سے جو خط وکتابت ہو اس کو انگریزی کی بجائے ہندی میں ہونا چاہیے کیونکہ مفصلات اور دیہات کی رعایا انگریزی نہیں جانتی۔"

اُردو تعلیم اور اُس کا سرکاری انتظام

ایک کافی طویل زمانے تک یہاں کے راجہ مہاراجہ اور راجپوت سردار تعلیم کو ایک ذلیل اور گھٹیا درجے کی چیز شمار کرتے رہے، ان کا خیال تھا کہ تعلیم ایک ایسی چیز ہو جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، ہماری طرف سے اس کو ہمارے نوکر چاکر حاصل کریں اور اپنا کام چلاتے رہیں۔ ہم تو صرف تلوار اور جنگ کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس پالیسی کے نتیجے میں ایک خاص مدّت تک سرکاری طور پر تعلیم کا قرار واقعی اور مناسب انتظام نہ ہو سکا۔ نجی طور پر ہندو پاٹ شالے اور مسلمان مکتب اور مدرسے کھلے ہوئے تھے، ان میں جو کچھ تعلیم ہو جاتی تھی اُسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے مکتب بھی کافی جاری تھے، اُن میں فارسی اور

قرآن پاک کی تعلیم ہوا کرتی تھی - عرصے تک تعلیمی کاروبار اسی نہج سے چلتا رہا۔

باقاعدہ اسکول ۱۸۶۰ء کے لگ بھگ کھولے گئے - ملانی اور جاسول میں دو ورناکیولر اسکولوں کا قیام عمل میں آیا، یہ اسکول پولٹیکل ایجنٹ کی نگرانی میں تھے اس کے بعد تو رفتہ رفتہ دربار کی طرف سے متعدد اسکول کھولے گئے - ان مدارس میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہمیشہ رہا اور موجودہ دور میں بھی اس کا معقول بندوبست ہے - لیکن دفاتر میں اُردو کے برتاؤ کا اثر تعلیمی اداروں پر کیوں نہ پڑتا - اوّل اوّل تو عام فساد یا بے چینی کے خیال سے عملاً ان اداروں میں اُردو کے ساتھ برتاؤ اچھا رکھا گیا - اس کے بعد اس میں بھی تبدیلی ہوئی - جب تک مسٹر سورج پرکاش ایم - اے سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن رہے، کسی کو آنکھ اٹھاکر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی مگر ان کے جاتے ہی مسٹر اے - پی - کاکس ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم کے عہد میں مسٹر جے - جے ہاتھی انسپکٹر آف اسکولس کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔

اُنھوں نے رفتہ رفتہ سب سے پہلے دیہات کے مدارس سے اُردو کو رخصت کرنا شروع کیا - چنانچہ میرتا، پالی، ناگور، باڑمیر وغیرہ پرگنات سے اُردو انھوں نے ہٹائی ہے - ادھر شہر میں انھوں نے یہ چال چلی کہ بعض ہیڈ ماسٹروں کو اشارہ کر دیا کہ اُردو طلبا کے داخلے میں مشکلات پیدا کرو تا کہ رفتہ رفتہ خود ہی کم ہوتے جائیں - اس سلسلے میں مسٹر امولک چند متوفی اور کھانڈیکر اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحبان قابل ذکر ہیں۔

اب اس پالیسی میں کم و بیش تبدیلی ہوتی جا رہی ہے - پھر بھی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ریاست کو خصوصیت سے توجہ کرنا چاہیے - "دربار مسلم مڈل اسکول" تنہا مدرسہ ہے جو خالص مسلمانوں کی تعلیم کے لیے بنایا گیا تھا اور سرکاری مصارف سے چل رہا ہے - مگر اب اس کو ہٹانے کی تدابیر کی جا رہی ہیں۔

اور کوشش کی جا رہی ہو کہ اس کو توڑ دیا جائے۔ دلیل یہ ہو کہ جب دربار کی طرف سے دوسرے اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ اور اُن میں مسلمانوں کا داخلہ منع بھی نہیں ہو تو مسلمانوں کے لیے علیحدہ مدرسے کی کیا ضرورت ہو۔ اس کی ابتدا یوں کی گئی ہو کہ پہلے غیر مسلم قوموں کے بچوں کے داخلے کی نجی کوشش جاری ہو تاکہ اس کے مسائل میں بولنے کا حق پیدا کر لیا جائے۔

اعداد و شمار اور واقعات

سوال نمبر ۱

(الف) ۲ لاکھ ۱۶ ہزار ۳ سو ۷۳ نفوس کی مادری زبان اُردو ہی۔
(ب) ۵ لاکھ ۷۴ ہزار ۷ سو ۴ نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں
(ج) ۸ ہزار ۸ سو ۷ ۹ نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔
(د) ۷ لاکھ ۱۵ ہزار ۵ سو ۷ ۵ نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) سرکاری مدارس ۲۰ ہیں اور امدادی مدارس کی تعداد ۶ ہی۔ دو ہائی اسکول ہیں۔ ان میں سے ایک سرکاری اور دوسرا امدادی ہی۔
(ب) آخری درجہ دسواں ہو۔ پانچ مڈل اسکول ہیں اور بقیہ پرائمری اور لوئر پرائمری مدارس ہیں۔
(ج) عام طور پر اجمیر کا نصاب پڑھایا جاتا ہی۔ لیکن بعض پرائمری مدارس میں

استادوں کی مرضی کو بھی دخل ہے۔

(د) امدادی اور سرکاری مدارس میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۸۰۷ ہے۔

سوال نمبر ۳

شہر اور دیہات کے ملاکر نجی مدرسے ۲۷ ہیں اور ان میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۴۱۲ ہے لیکن یہ اعداد مکمل اس وجہ سے نہیں ہیں کہ بہت سے اضلاع (حکومتوں) کے اعداد معلوم نہ ہوسکے۔ یہ بعض اضلاع کے حالات ہیں۔ قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ ہر بڑی حکومت میں پانچ پانچ، چھ چھ مدرسے ضرور ہوں گے۔ ان مدرسوں میں قرآن کے ساتھ اُردو بھی پڑھائی جاتی ہے۔ شہر میں ایک نائٹ اسکول کھولا گیا ہے اس کو اس تعداد میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس نائٹ اسکول میں تقریباً ۲۳ لڑکے اُردو بھی پڑھتے ہیں۔

سوال نمبر ۴

کل ۸ کتب خانے ہیں۔ ان کے علاوہ ناگور، جالور اور میرتا وغیرہ میں قدیم کتب خانے زیادہ ہیں اور یہاں سے بعض نایاب اور مفید کتابیں مل سکتی ہیں۔

سوال نمبر ۵

چار انجمنیں ہیں اور یہ مختلف ذرائع سے اُردو کی خدمت کرتی رہتی ہیں۔ ان میں سے قابل تذکرہ انجمن صرف ایک ہے اور وہ انجمن اسلامیہ ہے۔ یہ انجمن ۱۹۲۷ء میں قائم ہوئی۔ پہلے یہ بزم ادب کے نام سے مشہور تھی، بعد ازاں مذہبی خیال کے ممبروں کی کثرت نے اس کو مذہبی انجمن میں تبدیل کر دیا۔ یوم النبی کے موقع پر بڑے اہتمام کے ساتھ تقریری جلسے کیے جاتے ہیں، ان میں مشاعرہ کا بھی خاص

اہتمام ہوتا ہے اور بچّوں کے انعامی مقابلے بھی کرائے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۶

آج کل جودھ پور میں اُردو کا کوئی پریس نہیں ہے۔ گورنمنٹ پریس میں ۱۹۲۷ء تک اُردو ٹائپ رہا۔ اب اُردو چھپائی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس سے پیشتر لیتھو پریس بھی تھا اور اس پریس کے مطبوعات اب بھی موجود ہیں۔ ان میں قوانین اور سرکاری رپورٹیں زیادہ ہیں۔ سنہ ۱۸۹۰ء تک رہا ہے۔

سوال نمبر ۷

آج کل رسم الخط ہندی ہے لیکن زبان اُردو ہے۔ پھر بھی بعض تحریروں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں اس قسم کا عنصر موجود ہے جو بھاشا اور ٹھیٹ ہندی کی طرف مائل ہے۔ ذیل میں گورنمنٹ گزٹ کی دو تحریروں کی نقل سے اس کا اندازہ ہوگا۔

نوٹی فکیشن

ہمارے پاس اکثر ایسے کیسز (Cases) آتے ہیں۔ جن میں ماجی یا چُھٹ بھائی کی عرضی پر بعد پوری تحقیقات کے ٹھکانہ و جاگیردار کو واجب خانگی خرچ ماجی و چُھٹ بھائی کو دینے کی بابت حکم دینا پڑتا ہے۔ بہت سے جاگیردار حکم کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اور عُذر داری کرتے رہتے ہیں اور آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاگیر کا گانو قرق کرنا پڑتا ہے۔

ابھی تک تو یہ عملدرآمد ہے کہ جب رقم جمع کرا دیتا ہے تو گانو کی اُٹھنتری کر دی جاتی ہے اور قبضہ ٹھکانہ کو سونپ دیا جاتا ہے لیکن اس طریقے سے تو جاگیردار کو کافی نصیحت

نہیں ملتی ہی کیونکہ اُس کو کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا ہی۔

اس لیے سری جی صاحبان نے حکم فرمایا ہی کہ آیندہ سے جب کبھی محکمۂ خاص کے حکم کی عدولی کرنے کی وجہ سے کوئی جاگیر کا گاؤں ترق کیا جاوے تو کم سے کم ایک سال تک اُس کی اُٹھنتری نہیں کی جاوے اور اس کے علاوہ اگر ضروری ہو تو جاگیردار پر جرمانہ بھی کیا جاوے۔ فقط

ڈی۔ ایم۔ فیلڈ

چیف منسٹر گورنمنٹ آف جودھپور

(گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۳۸ء)

آفس آرڈر

شری مان مہاراجہ صاحب بہادر نے کونسل پرستاؤ سنکھیا ۲۳ تاریخ ۳ر مارچ ۱۹۳۸ء دِوارا یہ حکم فرمایا ہی کہ :۔

(۱) مارواڑ شدھ گھی کا بیوپار دو رُپے آٹھ آنے پر تمین بیوپار محصول دینے پر اگست ۱۹۳۸ء تک جاری رکھا جاوے۔

(۲) اس نیم کو النگن کرنے کی سزا ایک ہزار رُپے کا جُرمانہ اتھوا چھ مہینے کی قید یا دونوں ، اس سمے تک لاگو رہے گا۔

(۳) ناریل کے تیل اور موم پھلی کے تیل پر بیوپار محصول ایک رُپے چار آنے سے بڑھ کر فی الحال پانچ رُپے کر دیا جائے۔

ناریل کے تیل و موم پھلی کے تیل کے بیوپار محصول میں وِردھی ار اپریل ۱۹۳۸ء سے لاگو ہو گی۔

مادھو سنگھ

ہوم منسٹر گورنمنٹ آف جودھپور

(گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۱۹ر مارچ ۱۹۳۸ء)

سوال نمبر ۹

(۱) ریاست سے اپیل کی جائے کہ وہ اُردو پریس قائم کرنے میں روک ثابت نہ ہو۔
(۲) ایک ایسی انجمن قائم ہو یا مقامی انجمنوں میں سے کوئی یہ کام کرے کہ سرکاری مدارس میں اُردو زبان کے ساتھ لوگ اپنا ذاتی تعصّب اور نفرت تو نہیں برتتے۔
(۳) اُردو داں طبقے میں تحریک کی جائے کہ:۔
(الف) شادی وغیرہ کے مواقع پر دعوتی کارڈ بجائے انگریزی یا ہندی کے اُردو میں چھپوائے جائیں۔
(ب) دفاتر میں عرضیاں بجائے ہندی کے اُردو میں پیش کریں۔
(۴) مقامی انجمنوں کو ترغیب دلائی جائے کہ وہ اپنا کار بار اُردو میں رکھیں اور اُردو کی اشاعت کا کام بھی کریں۔

حصّہ دوم

سوال نمبر ۱

اس بات کا اندازہ کہ کسی مقام کی زبان ترقی کر رہی ہے یا انحطاط کی طرف مائل ہے اس مقام کے تعلیمی اداروں کی ترقی سے کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جودھ پور میں زبان اُردو کی تعلیم کے لیے کافی اور معقول ادارے نہیں ہیں۔ اِن اداروں کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ نہ ان پر اس قسم کی نگرانی ہے جو ان اداروں کو کسی مخصوص زبان پر سختی کرنے سے باز رکھ سکے۔

جودھ پور میں گزشتہ پانچ برس کا دَور اُردوٗ زبان کے لیے خراب گزرا ہو اور اگرچہ اس وقت اس رفتار میں سستی ہو مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مستقبل میں اس کے اندر زیادتی ہوگی یا کمی! بہر حال یہ قطعی اور صاف بات ہو کہ مدارس اور طلبا میں کمی ہوتی جارہی ہو۔ مثلاً سر پرتاب ہائی اسکول میں فی الوقت اُردوٗ کی تعلیم کا انتظام ہو مگر مزید داخلے کی گنجائش نہیں ہو۔ سردار ہائی اسکول میں اس سے پہلے اُردوٗ کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن اب اس کو الگ کر دیا گیا۔ پہلے دربار ہائی اسکول اور اس کی برانچ میں فارسی اور اُردوٗ زبان کے چھ مدرّس تھے، مگر اب صرف ایک مدرّس ہو جو اُردوٗ و فارسی دونوں زبانوں کی تعلیم دیتا ہو۔ ۱۹۳۶ء تک تمام پرائمری مدرسوں میں اُردوٗ کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا لیکن رفتہ رفتہ بہت سے مدارس سے اُردوٗ کو ہٹا دیا گیا۔ چنانچہ ڈیڈوانہ، پالی، سوجات وغیرہ کے علاقوں میں سے اُردوٗ تعلیم کا انتظام اُٹھا دیا گیا۔

سوال نمبر۲

بلا تخصیص مذہب و ملّت ہر شخص اُردوٗ زبان کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہو لیکن افسرانِ ریاست اور محکمۂ تعلیم کے چھوٹے چھوٹے افسران کی اُردوٗ آزار روش نے لوگوں کو بددل کر دیا ہو اور وہ ان کی ناراضی کے خوف سے اُردوٗ دشمنی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھاتے۔ دوسرے وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہمیں نوکری اسی ریاست میں کرنا ہو، لہذا ہندی کو حاصل کیوں نہ کرلیں۔ اس پالیسی کے باوجود یہ کم از کم طو شدہ امر ہو کہ مسلمان ضرور اپنے بچوں کو اُردوٗ پڑھاتے ہیں، گویا وہ اس کو ایک بڑی ضرورت تصوّر کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳

مارواڑ کی اُردوٗ زبان میں ممتاز خصوصیات نہیں پائی جاتیں، پورے مارواڑ میں وہ تمام قانونی اور دفتری اصطلاحیں بولی جاتی ہیں، جو ہندُستان کے دوسرے علاقوں میں عام طور پر رائج ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں بعض الفاظ اور ترکیبیں ایسی ملتی ہیں جو ہندُستان کے دوسرے خطوں میں نہ بولی جاتی ہوں گی۔ چنانچہ رشتہ داروں عزیزوں اور قریبی لوگوں کے اصطلاحی نام بالکل علیحدہ ہیں اور پھران میں خصوصیت یہ ہو کہ اونچے اور نیچے طبقوں میں یکسانیت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ کثرت استعمال کی وجہ سے اپنی شکل وصورت ہی بدل چکے ہیں، پھر ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو اپنے معنوں کے خلاف استعمال ہوتے ہیں۔ اس خصوصیت کا اصل سبب مارواڑ کی جہالت اور تعلیم سے غفلت ہو۔ لاکھوں انسانوں کی اس بستی میں گنتی کے کچھ مدارس قائم ہیں اور پھران پر بھی بطور خاص کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

ان خصوصیات کو باقی رکھنے کا کام عورتوں نے زیادہ کیا ہو اوّل تو یہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں، دوسرے ان کی معاشرت اور رسم ورواج نے بعض ایسی بندھنوں میں جکڑ رکھا ہو کہ ان کی زبان ذرا مشکل سے اپنی یہ خصوصیات چھوڑے گی، اگرچہ اب وہ کیفیت نہیں ہو جو آج سے ۲۲ برس پہلے ہو گی۔ بہر حال کسی نہ کسی حد تک ان تک موجودہ تمدن کی روشنی پہنچ رہی ہو۔ مثلاً :-

(۱) عام طور جب مارواڑ کا کوئی آدمی کسی شخص کو پکارے گا تو نام کے آخر میں لفظ "جی" یا "سا" ضرور استعمال کرے گا بعض صورتوں میں تو یہ الفاظ "صاحب" کے ساتھ بھی لگاتے ہیں اور ایسا اونچی سوسائٹی میں بھی ہوتا ہو۔

(۲) اونچے طبقے میں لڑکے کے لیے بٹیا، بنّا، کنور وغیرہ کے ساتھ لفظ "بھابو"

بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳) نیچے طبقے میں لڑکے کے لیے "چھورا" کے ساتھ ساتھ "ٹینیا" اور "جیجا" وغیرہ لفظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

(۴) غلط تلفظ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی حرف بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اکثر الفاظ حرف "س" حرف "ہ" سے بدل جاتا ہے، جیسے لفظ "ساس" جس کو مارواڑ میں "ساسو" بھی استعمال کرتے ہیں۔ لفظ "ساہو" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(۵) بڑے اور دولت مند انسانوں کے مزاج میں درخور حاصل کرنے والے کو یہاں "مرغی دان" بولا جاتا ہے۔

(۶) متصدی کو "معتدی" کہتے ہیں۔

(۷) خزانچی کو "پوتے دار" کہا جاتا ہے۔

(۸) بجنسہٖ کو "بجنس" بولتے ہیں۔

(۹) شیطان "لحیم وشحیم" کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱۰) لینڈ ریونیو کو "حوالہ" کہا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سوال نمبر ۴

اُردو زبان پر مارواڑی بولی کا کوئی اثر نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بہت خفیف جو زیادہ اہم نہیں۔ البتہ اردو زبان کا اثر بہت زیادہ ہے اور پھر خوبی یہ ہے کہ یہ اثر بہت دیرپا اور مستقل ثابت ہو رہا ہے یعنی ریاستی افسران کی تنگ نظری اور بھاشا و سنسکرت نوازی کے باوجود آج بھی جودھپور کے دیہات میں ان پڑھ گنواروں کی زبان سے یہ الفاظ اچھی طرح ادا ہوتے ہیں :-

آبکاری، پرگنہ، پنچایت، تعظیمی سردار، وقائع نویس، کارکن، فوجداری
دیوانی، منصفی، مشرّف (منصف) اور بخشی وغیرہ وغیرہ

سوال نمبر ۵

ہمیں ایسی قدیم کتابیں تو بہت ملتی ہیں جو فارسی زبان میں لکھی ہوں اور ان کو لکھے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ اُردو زبان میں تصنیف تالیف کا سلسلہ غالباً ۱۸۷۲ء سے شروع ہوا ہے اس لیے کہ ہمیں اس سنہ سے پہلے کی کتابیں دستیاب نہیں ہوئیں۔

اب تک جودھ پور میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

(۱) "فسانۂ خرد افروز یعنی قصۂ بہرام و بہروز" از منشی دیبی پرشاد بشّاش متوفی۔ یہ کتاب ۱۸۷۲ء میں چھپی ہے۔

(۲) "آثار شعرائے ہنود" ہندو شعرائے اُردو کا تذکرہ۔ از منشی دیبی پرشاد بشّاش یہ کتاب ۱۸۸۵ء میں چھپی ہے۔

(۳) "معیار الشعرائے ہنود" ہندو شعرائے فارسی کا تذکرہ۔ یہ کتاب منشی صاحب متوفی کی ہے۔ غالباً چھپی نہیں ہے مگر کتاب "آثار شعرائے ہنود" سے قدیم معلوم ہوتی ہے۔

(۴) "مثنوی گلزار نصیحت" از لالہ لچھمی نرائن آذر، مطبوعہ ۱۸۹۳ء

(۵) "کلید فارسی" از مولوی محمد ممتاز علی صاحب مرحوم مطبوعہ ۱۹۰۷ء

(۶) "مرأت الخیال" کلام حضرت بیخود بدایونی مرحوم مطبوعہ ۱۹۱۰ء

(۷) "نائلہ دیوی" از مولوی محمد شرف الدین صاحب یکتا جودھ پوری۔ ایک

تاریخی افسانہ ہے۔ مطبوعہ ۱۹۳۴ء
(۸) "فاتح سندھ" ایک تاریخی ناول ہے۔ یکتا صاحب جودھپوری نے لکھ کر ۱۹۳۵ء میں چھپوایا۔
(۹) مرزا عظیم بیگ صاحب چغتائی کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں، ان کی فہرست کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

اوپر کی سطور میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی کتابیں چھپ چکی ہیں اور ان میں سے بعض بقید حیات ہیں اور کچھ لوگ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی جودھپور (مارواڑ) میں بڑے بڑے شعرا، نامی گرامی بزرگ اور صاحب درس فاضل اور عالم گزرے ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام دیے جاتے ہیں:۔

(۱) "انشائے مادھورام" کا مشہور عالم مصنف منشی مادھورام مارواڑ کا باشندہ تھا۔
(۲) قاضی ضیاء الدین صاحب، قاضی غلام نبی صاحب، خواجہ حمید الدین ناگوریؒ خواجہ حسین ناگوریؒ اور مولوی صدیق اللہ صاحب مرحوم اسی سرزمین کے رہنے والے تھے اور اُنھوں نے اپنے علمی اور ادبی فیض سے مارواڑ کی زبان کو بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔
(۳) قاضی محمد اکرم صاحب فیضؔ مرحوم کی ذات بابرکات نہ صرف اپنے علم و فضل اور درس و تدریس کے اعتبار سے مشہور خلائق تھی بلکہ انھوں نے فارسی زبان میں متعدد کتابیں تحریر فرمائی تھیں، جن میں سے کچھ چھپ چکی ہیں۔

سوال نمبر ۶

موجودہ کتب میں سب سے قدیم اور پرانی کتاب" افسانۂ خرد افروز یعنی قصۂ بہرام و بہروز" معلوم ہوتی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں چھپی ہے اور اس سے پہلے کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔

سوال نمبر ۷

(۱) مولانا رضائے حسنین صاحب بیدل۔

(۲) مولوی مظفر علی شاہ صاحب۔

(۳) حکیم نثار احمد صاحب سکرٹری مسلم سوسائٹی۔

(۴) منشی محمد اسحاق صاحب صابر سکرٹری انجمن اسلامیہ۔

(۵) قاضی کبیر احمد صاحب

(۶) مولوی شرف الدین صاحب یکتا جودھ پوری۔

یوں تو یہ سب صاحب کسی نہ کسی نوعیت سے اُردو کی خدمت کرتے رہے ہیں، لیکن جائزہ کے سلسلے میں ان اصحاب نے انجمن کے سفیر کی بہت مدد کی اور معلومات بہم پہنچائیں۔ ان میں خصوصیت سے منشی شرف الدین صاحب یکتا جودھ پوری اور قاضی کبیر احمد صاحب کا تذکرہ لازمی ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے اپنا بڑا قیمتی وقت جائزہ کے لیے معلومات میں صرف کیا۔ یکتا صاحب تو جائزہ کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے اور اس سلسلے میں بعض بڑی اچھی معلومات فراہم فرمائیں۔ مثلاً آپ نے پتہ لگایا کہ:-

(۱) جودھ پور سے ایک رسالہ "سحابِ سخن" جاری تھا۔ اس کی ادارت میں مولانا ابوالحسن صاحب شرقی اور شیام سندر لال سرخوش شریک تھے۔

(۲) ایک رسالہ "نغمۂ یار" جاری تھا۔ اس کے اڈیٹر شیخ محمد ابراہیم صاحب مدّاح تھے ان دونوں رسالوں میں شعرا کا کلام چھپا کرتا تھا۔ دونوں کا سنہ اجرا سنہ ۱۸۸۹ء، سنہ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ ہے۔

یہ سب صاحب انجمن کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

(۵)

میواڑ ریذیڈنسی

(۱) اُودے پور

(۲) بانسواڑہ

(۳) سروہی

(۱) اوُدے پوُر

عام حالات

ریاست اوُدے پور (میواڑ) راجپوتانہ میں، میواڑ ریذیڈنسی کی سب سے بڑی ریاست ہو۔ اس ریاست میں بسنے والوں کی تعداد ۱۵ لاکھ ۶۶ ہزار ۹ سو ۱۰ ہو۔ یہ ریاست اپنی شُہرت اور قدامت کے اعتبار سے بہت ممتاز ہو۔ اس کے فرمانروا اپنی انفرادیت اور حوصلہ مندی کے لیے ہمیشہ مشہور رہے ہیں، دیگر ریاستوں کے رئیسوں کے مثل، انھوں نے مغل بادشاہوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی اور ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہو کہ یہاں کے تہذیب و تمدن اور زبان پر قدیم اسلامی کلچر کے اثرات زیادہ نمایاں نہیں ہیں۔

یہاں اُردوُ زبان اور رسم الخط سرکاری طور پر کبھی بھی استعمال نہیں ہوُا، البتہ جس قدر ضروریات میں اضافہ ہوُا، نئے نئے شُعبے کھلتے گئے۔ تجارت اور صنعت وحرفت میں ترقی ہوتی گئی اور نقل وحرکت کے ذرائع میں آسانیاں ہوتی گئیں، اُسی قدر سرکاری دفاتر کی تحریری زبان میں اُردوُ اور فارسی کا عنصر بڑھتا گیا پھر تعلیم کی ترقی نے اس رفتار کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ یہاں کے دفاتر میں ایسی زبان استعمال میں آتی گئی، جس کو اُردوُ یا ہندُستانی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود رسم الخط میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

آج سے پندرہ یا بیس برس اُدھر بعض دفاتر مثلاً محکمۂ بندوبست محکمہ حدبست اور محکمۂ آبپاشی میں زبان کے ساتھ رسم الخط بھی اُردوُ تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی

کہ ان محکموں کے افسر عموماً یوروپین ہوتے تھے اور اہل کاروں میں شمالی ہند کے آئے ہوئے ہندو اور مسلمان ہوا کرتے تھے لیکن کچھ عرصے تک یہ حال رہا پھر رفتہ رفتہ یہ اہلکار مرکھپ گئے اور ان محکموں کی بھی ضرورت باقی نہ رہی، لہذا اُردو رسم الخط بھی ختم ہوتا گیا۔ اس کے باقی رہنے کی وجہ بھی کوئی نہ تھی، کیونکہ تمام دوسرے دفتروں میں ہندی رسم الخط استعمال ہوتا ہو، پھر چند دفتروں میں یہ کیوں کر باقی رہتا۔

موجودہ عہد میں بلا استثنا تمام دفاتر میں ہندی رسم الخط میں کام ہوتا ہو۔ اس سلسلے میں خاص بات یہ ہو کہ یہاں کے دفاتر کی ہندستانی زبان روبہ انحطاط ہو اور رفتہ رفتہ اس میں ہندی بھاشا کے الفاظ لانے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ عدالتوں میں جو زبان استعمال ہو رہی ہو اُس کی حالت اس کے خلاف ہو۔ وہاں ابھی تک اُردو کی قانونی اصطلاحات مستعمل ہیں۔ چنانچہ مدّعی، مدّعا علیہ، انفکاک اور متنازعہ کی قسم کی اصطلاحیں آج بھی اُسی شان سے استعمال ہو رہی ہیں۔ رسم الخط عدالتوں میں بھی ہندی ہو۔

سرکاری مدارس میں بھی اُردو پڑھائی جاتی ہو اور چند مکتب نجی طور پر بھی کھولے گئے ہیں، لیکن اُردو تعلیم کے موجودہ انتظام سے خود یہاں کے لوگ بھی مطمئن نہیں ہیں۔ چنانچہ بتایا گیا ہو کہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ قصبہ جہازپور کے لوگوں نے ڈائرکٹر صاحب تعلیمات سے درخواست کی تھی کہ قصبے کے ہندی مڈل اسکول میں اُردو زبان کی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ ۱۹۲۸ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اجمیر میں یہاں کے لوگوں نے ایک ریزولیوشن بھی پیش کرایا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

"ریاست اُدے پور کے انٹرمیڈیٹ کالج میں میٹرک سے آگے اُردو کا انتظام نہیں ہو۔ اس لیے جو مسلمان طلبا میٹرک پاس کر لیتے ہیں

اپنی تعلیم آگے جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے یہ کانفرنس دربار اودے پور سے
بہ ادب درخواست کرتی ہے کہ انٹرمیڈیٹ کلاس میں اُردو کی تعلیم کے لیے
پروفیسر مقرر کیا جائے۔"

ان دو مثالوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں اُردو کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پایا جاتا ہے اور یہ کہ موجودہ انتظام سے یہ لوگ مطمئن بھی نہیں ہیں۔ نجی مدارس قائم تو ہیں مگر ان کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ اگر ان میں سے ایک یعنی مدرسہ اسلامیہ کو ہی مضبوط بنا دیا جائے تو مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

شہر کے بعض ذمہ دار لوگوں نے بتایا ہے کہ ۱۸۹۸ء میں ہائی اسکول کی جماعتوں میں ۷۵ فی صدی طلبا اُردو پڑھتے تھے اور ۲۵ فی صدی طلبا ہندی یا سنسکرت پڑھتے تھے۔ پھر ۱۹۱۴ء میں یہ تناسب ۶۰ فی صدی اور ۴۰ فی صدی میں تبدیل ہوا اور اب تو حالت بالکل ہی گر گئی ہے۔

مدارس میں ہندی کے طالب علموں کا تناسب ۷۵ اور ۸۰ فی صدی تک ہے اور عام طور پر اب ہندو طالب علم ہندی ہی پڑھتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض مسلمان طالب علم بھی اُردو نہیں پڑھتے اور ملازمت کے حصول میں آسانی کی غرض سے ہندی کو فوقیت دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے جہاں تک بولی اور لوگوں کی نجی گفتگو کا تعلق ہے، قصباتی اور شہری آبادیوں میں عموماً اُردو بولی جاتی ہے اور نہ صرف بولی جاتی ہے بلکہ ابھی ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اُردو بولنے اور اپنی گفتگو میں فارسی کے الفاظ کے استعمال کو فخر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

مشاعرے کیے تو جاتے ہیں لیکن ان کو استقلال نصیب نہیں۔ جب یہ مشاعرے ہوتے ہیں تو ان میں سو سے لے کر دو سو تک اصحاب شریک ہوتے ہیں اور یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے صاحب زادہ محمد سعید خاں صاحب اور سید نجم الدین صاحب ایم، اے لکچرار مہارانا کالج اودے پور کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ خوش مذاق

کے اعتبار سے اس بستی میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہاں فرقۂ بواہیر میں بھی اُردو سے کافی شغف پایا جاتا ہے اور اس فرقے میں نہ صرف شعرا موجود ہیں بلکہ ان کے مدارس میں اُردو زبان نصاب میں داخل ہے۔

اکثر شاہی تقریبات کے موقع پر طلبا بھی نظمیں لکھ کر جلسوں میں سناتے ہیں۔

یہاں ہندی ساہتیہ سمیلن تقریباً بیس برس سے قائم ہے۔ سوامی ستیہ دیو ۱۹۱۱-۱۲ء میں یہاں آئے تھے، ان کی تحریک پر چند مقامی لوگوں نے مل کر اس کو قائم کیا تھا۔ یہ یہ جماعت ۶ عرصے تک اپنے عام جلسے منعقد کرتی رہی اور ان میں ہندی کی ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا رہا۔ لیکن اب ۱۹۳۷ء سے ایک نئی جماعت بنی ہے یا یوں سمجھنا چاہیے کہ اُسی جماعت کی تجدید کی گئی ہے۔

اس جماعت کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہندی زبان کی اشاعت و ترقی میں کوشش کی جائے۔ اس جماعت کے صدر و سکرٹری ریاست کے ذمّہ دار عہدوں پر بھی فائز ہیں اور نجی طور پر اس کام کو بھی کرتے ہیں، اب اس جماعت نے اپنے اہتمام میں ایک شبینہ مدرسہ کھولا ہے جس میں الٰہ آباد کی ہندی ساہیتہ سمیلن کے امتحانات کے لیے طلبہ کو تیار کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ا

(الف) ایک لاکھ ۲، ہزار ۷، سو ۰ ۶ نفوس کی مادری زبان اُردو ہے۔

(ب) ۲ لاکھ ۲۲ ہزار ۳ سو پچاس نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بھی بولتے ہیں۔

(ج) ۳ ہزار ۲ سو ۳ نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔

(د) ۵ لاکھ ۵۳ ہزار ۲ سو چھ نفوس اُردو زبان سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر۲

(الف) سرکاری اور امدادی مدارس کی تعداد ۱۰ ہی۔ اس میں سے ایک مدرسہ امدادی ہی۔
(ب) ایک مدرسہ ہائی اسکول کے درجے تک ہی اور بقیہ مڈل اور پرائمری ہیں مگر اُردو زیادہ تر پرائمری مدارس میں پڑھائی جاتی ہی۔ میٹرک میں بھی اُردو کی تعلیم ہوتی ہی۔
(ج) اجمیر بورڈ کا نصاب ہی۔
(د) طلبہ کی مجموعی تعداد ۴۰۰ ہی۔

سوال نمبر۳

غیر سرکاری اور نجی مکتب ۱۶ ہیں اور ان میں مجموعی طور پر ایک ہزار ایک سو اُنتیس طلبہ قرآن پاک اور دوسرے مضامین کے ساتھ اُردو بھی پڑھتے ہیں، اس تعداد میں مدرسہ اسلامیہ کی مرکزی شاخ شمار نہیں کی گئی ہی۔ چونکہ اس کو مہارانا بہادر کی جانب سے امداد ملتی ہی، اس لیے اُسے امدادی مدرسے میں شمار کیا گیا ہی۔

مہارانا صاحب بہادر کی جانب سے تیس رُپے ماہوار امداد جاری ہی اور اس مدرسے کی ایک شاخ دھولی باوڑی اور دوسری مہاوت واڑی میں قائم ہی۔ ان دونوں شاخوں کے اخراجات کے لیے ۱۷ رُپے ماہوار صاحب زادہ محمد سعید خاں صاحب نے اپنی جیب خاص سے مقرر کر دیے ہیں۔

اس مدرسے کی ایک سالانہ رپورٹ کے دیکھنے سے پتا چلتا ہی کہ مدرسے کو ریاست بھوپال کی جانب سے سالانہ امداد دی جاتی تھی مگر سرکار سلطاں جہاں بیگم صاحبہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ امداد بند ہوگئی۔ اس کے بند ہوجانے سے اس مدرسے کو سخت نقصان پہنچا ہی چنانچہ رپورٹ کے صفحہ ۳ پر لکھا ہی کہ:-

"مدرسہ ہذا کے سنگ بنیاد کی مضبوطی بلکہ اس کے نشوونما اور قیام کا سبب عطیۂ گراں قدر مبلغ پچاس رُپے ماہانہ سرکار حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہٗ فرمانروائے بھوپال ہو جس کو خلد آشیاں، فردوس مکاں ہز ہائی نس علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے یہاں کے غریب مسلمانوں کے بچوں کی مذہبی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا تھا، ستمبر ۱۹۳۲ء سے بند ہو گیا ہو"۔ (رپورٹ ۱۹۳۵ء)

سوال نمبر ۴

سرکاری اور نجی دونوں ملا کر پانچ کتب خانے ہیں۔ اِن میں ایک سرکاری لائبریری ہو۔ اس لائبریری میں قدیم قلمی نسخے بھی ہیں۔ ان کی مکمّل فہرست اس رپورٹ کے آخر میں منسلک ہو۔

سوال نمبر ۵

دار المطالعے اور انجمنیں ملا کر پانچ ایسے ادارے ہیں جو اُردو زبان کی خدمت کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۶

اُردو کا کوئی مطبع نہیں ہو۔ ہندی کا ایک سرکاری مطبع ہو۔ گزٹ کے علاوہ کوئی اخبار جاری نہیں ہو۔ گزٹ ہندی زبان میں شائع ہوتا ہو۔ مہارانا کالج میگزین میں اُردو کا حصّہ بھی ہوتا ہو۔ یہ تنہا سیّد نجم الدین صاحب ایم، اے لکچرار کی کوششوں سے چل رہا ہو۔ اُردو کا حصّہ دہلی کے کسی پریس میں چھپتا ہو۔

سوال نمبر ۷

ملاحظہ ہو تحریر منسلکہ رپورٹ ہذا۔

سوال نمبر ۹

(۱) انجمن اسلامیہ کو مضبوط بنایا جائے۔
(۲) اس جماعت کے ماتحت مدارس اور شاخیں کھولی جائیں۔
(۳) دربار اودے پور سے درخواست کی جائے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ مدارس بھی کھولے۔
(۴) لوگوں میں اُردو کتابیں مفت تقسیم کی جاویں۔
(۵) ایک پریس قائم کیا جائے۔

حصّہ دوم

سوال نمبر ۳

یہاں کی اُردو میں کوئی خصوصیات نہیں ہیں، اُردو الفاظ کے تلفظ اور طرزِ ادا میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً:-
کب کو کد۔ اب کو ابار۔ تو نے کو تئے نے۔ کس نے کو کن نے۔ کبھی کو کدی۔ اور نہیں کو نیں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال نمبر ۵ و ۶

(۱) ۵۵ برس گزرے اودے پور میں ایک صاحب محمد عبدالرحمٰن خاں نامی گزرے ہیں۔ اب ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ یہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔

ان صاحب نے متعدد رسائل اور کتابیں اُردو میں لکھ کر چھپوائی تھیں۔ ان میں بعض نثر میں اور بعض نظم میں لکھی تھیں۔

(۱) "رانڈوں کی شادی" (۲) "مسلمانوں کی چالیس باتیں" (۳) "سرکوب بدعت" وغیرہ۔

(۲) آج سے تقریباً چالیس برس پہلے، مہارانا بہادر کے حکم سے مولوی عبیداللہ صاحب وحشی نے "تاریخ مارواڑ" لکھی تھی اور یہ ریاست کے سرکاری پریس میں چھپ بھی چکی تھی، بعد میں ناپسند ہونے پر اس کی اشاعت روک دی گئی اور اس لیے دستیاب ہونی مشکل ہے۔

(۳) مولوی نجم الغنی خاں صاحب مرحوم نے اودے پور میں کافی عرصے تک ملازمت کی ہے۔ خود ان کی پیدائش بھی یہیں کی تھی، انھوں نے تصنیف اور تالیف کے ذریعے بڑی خدمت کی ہے۔ مثلاً:-

(۱) "بحر الفصاحت" یہ کتاب بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔

(۲) "اخبار الصنادید" نواب رام پور کے حالات پر مبنی ہے۔

(۳) "کارنامۂ راجپوتاں" (۴) "تاریخ حیدرآباد" وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تصانیف اور بھی ہیں۔ اور یہ سب کتابیں پیسہ اخبار کے دفتر، مطبع نیر اعظم مرادآباد اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے مل سکتی ہیں۔

(۴) مولوی شمس الدین صاحب کے انتقال کو تقریباً تین برس ہوئے آپ نے علم العقائد میں دو کتابیں لکھی ہیں:-

(۱) "عقائد شمس" مطبوعہ مطبع نیر اعظم مرادآباد (۲) "شمس الفقہ" مطبوعہ مطبع پیسہ اخبار، لاہور۔

(۵) سید وحید الدین صاحب بی، اے منشی فاضل مرحوم نے ایک کتاب

"افتخار اللغات" لکھی ہو۔ مرحوم نے زمانہ طالب علمی میں علی گڑھ میگزین کی ادارت بھی کی ہو۔

(۶) موجودہ مصنفین میں صرف ایک منشی حفیظ اللہ خاں حفیظ ہیں۔ ان صاحب نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:۔

(۱) فانوس خیال (ناول)۔ (۲) دیوانِ حفیظ (۳) آفتاب رسالت (۴) آئینۂ عبرت (ناول)

سوال نمبر ۷

(۱) صاحبزادہ محمد سعید خاں صاحب سعید ٹونکی

(۲) سید نجم الدین صاحب ایم۔ اے۔

(۳) منشی امجد علی صاحب، سکرٹری انجمن اسلام اودے پور۔

(۴) مولوی لطیف الدین صاحب قاضی ریاست اوُدے پور۔

(۵) منشی الٰہی بخش صاحب۔

(۶) عبدالرحمٰن بھائی ابو بھائی۔

قلمی کتابوں کی فہرست

ذیل میں وکٹوریہ ہال لائبریری کے قلمی ذخیرۂ کتب میں سے کچھ کتابوں کے نام لکھے جارہے ہیں۔ کتابوں کے نام سے قبل جو اعداد ہیں وہ لائبریری کا نمبر ہیں، نمبر شمار نہیں ہیں:۔

(۹) احوال سلاطین ہند۔

(۱۰) اولاد چنگیز خاں۔

(۱۸) بحر التواریخ
(۲۰) بہارستان ونگارستان
(۲۲) تاریخ اکبر شاہی
(۲۳) تاریخ السندھ از محمد معصوم
(۴۷) تاریخ ہندستان از عبداللہ قادری۔
(۴۹) تاریخ تحفہ ۔ عباس شروانی
(۵۴) تزک تیموری۔ ابو طالب حسینی
(۶۲) چار گلشن ۔ لالہ چترمن
(۶۷) خزائن الفتوح ۔ امیر خسرو۔ دہلی
(۶۸) خلاصۃ التواریخ ۔منشی سجان رائے
(۷۸) زیب التواریخ ۔ گوکل چند۔
(۸۷) شاہ جہاں نامہ ۔ بھگوان داس ۔
(۱۰۰) کتاب جو حبتر۔ دیا ناتھ
نوٹ :۔ یہ سب کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں۔

ریاست اُودے پور

*The Sajjan Kirti Sudhakar Udaipur.
in carporated with Mewar Gazette.*

سنسکرت

....

راج راجیہ شری محکمۂ خاص

واقع بیساکھ کرشنہ ۲ تاریخ ۲۰-۴-۳۸ء سمت ۱۹۹۴ء

نمبر ۲۱۱۳ سے پکش نمبرا

ریاست میواڑ کا وہ حصہ جو قریب ۱۰۰ سال سے زیر انتظام اجمیر میر واڑہ گورنمنٹ ہند تھا وہ تاریخ ا۔ اپریل ۱۹۳۸ء سے ریاست میواڑ کے واپس سپرد ہو چکا ہے۔ لہٰذا واسطے واقفیت ہر خاص وعام شائع کیا جاتا ہے کہ وہ ڈگریات واحکامات کہ جو عدالت حکومت برطانیہ سے اس حلقے کے واپسی کے قبل جاری ہوئے ہیں اُن کی تعمیل واجرائیگی بعد ادائیگی کسی مزید فیس علاوہ حسب معمول فیس اجرائیگی جو پہلے سے جمع ہوتی آرہی ہے عدالتیں ریاست ہذا میں ہووے گی۔

واقع ماگھ شکل ۲ تاریخ ۲-۲-۳۸ء سمبت ۱۹۹۴ء

نمبر ۹۰۶۰

۱۹۸۶ء سمبت میں کچہری خالصہ گروے سے جدا قائم ہوئی اس وقت حدود شہر کے اندر علاوہ پرائیویٹ ہاؤس وچوک یعنی لوگوں کی ملکیت کے تھا یا کچھ تلیے مکان ، راستے اور ان کے حق حقوق کی حفاظت کا تعلق کچہری خالصہ سے کیا جاکر باغ باڑیوں کا تعلق بدستور حاکم گروا سے رکھا گیا لیکن اب ایڈمنسٹریشن

نیز دیوانی عرف فتح پورا بھی سٹی ایریا یعنی یہ کل حدود شہر قائم کی جاکر ان میں کی آبادی کا تعلق بھی کچہری خالصہ سے کیا گیا ہے۔ جو زمین باغ باڑی و کاشت نیز بندوبست شدہ ہے اس کا تعلق بدستور محکمہ مال سے رکھا گیا ہے۔ اگر ریونیو نمبروں میں سے کوئی زمین مکانات کے لیے دی جانا کچہری خالصہ مناسب سمجھے تو اس کے لیے وہاں رپورٹ پیش ہونے پر بعد دریافت محکمہ مال و زمین کاغذات بندوبستی سے خارج کرائی جاکر منظوری دی جانے پر کچہری خالصہ اس کو واپس دینے کی کارروائی کرسکے گی۔ لہٰذا اشتہار ہٰذا ہر خاص و عام کی آگاہی کے لیے مشتہر کیا جاتا ہے فقط۔

پربھاش چندر چٹرجی

از میگزین

(سجن کرتی سدھاکر اُودے پور)

۴۲۹ع واقع بیساکھ کرتی ۶ر دوتی تاریخ ۲۹ ر اپریل ۱۹۳۸ء ر سمت ۱۹۹۵

میگزین میں سنہ ۱۹۹۵ سمت کے لیے ہتھیار 'امیونیشن' کی صفائی کے لیے پراچونی سامان یہاں کے متعلق کا جو کوئی سپلائی کرنا چاہیں دفتر ہٰذا کے افسر سے آکر تاریخ ۱۰ ر جون ۱۹۳۸ء تک ٹینڈر فارم لے جاکر واپس تاریخ ۱۲ ر جون ۱۹۳۸ء کو سیل بند ٹینڈر پیش کر دیویں۔

۴۵۶ع واقع تاریخ ۲۶ ر اپریل ۱۹۳۸ء

میگزین تعلقہ ایکلنگ گڈھ جہاں دن رات توپیں چلتی ہیں اس جگہ ضروری ضروری کم ٹھانا کے متعلق مرمتی کام کروانا ہے سو جو کوئی شخص کرنا چاہے اپنا اپنا بھاؤ تاریخ ۵ ر مئی سن رواں کو میگزین میں آکر سیال بند پیش کر جاوے کام جو جو کروانا ہے وہ یہاں آنے اپر دکھلا دیا جاوے گا۔ موتی سنگھ

نوٹس از عدالت منصفی شہر

واقع چیت کرشن ۸ تاریخ ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ سمت ۱۹۹۴

بصیغۂ ابتدائی ۸۰ سمت ۹۴

منوہر لال ولد پونم چند تو تاوت ساکن شہر مدعی — بہار الدین خاں ولد شنکر و خاں سوداگر ساکن شاہ پورہ مدعا علیہ

دعویٰ روپیہ ۱۰۹

مدعا علیہ سکونت پر نہیں ملنے سے نقل دعویٰ بنام مدعا علیہ واسطے آگاہی میواڑ گزٹ میں شائع ہونا ضرور لہٰذا پیشی بیساکھ شدی تاریخ ۸ مئی ۱۹۳۸ء مقرر ہووے اور مدعا علیہ کو ہدایت ہو کہ مضمون نقل دعویٰ سے واقف ہو کر قبل پیشی جواب دعوے پیش کر دیوے ورنہ ایک طرفہ کارروائی ہوگا۔ فقط

حکم عدالت منصفی

یہ نقل دعویٰ و نقل ثبوت واسطے اِدخال جواب مدعا علیہ کو دی جاوے سمت ۱۹۹۳ کاتی بدی ۱۲ تاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء بہ سدھ شری کنور جی صاحب شری پانچ شری تیج سنگھ جی صاحب اِتان سہا منوہر لال ولد پونم چندر جی بیسر نند لال تو تاوت ساکن مجرو بنچا دسی ایریخ۔

منظہر مدعی — سوداگر آسو خاں جی بٹیا بہار الدین خاں ساکن سہا پورہ مدعا علیہ

دعویٰ ۵۰ دلاپانے

مراتب دعوے حسب ذیل ہیں :-

(۱) اول مدعا علیہ سے مورخہ اساڑھ سدی ۱ سمبت ۹۸ کو ۹ باقی نکلائے جس مد ۶ کلدار ۵ جو ڑ کی جس کے نام کی نقل ہمراہ ہذا پیش ہے۔

(۲) دوئم ان روپیہ بابت چند مرتبہ تقاضہ کیا تو روپیہ جمع کرانے میں ٹالاٹولی کرتا ہو اس لیے بنا مخاصمت دعویٰ پیدا ہوئی۔

(۳) سوئم بیاج لینے کی شرط ہو سو بیاج کی سمبت ۱۹۸۹، اساڑھ سدی ۱ر سے سمبت ۱۹۹۳ کا آسوج دوی ۱۳ر تک عہ انگیتریے کے حساب سے برس مین ماہ آٹھ دن تین سگے وکرڑے ۱۷،۱۷ ہوتے ہیں جس کے روپئے ؎؎ ہوتے ہیں۔ مد ؎؎ کلدار وچتوڑی ؎؎ جملہ روپیہ اٹھارہ اڑھائی آنہ رکھے ہیں۔

(۴) چوتھے کلدار روپئے ؎؎ بتی کے روپئے ؎؎ حساب سے ؎؎ ہوتے ہیں۔

(۵) پانچواں استدعا یہ ہو کہ اصل روپیہ ؎؎ وکلداروں کی بتی کے روپئے ؎؎ وبیاج کے روپئے ؎؎ جملہ روپیہ ؎؎ مانگتا ہوں علاوہ خرچہ مقدمہ کی ڈگری بخشائی جاوے۔

(۶) نقل دعویٰ دکھاتا مدعا علیہ کو دینے کے لیے اسی کے ساتھ پیش ہو۔

(۷) یہ دعویٰ حلفیہ صحیح لکھ پیش کرتا ہوں۔ سو دائر فرمایا جاوے سمبت ۱۹۹۳۔ اسوج بدی ۱۳ر دستخط مناریے لال تونا وت کا۔

دعوے دار۔ نند لال

واقع بتیر اشکل ۶ تاریخ ۷ر اپریل ۱۹۳۶ء سمبت ۱۹۹۴

بصیغہ ابتدائی ۱ر سمبت ۹۴

مسماۃ بھوری بیوہ الورا جپوت	گوپال ولد ہیرا راجپوت ۱ر بھونیلفور بھمبواڑہ ۲ر
ساکن شہر مدعیہ	انبہ لال راجپوت ۳ر ساکنان شہر مدعا علیہما

دعویٰ روپیہ ؎؎

مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ ۱ر کا لاپتہ ہوکر واسطے آگاہی مدعی نوٹس مع نقل دعوے

میواڑ گزٹ میں شائع کروانا چاہتی ہو لہذا پیشی ۱۲ ار مئی ۳۰ء بیساکھ شدی ۱۲ ار مقرر کی جاکر مدعا علیہ ۱ کو ذریعہ نوٹس ہذا ہدایت کی جاتی ہو کہ مضمون نقل دعویٰ سے واقف ہوکر قبل پیشی جواب دعویٰ کردیوے ورنہ کارروائی یک طرفہ ہوگی۔ فقط

نقل دعویٰ مسماۃ بھوری بیوہ لالو راجپوت ساکن شہر سمبت ۱۹۹۳

اپنیر پنچ دو میں مدعی بھونیشور جی ولد گنیش ور جی ۱ گوپال ولد ہمیر جی راٹھور ساکن شہر محلہ راؤ جی کو ہاٹہ ۲ مدعا علیہ دعویٰ روپیہ لہ صہ ر وسود ؎لعہ ر لینا تھا۔ جملہ لعہ ر

مراتب دعویٰ حسب ذیل ہیں

(۱) مدعا علیہ کے والد گنیشور جی میں میرا ادھرت روپیہ لہ صہ ر لینا تھا جس کی تحریر مدعا علیہ ۱ والد گنیشور جی نے مدعا علیہ ۲ سے اپنے نام کی لکھا مجھ کو منتقل کردی۔

(۲) تحریر دعویٰ نوشتہ مدعا علیہ ۲ از طرف والد مدعا علیہ ۱ ماہ پوس ۹ شدی سمبت ۸۸ ۔ دستخطی مدعا علیہ میرے پاس منتقل ہوئی۔

(۳) اصل رقم لہ صہ ر سود ؎لعہ ر سمبت ۸۸ سے آج متی تک اوڈرا جملہ روپیہ لعہ ر مدعا علیہ ۲ میں واجب الباقی ہو۔

(۴) ثبوت میں نقل تحریر نوشتہ مدعا علیہ ۲ نقل دعویٰ کے ساتھ ہمراہ ہذا پیش ہو۔

(۵) مدعا علیہ کو چند مرتبہ ادائیگی زر رقم بابت تقاضہ کیا لیکن ادائیگی نہ کر ٹالاٹولی کرتا رہا جس سے بنائے مخاصمت پیدا ہوئی۔

لہذا استدعا ہو کہ بعد تحقیقات برخلاف مدعا علیہ ۱ و ۲ مجھ مدعیہ کو کل روپیہ لعہ ر وہرجا اسٹامپ وکورٹ فیس سمیت ڈگری عطا فرمائی جاوے۔

میں حلفیہ تصدیق کرتی ہوں کہ مضمون دعویٰ میرے علم میں یقین سے صحیح ودرست ہو فقط

واقع بیساکھ کرشن ۹ تاریخ ۲۴ر اپریل ۳۸ء سنبت ۹۴ ۱۹

بصیغہ ابتدائی ۱۱ر سنبت ۹۳

گردھاری سنگھ جی ولد سیس مل جی کھیسرا بال کشن ولد شری کرشن چھوٹا پلی وال
ساکن شہر مدعی ساکن اروکی پوپلی ضلع سہاڑا مدعا علیہ

دعوی روپیہ ماہر ۳۵ ر

مدعا علیہ کے جانب سے متعلق تنقیحات ثبوت وشہادت پیش نہیں ہوئی اور مدعا علیہ کو اطلاع ملی ثمن بھی وقت پر نہیں آتا بایں وجہ پیشی ۵ ار جیٹھ مقرر کی جاکر مدعا علیہ کو ذریعہ نوٹس ہذا ہدایت کی جاتی ہو کہ پیشی سے واقف ہو کر تنقیحات کے متعلق جس قدر ثبوت وشہادت ہو وہ پیش کر دیوے تاکہ شہادت ثبوت لینے بعد تجویز کی جاوے۔ بصورت دیگر کارروائی موجودہ پر تجویز مناسب کر دی جاوے گی۔

حکم عدالت منصفی

اشتہار

از جوڈیشل کورٹ میجا

واقع بیساکھ کرشن ۸ تاریخ ۱۸ر اپریل ۳۸ء سنبت ۱۹۹۴

چونکہ یہاں کے جوڈیشل افسر نے استعفا دے دیا ہو اس لیے اس کام کے واسطے کسی دوسرے شخص کو جو اس کام کے کرنے کے قابل ہو انگریزی میں بھی ضرورت موافق کام کر سکتا ہو ایسا آدمی بھرتی کرنے کی ضرورت ہو لہذا اعلان کیا جاتا ہو کہ جو کوئی شخص اس عہدے پر نوکری کرنا چاہے اندر میعاد دو ہفتہ درخواست پیش کر حاضر کورٹ ہذا ہووے تاکہ اس سے گفتگو کر اس کی قابلیت موافق تنخواہ طے کی جاوے فقط۔

جوڈیشل کورٹ میجا۔

ازجوڈی شیل کورٹ ناتھ دوارا

واقع تاریخ ۱۷ اپریل ۱۹۳۶ء

ہری کرشن ولد شیو ناتھ سری دھر ولد امر چند رسونی بلبھ ٹھل گردھاری دامودر و نابالغ
ساکن ناتھ دوارا محلہ پھاٹک کا دروازہ مدعی اننتدی لال ولد پرس رام بولایت بلبھ ولد پرس رام جنیارہ
ساکن اجن محلہ چیتیاراکی گلی مدعا علیہم

دعوٰے روپیہ الف ۱۲۲۰ مقدمہ فیصل ۹۹ سنبت ۹۴

معاملہ ہذا میں درخواست مدعی پیش ہوئی کہ مدعا علیہم لاپتہ ہیں۔ اوران کو تجویز کی اطلاع دلانا ہے۔ سو نوٹس مدعا علیہم کے نام گزٹ میں شایع کرایا جاوے لہذا پیشی تاریخ ۹ رمئی ۱۹۳۶ء بیساکھ سدی ۱۰ مقرر کی جاکر مدعا علیہم کو ذریعہ نوٹس ہذا آگاہی کی جاتی ہے۔ بروز پیشی بوقت چھ بجے صبح واسطے سننے تجویز کے حاضر کورٹ ہو میعاد اپیل تاریخ پیشی سے شمار ہوگی۔

جوڈی شیل کورٹ ناتھ دوارا

سوچنا

سمت ۹۴ عنقریب ختم ہونے والا ہے اس لیے سوچت کیا جاتا ہے کہ سال رواں کی فیس اخبار فوراً ہی بھجوانے کی کارروائی کی جاوے اور گزشتہ سالوں کی فیس بھی جن جن گراہکوں کے ذمے باقی ہے ۳۱ رمئی بیشتر جمع کرادیں۔

مینجر سجن جنتر الہ اُدے پور

از عدالت ضلع ساوڑی خرد
واقع تاریخ ۱۲ر اپریل ۱۸۳۰ء

نمبر ۲۰

دربارہ کاغذات بحالت مشتبہ پیش ہونے پانچ راس بھینسیاں بقبضہ باوری ساکن تیلن کھیڑی علاقہ گوالیار بہ رپورٹ تھانہ ساوڑی عذر دار بھگا باوری بھبورا۔

چونکہ من جانب پولیس ساوڑی بتاریخ ۲۳ر مارچ ۱۸۳۰ء مال از قسم مویشی پانچ راس بھینسیاں مالیت روپیہ ما صیـــہ بصیغہ مشتبہ چالان عدالت ہذا میں آیا ہی لہذا یہ اشتہار میعادی ایک ماہ جاری ہو کر ہر خاص و عام کو اطلاع دی جاتی ہی کہ جس کسی کو نسبت مال مذکور دعویٰ ہی اندر میعاد حاضر ہو کر اپنا دعویٰ ثابت کرے ورنہ بعد انقضائے میعاد ضبط سرکار کا قبضہ ہوگا۔

حلیہ یا تفصیل مال

(۱) بھینس رنگ کالی ماتھا چاند ناٹیکہ سفید پونچھ چنورا عمر پانچ سال قیمت للعــہ ر

(۲) بھینس رنگ کالی سینگ ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت عمر چھ سال قیمت سعــہ ر

(۳) پاڑی رنگ کالی سینگ عمر ڈھائی سال قیمت صعــہ ر

(۴) پاڑی رنگ بھوری سینگ ایک ایک بینت لمبے عمر ڈھائی سال قیمت صعــہ

(۵) بھینس رنگ کالی سینگ پونے دو دو بالشت کان برابر اوپر سے کچھ ٹرے ہوئے پونچھ کچھ کالی کچھ سفید بال عمر دس سال قیمت صعــہ ر

حاکم عدالت ساوڑی خرد

۲۔ بانسواڑہ

عام حالات

ریاست بانسواڑہ راجپوتانہ میں میواڑ رزیڈنسی کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس کی کل آبادی ۲ لاکھ ۲۵ ہزار ایک سو ۶ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس ریاست میں اُردو زبان اور رسم الخط سرکاری طور پر کبھی استعمال نہیں ہوا۔ البتہ پولٹیکل ایجنسی یا رزیڈنسی سے خط وکتابت، اُردو رسم الخط اور زبان ہی میں ہوا کرتی تھی۔ اب اس کی جگہ انگریزی زبان نے لے لی ہے۔

اگرچہ یہاں کے دفاتر میں اُردو کبھی استعمال نہیں ہوئی، پھر بھی یہاں کی موجودہ سرکاری تحریروں میں اُردو کے بہت کافی الفاظ ملتے ہیں اور اگر رسم الخط کو علیحدہ کرلیا جائے تو اس زبان کے ہندستانی (اُردو) ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ موجودہ مہاراجہ کے گدی نشین ہونے سے قبل یہاں ایک انتظامی کونسل قائم تھی اور انگریز حکمرانی کررہے تھے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس عہد میں اُردو زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا کیوں کہ ملازمتوں میں مسلمانوں کی موجودگی کے علاوہ انگریز بھی ہندستانی زبانوں میں اُردو ہی سے واقف تھے اور اُسی میں کاروبار کرتے تھے۔

عام طور پر یہاں بھیلی بولی جاتی تھی۔ یہاں کی کثیر آبادی بھیل اقوام پر مشتمل ہے اس لیے بھیلی کا بولا جانا قرین عقل بھی ہے۔ لیکن یہ خالص بھیلی نہ تھی بلکہ متعدد دوسری بولیوں کی آمیزش سے ایک نئی بولی تیار ہوگئی تھی۔ اسی کو یہاں بھیلی

یا واگڑی کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ساری ریاست میں زبان کی یکسانیت نہیں پائی جاتی، مختلف حصّوں میں اس کے مختلف نام ہیں۔ علاقۂ گجرات اس کی حدُود سے ملا ہُوا ہے اس لیے اُس علاقے میں گجراتی زبان کا عنصر زیادہ ہے۔ اسی طرح ایک طرف اس کی سرحد ریاست میواڑ سے ملی ہوئی ہے۔ وہاں اس میں میواڑی کا عنصر غالب ہے اور پھر اس سے ہٹ کر یہاں ایک مشترکہ زبان بھی پیدا ہوگئی ہے اس کو گجراتی، بھیلی، میواڑی، اُردُو، ہندی وغیرہ کہہ لیا جائے یا پھر اس کا موزوں نام ہندُستانی ہوسکتا ہے۔ اسی چیز کو سرکاری طور پر یوں تسلیم کیا گیا ہے کہ:۔

"آبادی میں نوّے فی صدی لوگ بھیلی یا واگڑی بولتے ہیں یہ دونوں بولیاں گجراتی سے بنی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی گجراتی اور راجستانی بولنے والوں کے درمیان ایک مشترکہ زبان کا کام بھی دیتی ہیں۔" (بانسواڑہ گزیٹیر ص ۱۶۹)

آگے چل کر بھیلوں کی زبان سے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"بھیلی زبانوں کے متعلق کوئی مکمل تحقیقات نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ آریائی خاندانِ السنہ سے تعلق رکھتی ہیں اگرچہ ان میں بعض اوقات عجیب قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ پھر بھی ہندی اور گجراتی بولنے والوں میں مشترکہ بولی کا کام دیتی ہیں" (بانسواڑہ گزیٹیر ص ۲۳۴)

بہرحال نام کچھ بھی ہو لیکن یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ایک زبان ضرور ایسی ہے جو ساری ریاست میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کا

نام بھی مشترک ہو اور اس کو ہندستانی یا اُردؤ کے نام سے ہی پکاریں، اگر یہ نہ بھی کیا جائے گا تو واقعات اور حقائق کی کوئی تردید نہیں ہوسکتی۔ چونکہ یہ بالکل سچ بات ہو کہ آج بانسواڑہ میں کیا ہندو اور کیا مسلمان ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں اُردؤ بولتا ہو بلکہ اُردؤ بولنے پر فخر بھی محسوس کرتا ہو۔ جنگلی باشندوں کی گفتگو سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہو کہ وہ کس قدر سرعت سے اُردؤ زبان کو قبول کرتے جارہے ہیں۔

دیہات کے سرکاری افسروں کی بولی، جو عام طور پر اُردؤ ہوتی ہو، بھیل لوگ نہ صرف سمجھ لیتے ہیں بلکہ عموماً اسی بولی میں جواب بھی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری مراسلت اور کاروبار کی وجہ سے سینکڑوں اُردؤ اور فارسی کی اصطلاحات اس کی زبان پر بالکل اسی طرح چڑھی ہوئی ہیں، جیسے کہ وہ بھوپال وغیرہ ریاستوں کے گنوار کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں مثلاً معافی دار، کامدار، جاگیردار، نامہ دار، ضرب بانسواڑہ، خالصہ اور صدر، تحصیل وغیرہ وغیرہ

یقیناً ہمیں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں کہ جن سے اگر اُردؤ زبان میں گفتگو کی جائے تو وہ ذرا مشکل سے سمجھ سکیں گے۔ اول تو یہ لوگ زیادہ تعداد میں نہیں ہیں اور جس قدر ہیں ان میں تیزی سے کمی ہو رہی ہو۔ پھر اس نوع کے انسانوں میں دو فرقے ہیں، ایک تو وہ جو جان بوجھ کر ناواقف بنتے ہیں اور یہ جتلاتے ہیں کہ وہ اُردؤ سے یا اُردؤ ملی ہوئی گفتگو سے بالکل ناآشنا ہیں یا پھر وہ ہیں جنھوں نے اپنے گاؤں یا علاقے سے باہر قدم نہیں نکالا ہو۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں چند عام باتوں کے علاوہ ایسے قوی اسباب نہیں ملتے جن کو اُردؤ کی موجودہ قبولیت کا ذمہ دار قرار دیا جا سکے اور یہ اُردؤ زبان کی ہر دلعزیزی اور زندگی کا بڑا قوی ثبوت ہو۔

ریاست کی تعلیمی رفتار بھی اس قدر تیز نہ تھی کہ اس نے مقامی زبان کو تبدیلی پر مجبور کر دیا ہو۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکے گا کہ ۱۸۶۸ء میں کل ریاست کے اندر قصبہ بانسواڑہ میں ایک مدرسہ تھا۔ یہ سرکاری طور پر چلایا جا رہا تھا اور آج کل کے مکتبوں سے بھی بدتر تھا۔ یعنی صرف ایک مدّرِس تعلیم دیتا تھا۔ جس کو نو یا دس رُپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ ۱۹۰۲ء میں اس مدرسے میں ایک انگریزی کلاس کھولی گئی اور اس کو مڈل کے درجے تک لایا گیا۔

تعلیم کی اس کمزور حالت اور دیگر محرّکات کی عدم موجودگی ہی اس کا بیّن ثبوت ہو کہ اُردو ایک زندہ زبان ہو جس نے قدرتی ذرائع اور اپنی فطری صلاحیت سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ ساتھ ہی یہ سچائی ایک بار پھر آشکارا ہوتی ہو کہ اگر زبان اُردو کی طاقت و روانی کو روکا نہ جائے اور اس کی تعلیم جدید طریقوں کے مطابق اچھے اور مستعد اُستادوں کے ہاتھوں ہونے لگے تو اس کے مستقبل کو دنیا کی کوئی طاقت تاریک نہیں بنا سکتی۔

آبادی کی ضروریات اور طالب علموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر موجودہ اُردو مدارس کی تعداد بالکل ناکافی ہو۔ خصوصاً ریاست کے سرکاری مدارس میں اُردو طالب علموں کی حوصلہ افزائی کی سخت ضرورت ہو کیونکہ سرکاری مدارس سے زیادہ طالب علم تو نجی مکتبوں میں اُردو پڑھ رہے ہیں مگر افسوس کہ ان مکتبوں کی حالت بھی امید افزا نہیں ہو۔ اندیشہ ہو کہ کچھ دنوں میں لوگ اس قابل بھی نہ رہیں کہ اپنے بچوں کو اُردو کی ابتدائی تعلیم ہی دلا سکیں۔

۱۹۱۳ء میں بانسواڑہ کی انجمن اسلامیہ نے ایک مدرسہ کھولا۔ ابتدا میں مدرسہ مسلمانوں کے چندے سے چلتا رہا۔ بعد میں مسلمانوں کی درخواست پر دربار بانسواڑہ کی جانب سے ۱۰ر ماہانہ کی امداد ملنی شروع ہوئی لیکن جوں جوں زمانہ

گزرتا گیا اس مدرسے کی ضروریات بھی بڑھتی رہیں اور طلبہ میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ مالی کمزوری کی بنا پر جب اس کے کاموں میں اٹکاؤ پیدا ہوا تو فروری ۱۹۱۷ء میں مسلمانوں کی جانب سے طلبِ امداد کے لیے ایک درخواست سرکار حیدر آباد کی خدمت میں روانہ کی گئی۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں اس درخواست کا جواب اس شکل میں ملا کہ رزیڈنٹ میواڑ کے ذریعے حکومت حیدرآباد نے چند امور کے متعلق استفسار کرتے ہوئے ریاست بانسواڑہ سے سرکاری طور پر سفارش بھی طلب کی۔

اس قسم کی تحریر موصول ہونے پر بے ضابطہ اور سرکاری طور پر اس کی کوشش کی گئی کہ مسلمان امداد کے قبول کرنے سے انکار کردیں۔ چونکہ اس سے بانسواڑہ دربار کی بدنامی ہوتی ہے کہ ان کی رعایا ایک دوسری ریاست سے امداد کی طالب ہے اور وہ خود اس کی دست گیری نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ریاست کی جانب سے یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ اگر مسلمان اس امداد سے انکار کردیں تو انھیں مدد دی جائے گی اور مسلمان ہمیں مطلع کریں کہ وہ کس قدر رقم میں اسکول کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

اوّل اوّل تو مسلمانوں نے اس عمل سے انکار اس بنیاد پر کیا کہ انھوں نے درخواست خود حیدر آباد روانہ کی تھی اور اب یہ صورتِ عمل اختیار کرنے سے ان کی اجتماعی زندگی پر ایک بڑا بدنما دھبہ آئے گا جس کو برداشت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ لیکن بعد میں کچھ اس قدر دباؤ پڑا کہ اپنی مرضی کے خلاف دوسروں کی خواہشوں کے مطابق انکار کرنا پڑا کیوں کہ متعلقہ مسلمانوں میں بیشتر بانسواڑہ کی سرکاری ملازمت سے منسلک تھے اور انھیں خطرہ کیا یقین تھا کہ عدم تعمیل کی صورت میں نقصان پہنچے گا۔

مسلمانوں نے حیدرآباد تو انکار کہلا بھیجا لیکن حکومت بانسواڑہ کے سامنے بھی اپنی ضروریات کا تخمینہ بنا کر پیش کیا جس میں غالباً چالیس رُپے ماہوار اور پانچسو رُپے نقد کا مطالبہ تھا۔ اس پر دس رُپے ماہانہ کا اضافہ ہوا یعنی آئندہ سے اسکول کو بیس رُپے ماہوار ملنے لگے جو اسکول کی ضروریات کے لیے بالکل ناکافی تھے۔

کوئی ان ریاستی افسروں سے پوچھے کہ جب تم اس "عظیم بار" کو برداشت نہیں کرسکتے تھے تو تمھارا اس میں کیا نقصان تھا کہ دوسروں کو ان غریبوں کی حوصلہ افزائی کرنے دیتے۔ کسی ریاست کی رعایا کا دوسروں کی طرف دستِ سوال پھیلانا یقیناً اس ریاست کے وقار اور شہرت کے منافی ہے مگر اس کو روکنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ مناسب نہ تھا۔ اس نے تو زیادہ قوت کے ساتھ بدنام کیا۔

دس پندرہ برس کے بعد ایک نیا شگوفہ کھلا یعنی اس امداد میں اضافہ تو درکنار، ناظمین مدرسہ کو ماہ اگست ۱۹۳۶ء میں نوٹس ملا کہ امداد بند ہونے والی ہے۔ بند کرنے کے وجوہ میں آمدنی کی کمی کا پیش پا افتادہ عذر بھی شامل تھا۔ مدرسے والوں نے ستمبر ۱۹۳۶ء میں درخواست پیش کی کہ اس امداد کو جاری رکھا جائے، ورنہ مدرسے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے کیوں کہ ہم میں اتنی سکت نہیں کہ اس رقم کی کمی کو چندوں سے پورا کرسکیں۔

پورے ایک سال کے بعد اس درخواست کا نتیجہ برآمد ہوا یعنی اکتوبر ۱۹۳۷ء میں حکم ملا کہ امداد پھر جاری کی جاتی ہے مگر ایک سال میں یہ رقم گھٹ کر بیس رُپے سے پندرہ رُپے رہ گئی تھی۔ علاوہ اس کے حکم میں تو اس کی کوئی تصریح نہیں تھی مگر زبانی یہ بھی کہہ دیا گیا کہ یہ امداد صرف دو سال تک دی جائے گی۔

مسلمانوں کو شکایت ہے کہ ریاست نے اُن کے ساتھ فریب سے کام لیا

اور حیدر آباد سے امداد کی جو عمدہ شکل نکل آئی تھی اس سے بھی فائدہ نہیں اٹھانے دیا اور نہ خود ہی کوئی معقول امداد دی۔ جو کچھ امداد دی گئی ہے اُس کے بقا کی بھی کوئی امید نہیں ہے۔ یہ حالت قابلِ افسوس ہے۔

پھر اس سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ ریاستی افسروں میں معقول اور بھلے آدمیوں کی کمی ہے یا افسر ہمدردی سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ اسی ریاست بانسواڑہ کا واقعہ ہے کہ ۱۹۱۲ء میں جب اسی مدرسہ اسلامیہ کے لیے زمین کی ضرورت پڑی اور ایک زمین پسند بھی کر لی گئی تو بعض مفسدہ پردازوں نے میونسپلٹی کے قانون کی آڑ میں اس کے حصول میں روڑے اٹکائے لیکن اسی زمانے میں دیوان ریاست، منشی متھن لال جی ایک بے تعصّب اور فراخ حوصلہ بزرگ تھے، انھوں نے نہ صرف اس زمین کو مدرسے کے لیے حاصل کیا بلکہ نجی طور پر مالی امداد بھی دی، دوسرے لوگوں کو اس مدرسے کی امداد پر آمادہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ انھیں کی وجہ سے یہ مدرسہ قائم بھی رہ گیا، ورنہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔

مدرسۂ اسلامیہ کا موجودہ خرچ پورے چالیس رُپے ماہوار ہے۔ پندرہ رُپے تو دربار سے ملتے ہیں، بقیہ رقم کی فراہمی کے لیے مختلف طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ شہر میں مدرسہ اسلامیہ کی "پیٹی" پھرائی جاتی ہے۔ اس سے آٹھ رُپے جمع ہو جاتے ہیں۔ مدرسے کی عمارت سے ملحق کچھ دکانیں ہیں ان سے چھ رُپے وصول ہوتے ہیں۔ باقی رُپے قربانی کی کھالوں اور دیگر خاص چندوں سے پورے ہوتے ہیں۔

پندرہ رُپے کی سرکاری امداد بند ہو جانا یقینی ہے۔ مدرسین کی تنخواہیں زیادہ نہیں ہیں۔ اس لیے تنخواہوں سے زیادہ جذبۂ ایثار انھیں یہاں روکے

ہوئے ہی - اِدھر طلبہ میں اضافہ ہو رہا ہی - طلبہ میں مفت کتابیں تقسیم کرنے کا مسئلہ بھی زیرِ غور ہی - ان حالات میں مدرسے کی حالت اطمینان کے قابل نہیں ہی۔

مسلمان چاہتے ہیں کہ مدرسے کی موجودہ عمارت میں کچھ اس طرح ترمیم و اضافہ کریں کہ نہ صرف طلبا کے بیٹھنے کے لیے جگہ زیادہ نکل آئے بلکہ دکانوں سے آمدنی بھی زیادہ ہونے لگے اور اس مقصد کے لیے اُنھیں چار پانچ سو کی ضرورت ہی۔ اگر کہیں سے یہ رقم مہیا ہو گئی اور مدرسے کا مکان تعمیر ہو گیا تو بانسواڑہ اور آس پاس کی دوسری ریاستوں کے لیے یہ مدرسہ ایک اچھا مرکز بن سکتا ہی۔ مسلمان اس پر بھی آمادہ ہیں کہ مدرسے کا انتظام انجمن ترقی اُردو (ہند) اپنی نگرانی میں چلائے اور باہر سے کسی مدرس کو یہاں بھیج کر نئے پروگرام سے اس مدرسے کا کام شروع کرے۔

بانسواڑہ میں ایک مدرسہ بوہرہ قوم کا ہی۔ اس مدرسے کا نام "مدرسہ فخریہ" ہی۔ اس کا انتظام بہت معقول ہی۔ اس مدرسے میں خصوصیت یہ ہی کہ گجراتی کے ساتھ بچوں کو اُردو زبان اور رسم الخط سے بھی واقف کرایا جاتا ہی لیکن یہ تعلیم چوتھے درجے میں دی جاتی ہی۔ ابتدا میں بچوں کو گجراتی ہی پڑھائی جاتی ہی مگر اس میں اتنا ضرور ہوتا ہی کہ زبان تو گجراتی ہوتی ہی لیکن رسم الخط اُردو اور گجراتی دونوں ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ا

(الف) ۲۲ ہزار ۸ سو ۲۱ نفوس کی مادری زبان اُردو ہی۔

(ب) ایک لاکھ ۸ سو ۷۳ نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں۔

(ج) سات سو نفوس ایسے ہیں جو اُردو صرف پڑھ سکتے ہیں لیکن اس کے

ساتھ صرف ۲۷۵ نفوس ایسے ہیں جو پڑھنے کے ساتھ اُردو لکھ بھی لیتے ہیں۔

(د) ۸۰ ہزار نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر۲

(الف) سرکاری اسکول دو ہیں اور امدادی اسکول بھی دو ہیں۔

(ب) ایک مڈل اسکول ہے دوسرا درجہ ششم تک ہے اور بقیہ دو میں پرائمری تعلیم کا انتظام ہے۔

(ج) اجمیر بورڈ اور انجمن حمایت الاسلام لاہور کا نصاب ہے۔

(د) طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۱۰ ہے۔

سوال نمبر۲

غیر سرکاری مکتب ۸ ہیں مگر ان میں سے ۴ مکتب تو ایسے ہیں جو مستقل طور پر تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ بقیہ ۴ ایسے ہیں جن کو مستقل حیثیت نصیب نہیں ہے بلکہ کبھی تو یہ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور کبھی بالکل بند ہو جاتے ہیں۔ طلبہ ۲۸۵ ۔

سوال نمبر۴

دو کتب خانے ہیں اور دونوں سرکاری ہیں۔ ایک خاص بانسواڑہ میں ہے۔ اس کو میونسپلٹی گرانٹ بھی دیتی ہے۔

حصہ دوم

سوال نمبر ۷

(۱) مولوی محمد حسین صاحب قاضی ریاست بانسواڑہ۔
(۲) منشی بشیر احمد صاحب پٹیل۔ لکھارواڑی۔ بانسواڑہ۔
(۳) حاجی مرزا حسن بیگ صاحب نگراں مدرسہ اسلامیہ۔
(۴) جناب وزیر شہید صاحب، خادم مدرسہ کشن پول۔

دستاویزات

اِن کا رسم خط ناگری ہے

سمن حاضری گواہ از محکمۂ صدر عدالت دیوانی

راج بانسواڑہ

مقدمہ ۲۱۲

بنام

مدعی

مدعا علیہ

دعوےٰ رُپے ۸۸-۱۲-۰

اس مقدمہ میں واسطے شہادت منجانب مدعی حاضری کا سمن پیشی تاریخ ۲۱ر دسمبر ۱۹۳۷ء کا تم کو دیا گیا تھا لیکن تم حاضر نہیں ہوئے۔ اس لیے پیشی تاریخ ۳۱ر جنوری ۱۹۳۸ء مقرر کر اطلاع دے کر تم کو لکھا جاتا ہے کہ تاریخ معینہ پر حاضر ہو۔ بصورت عدم حاضری حسب منشاء آرڈر ۱۶ قاعدہ ۱۲ ضابطہ دیوانی کے موافق کارروائی کی جائے گی۔

آج تاریخ ۱۷۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کو میرے دستخط و مُہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

سول جج

اشتہار مجریہ صدر عدالت فوجداری ریاست بانسواڑہ

باہتمام ________ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ

واقع ____ ماہ ____ سن ۱۹۳ عیسوی

فرسٹ کلاس مجسٹریٹ

شری راجیشور

جوکہ راس ____ حسب حلیہ ذیل پیش کردہ ________ -
بصیغہ لاوارث عدالت ہذا میں موجود ہے لہذا اشتہار ہذا جہت حاضری وارث اعلان کرا اطلاع دی جاتی ہے کہ جو کوئی مالک مویشی مذکورہ ہووے اندر میعاد چھو ماہ حاضر ہوکر بعد ادخال زرِ چرائی وثبوت لے جاوے ورنہ بعد منقضائے میعاد راس مذکور نیلام ہوکر زرِ نیلام امانت سے چھو ماہ کے بعد تاریخ اشتہار ہذا سے داخل خزانہ سرکار کیا جاوے گا اور پھر کسی کا عذر قابلِ سماعت نہیں ہوگا۔
تفصیل مال حلیہ مویشی .. .. ..

اشتہار راج شری محکمہ خاص کورٹ آف وارڈس ریاست بانسواڑہ
واقع تاریخ ۳۰ مارچ ۳۸ء

چونکہ ٹھیکا ناخود بوجہ انتقال ہوجانے مہاراج رگھ ناتھ سنگھ جی زیر نگرانی کورٹ آف وارڈس کے لیے گیا ہے لہذا ہر خاص وعام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ جس کسی کا اس ٹھیکانے کے ساتھ لین دین ہے اندر میعاد تین ماہ محکمہ ہذا میں درخواست پیش کرے ورنہ بعد گزرنے میعاد کے سماعت نہ ہوگا فقط۔

دستخط۔ دیوان دربار بانسواڑہ اسٹیٹ

از پیلس انجنیرنگ ڈیپارٹمنٹ
واقع چیتر شکل ۱۳ تاریخ ۱۲ اپریل ۳۸ء سنبت ۹۴
۱۲/۴

ڈیپارٹمنٹ ہذا میں کم ٹھلنے متعلق سامان لکڑی پاٹی ُساگوان دیسی ولایتی لوہے، پتیل، رنگ رتھ، رستے، ڈوری پھاندنے وغیرہ سامان کی سنبت ۹۵ کے سال کے لیے ضرورت ہوگی جس سلسلے میں ہر خاص وعام کو ذریعہ ہذا آگاہی کی جاتی ہے جس کسی کو سنبت ۹۵ کے سال کے لیے کم ٹھانے متعلق سامان دینا ہو وہ ڈیپارٹمنٹ ہذا میں حاضر آکر فہرست (متعلق سامان) تفصیل وار ایک آنہ فیس کا داخل کرکے حاصل کرنے اور جو سامان تمھارے یہاں سے دیا جاسکتا ہے اس کی ریٹ مع میکر فہرست میں درج کر تاریخ ۵ مئی ۳۸ء تک سیل بند ٹنڈر ڈیپارٹمنٹ ہذا میں پیش کرے۔

پیلس انجنیر

۳- سروہی

عام حالات

ریاست سروہی راجپوتانہ میں سیواڑ رزیڈنسی کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ راجپوتانہ میں اس ریاست کو بہت شہرت حاصل ہے۔ اس کے تین اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ اس ریاست نے مغل، راٹھور اور مرہٹہ طاقتوں کی شاہی کو کبھی بھی قبول نہ کیا۔ اس کے علاوہ ریاست کا شاہی خاندان نہ صرف پرتھوی راج چوہان سے خاندانی اور قریبی تعلق رکھتا ہے بلکہ جنگ مہابھارت کے دلیر، جنگجو اور حوصلہ مند سپاہیوں کی نسل سے بھی اس کا سلسلہ ملتا ہے۔

اس کی شہرت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ راجپوتانہ اور اجمیر کی برطانوی حکومت کا گرمائی مستقر آبو پہاڑ اس ریاست کا ایک حصہ ہے جس کا اجارہ برطانوی حکومت کو دے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کی مقدس عبادت گاہوں سبک اور خوبصورت کٹاروں نے بھی اس کو مشہور و معروف کر دیا ہے۔

اس کی خود مختاری اور سیاسی آزادی نے ایک بڑی حد تک اس کے تہذیب و تمدن اور رواج و معاشرت کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھا تھا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم دیہات میں رہنے والوں کو موجودہ اُردو زبان سمجھانے میں دقت محسوس کرتے ہیں خصوصاً دیہات کی عورتیں اول تو اُردو زبان سمجھتی ہی نہیں اور اگر سمجھتی بھی ہیں تو ذرا مشکل پیش آتی ہے۔ اُردو کا رواج جو کچھ بھی ہے وہ صرف شہری آبادیوں میں ہے۔

تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بولی یا زبان صاف اور مہذب ہوتی جاتی ہے۔ سروہی اور اس کے دیہات میں ہمیشہ ایک محدود بولی یعنی مقامی مارواڑی بولی جاتی رہی اور تعلیمی پستی کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہاں کی بولی نہ تو زمانے کی ضروریات کا ساتھ دیتی اور نہ اُس میں اُردو سے قریب تر ہونے کا رُجحان

پایا جاتا ۔ شاہی خاندان کو رعایا کی تعلیمی ترقیوں کی طرف مطلق توجہ نہ تھی ۔ چنانچہ ۱۰-۱۹۰۹ء میں پوری ریاست کے اندر صرف قصبہ سروہی میں ایک مدرسہ تھا جس میں انگریزی کے ساتھ اُردو اور ہندی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی ۔ یہ مدرسہ آٹھویں جماعت تک تھا ۔

ظاہر ہو کہ تنہا ایک مدرسہ تعلیمی ترقیوں اور لسانی تبدیلیوں کا ضامن نہیں ہو سکتا تھا ۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ سروہی کی شہری آبادیوں کی زبان بہت صاف اور قدرے شستہ بھی ہو اور نہ صرف یہ بلکہ دیہات میں بھی اُردو زبان کے خاصے اثرات پائے جاتے ہیں تو قدرتی طور پر ایسے اسباب کی تلاش ہوتی ہو جو مقامی بولی پر اثر انداز ہو کر اُس میں ان تبدیلیوں کا سبب ہوئے ہوں ۔

گزشتہ دور کے جائزے اور پرانی تاریخوں کی ورق گردانی کے بعد چند قطعی اور غیر مبہم نتائج نکلتے ہیں اور انھیں کو زبان کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں ۔ وہ یہ ہیں :-

(۱) عہد مغلیہ میں جبکہ صوبہ گجرات تجارتی سرگرمیوں کا عظیم الشان مرکز تھا ریاست سروہی کو اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے خاص اہمیت حاصل تھی ۔ جس قدر تجارتی قافلے دارالسلطنت اور شمالی ہند کے دوسرے بڑے شہروں سے تجارت کرنے جاتے تھے ، اُن کے لیے سروہی سے گزرنا ناگزیر تھا ۔ خود سروہی کا تجارتی کاروبار بہت بڑھ گیا تھا اور آگرہ ، بھٹنڈا ، کانپور اور یو ۔ پی کے دیگر شہروں سے تاجروں اور دوسرے لوگوں کی آمد و رفت روز مرہ کی بات تھی ۔

(۲) اگرچہ سرکاری طور پر تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی لیکن نجی مکتبوں اور پاٹ شالوں کی کثرت تھی ۔ خصوصاً مکتبوں نے یہاں کی زبان کو بہت

فائدہ پہنچایا۔ کہا جاتا ہی کہ آج سے اسّی نوّے برس پہلے ایک بزرگ قاضی منیر علی صاحب درس و تدریس کے ذریعے یہاں بڑی خدمات انجام دے رہے تھے۔ لوگوں کا بیان ہی کہ اُنھوں نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں طلبہ کو فارسی کی تعلیم دی تھی اور انھیں طلبا میں سے اکثر دیہات میں جاکر تعلیم و تعلم کا کام کرتے تھے۔

(۴) ۱۸۸۱ء میں ریلوے جاری ہوئی۔ اس نے اُردو زبان کی اثراندازی کو زیادہ طاقت ور بنا دیا۔

ان سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ اُردو کے اثرات خواہ مخواہ نہیں ہیں، بلکہ اندر ہی اندر غیر محسوس طریقے پر کچھ محرکات اپنا کام کر رہے تھے اور ریاست کی سیاسی اور معاشرتی آزادی بھی ان محرکات کے لیے روک نہ بن سکی۔ تجارت زیادہ تر مہاجن قوم کے ہاتھوں میں رہی ہی اور یہ قوم اس خصوص میں بڑی محنتی اور جفاکش مشہور ہی۔ ہندُستان کے بڑے بڑے شہروں سے اس کے تعلقات ہیں۔ اپنے تجارتی کاروبار کے لیے اسے سروہی کے دیہات میں بھی جانا پڑتا ہی۔ پہلے تو یہ خود دوسری زبانوں کے اثرات قبول کرتی ہی اور پھر سروہی کے باشندوں کو اس سے متاثر بناتی ہی۔

ایک نامعلوم عرصے سے یہ عمل اسی طرح ہوتا چلا آتا ہی اور ریلوے کے اجرا نے اس کو چار چاند لگا دیے۔ مختصر یہ کہ اثر و قبول کی یہ تحریک دن بدن قوت پکڑتی جاتی ہی۔ سرکاری طور پر اس حقیقت کا اعتراف گزیٹیر کے اوراق میں یوں کیا گیا ہی کہ :-

"تجارت میں ترقی اور جینی مندروں کے جاتریوں ہیں اضافے کے علاوہ ریلوے نے مقامی باشندوں کی زبان کو بھی ایک حد تک

متاثر کیا ہی۔

یہی وجہ ہی کہ عام طور پر مقامی مارواڑی بولی میں ہندستانی الفاظ کا ایک معتد بہ حصہ ملا جُلا نظر آتا ہی اور ساتھ ہی ایک یا دو انگریزی الفاظ بھی سنائی پڑتے ہیں۔"

سرکاری دفتروں میں ہندی رسم الخط اور ہندستانی یا اُردو زبان استعمال ہوتی ہی۔ پہلے دوسری ریاستوں اور برطانوی ہند کے دفتروں سے جس قدر خط وکتابت ہوتی تھی اس کی زبان کے ساتھ ساتھ رسم الخط بھی اُردو ہوتا تھا۔ اس خط وکتابت کے لیے ایک علیحدہ کلرک رہتا تھا جس کو ۱۹۳۳ء تک اس خدمت کا معاوضہ ملتا رہا۔ اب رفتہ رفتہ اس کی جگہ انگریزی نے لے لی ہی۔

قدیم مراسلت کے دیکھنے سے پتا چلتا ہی کہ سرکاری تحریروں میں بھی مقامی بولی (مارواڑی) استعمال ہوتی تھی لیکن زمانے کے اثرات نے رفتہ رفتہ سرکاری کاغذات سے اس کو ہٹانا شروع کیا۔ پھر 'اُردو' نے اس کی جگہ لینی شروع کی۔ ابتدا میں یہ اُردو بگڑی ہوئی اُردو تھی مثلاً "مہارانی صاحبہ" کی بجائے "مہارانی صاحبن" استعمال ہوا کرتا تھا۔

غرضیکہ اُردو زبان کو بعد میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ نہ صرف رعایا اُسے پسند کرنے لگی بلکہ سرکاری طور پر اس کے استعمال کو پسندیدہ سمجھا گیا۔ چنانچہ سرکاری تحریروں کے علاوہ خطابات وغیرہ بھی قدیم طرز کے استعمال ہونے لگے۔ مثلاً "مشیر الملک"، "اشرف الاطباء" وغیرہ۔

پہلے تو کبھی کبھی مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے مگر اب سوائے قصبہ آبو روڈ کے اور کہیں مشاعرہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ خاص خاص شاہی تقریبوں کے موقع پر لوگ نظمیں لکھ کر ضرور سناتے ہیں مثلاً دربار کی سالگرہ کے موقع پر لوگ اُردو

زبان میں قصیدے اور نظمیں لکھ کر لاتے ہیں۔

ریاست کی کل آبادی ۲ لاکھ ۱۲ ہزار ۲۰ نفوس پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر ۱

(الف) ۸۱ ہزار ۲ سو ۴۲ نفوس کی مادری زبان اُردو ہے۔
(ب) ۵۰ ہزار نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردو بولتے ہیں۔
(ج) ۳ ہزار نفوس اُردو لکھتے پڑھتے ہیں۔
(د) ۵ ہزار نفوس اُردو سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر ۲

(الف) سرکاری مدارس ۴ ہیں۔
(ب) ایک ہائی اسکول ہے۔ بقیہ پرائمری مدارس ہیں۔
(ج) اجمیر بورڈ کا نصاب ہے۔
(د) طلبہ کی مجموعی تعداد ۵۰ ہے۔

سوال نمبر ۳

تقریباً ۴ نجی مدرسے ہیں۔ ان میں عام طور پر قرآن شریف کے ساتھ ساتھ اُردو بھی پڑھائی جاتی ہے مگر حالت امید افزا نہیں ہے اور نہ یہ مدارس یہاں کی ضروریات کے لیے مکتفی ہیں۔ طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۲۰ ہے۔

سوال نمبر ۴

پبلک لائبریری کوئی بھی نہیں ہے۔ صرف ہائی اسکول سے متعلق ایک لائبریری ہے۔ اس میں بھی نصاب تعلیم کی کتابیں زیادہ ہیں۔

ریاست سروہی کی ایک دستاویز ہمیں
مل گئی ہے - ہم چاہتے تھے کہ اس کو
اردو رسمِ خط میں لکھ دیں تاکہ زبان
کا اندازہ ہو سکے لیکن افسوس کہ وہ
کیتھی حروف میں ہے اور باوجود انتہائی
کوشش کے اس کو پڑھا نہ جا سکا۔

۶

برطانوی راجپوتانہ

اجمیر

عام حالات

اجمیر میرواڑہ برطانوی ہند کا ایک صوبہ ہے، اس کا انتظام سرکاری مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہے، اسے راجپوتانہ کے مرکزی مقام ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کی کل آبادی ۵ لاکھ ۶۰ ہزار ۲ سو ۹۲ نفوس پر مشتمل ہے۔ یوں تو خواجہ غریبؒ نواز کی آمد کے ساتھ ہی یہاں اُردو زبان کی بنیاد رکھ دی گئی تھی اور اس لیے اجمیر میں اُردو زبان کا استعمال قدیم سے چلا آتا ہے مگر اس کی قدامت ثابت کرنے کا یہ کوئی محل نہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں صرف یہ کافی ہے کہ اگر کسی کو اس کے ماننے میں تامل ہو تو وہ اجمیر اور اس کے دیہات میں چل پھر کر تصدیق کرلے کہ وہاں اُردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے یا نہیں۔ اپنے سفر میں اُسے اُردو کی قدامت کا احساس اور اس کی ہر دلعزیزی کا اندازہ بخوبی ہو جائے گا۔

اس قدامت کے باوجود گزشتہ زمانے میں اُردو، تحریری اغراض کے لیے بہت کم استعمال ہوئی ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں جب اجمیر میرواڑا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ظل حمایت میں آیا تو اس وقت اس صوبے کی تحریری زبان بھی ایک حد تک اُردو قرار پا چکی تھی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس کا گزر دفتروں میں بھی ہونے لگا۔ ۲ دسمبر ۱۸۱۹ء کو جب کرنل ٹاڈ (Col. Tod) اور مسٹر ولڈر (Mr. Wilder) اول سپرنٹنڈنٹ اجمیر سے اناساگر کی بارہ دری میں اجمیر اور بھیل واڑہ کے انتظام کے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی تو اس میں زبان اُردو کی ترویج اور دفتری زبان قرار دیے جانے کا سوال بھی زیر بحث آیا۔

جب مسٹر کارنے (Mr. Carney) برادر زادہ "ریورنڈ ولیم کارنے"

مشہور عیسائی مبلغ ننگال نے غالباً ۱۸۲۵ء میں اجمیر، پشکر، کیکڑی اور بھنائے میں انگریزی تعلیم کے لیے ابتدائی مدارس جاری کیے تو ذریعہ تعلیم اُردو ہی قرار پایا تھا۔ پھر ۱۸۳۶ء میں جب کمپنی کی جانب سے سرکاری مدرسہ اجمیر میں جاری کیا گیا اُس میں بھی اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ اور انگریزی تعلیم کے لیے اُردو ہی ذریعہ قرار دی گئی تھی۔ ۱۸۶۸ء میں جب یہ مدرسہ انٹرمیڈیٹ کالج بن کر کلکتہ یونیورسٹی سے باقاعدہ ملحق ہوا تو اس وقت بھی فارسی اور اُردو نصابِ تعلیم میں داخل تھی، بلکہ ابتدائی چند سال تک ہندی کی اجازت ملنے کے باوجود ایک طالب علم بھی ہندی کے امتحان میں اجمیر سے شامل نہیں ہوا اور مدتوں تک اُردو میں شریک ہونے والے طلبہ کی کثرت رہی، چنانچہ دیوان بہادر ہربلاس سارڈا، جن کا خاندان آج ہندی پرچار کا عَلَم بردار ہے، خود اسی اجمیر کالج میں فارسی اور اُردو ہی کے طالب علم تھے۔

اگرچہ سرکاری احکام کے مطابق اب بھی ہر دیسی زبان والے استاد کو اُردو ہندی دونوں زبانیں جاننا ضروری ہے مگر عملاً ہندی کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔ تعلیمی اداروں سے باہر آکر اس کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ غالباً ۱۸۴۰ء سے زبانِ اُردو تمام عدالتوں اور دیگر محکموں پر، جہاں دیسی زبان (ورناکیولر) استعمال ہوتی ہے، حاوی تھی۔ ۱۹۳۰ء تک تقریباً مثلیں اور دیگر نقول اُردو ہی میں جاری ہوا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ عدالتی حیثیت سے اب بھی اُردو ہی اوّل زبان اور ہندی ثانوی زبان قرار پائی ہوئی ہے مگر اس کے خلاف بھی پورا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ نئے ہندو وکلا عام طور پر ہندی رسم الخط پر زور ڈال رہے ہیں۔

ہندی کی ترقی اور اُردو کے مٹانے کی جو کوششیں اس صوبے میں کی جارہی ہیں اُن کا اندازہ بعض بیانات کے اقتباس سے ہوگا۔ ہندوستان کے تین علاقوں پر جن پر مرکزی حکومت حکمرانی کرتی ہے، ۳۰-۱۹۲۹ء میں ایک تحقیقاتی کمیشن

بیٹھا تھا، ان علاقوں میں دہلی اور صوبہ سرحد کے ساتھ اجمیر میرواڑ بھی شامل ہے۔ یہ کمیشن ان صوبوں کی ابتدائی تعلیم سے متعلق حالات اور معلومات فراہم کرنے کے لیے بٹھایا گیا تھا۔ جس وقت یہ کمیشن اجمیر پہنچا تو مقامی ماہرین تعلیم اور تعلیم یافتہ شہریوں نے اپنے صوبے کے متعلق معلومات فراہم کیں، محکمہ تعلیم سے مسلمانوں کو جو شکایات تھیں اُن کو بھی تفصیلی بیانوں کے ذریعے اس کمیشن کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

ان بیانات میں سے بعض لوگوں کے بیانوں کے اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ مسٹر سید حسین بی۔اے، بی۔ٹی، بی۔ایل سابق سکرٹری صوبہ مسلم لیگ نے اپنے بیان میں ارشاد فرمایا:۔

"اگر نسوانی مدرسے مکانوں کے قریب ہوں تو لڑکیاں چھ سال کی عمر سے داخل کر لی جائیں۔ نارمل اسکول میں فرسٹ لینگویج اُردو ہونا چاہیے۔ اس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی تعلیم پر بہت بُرا اثر ہوا ہے۔ محکمے نے کبھی اس اہم ترین کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نارمل اسکول میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ جگہیں محفوظ کرنا چاہیے۔ میں ایسے نام بتا سکتا ہوں جو مسلمان ٹرینڈ ٹیچر ہیں اور ان کو جگہ نہیں دی گئی، ہندو اُستاد بہت کم اُردو جانتے ہیں اور اس کا ثبوت نارمل اسکول میں مل سکتا ہے۔ مسلمانوں کے مدارس کو کافی گرانٹ اور امداد نہیں ملتی۔ اس پر کمیشن نے سوال کیا کہ جو گرانٹ دی جاتی ہے وہ قواعد کے مطابق دی جاتی ہے یا نہیں تو گواہ نے بیان کیا کہ قواعد ضرور موجود ہیں مگر ان کی پابندی نہیں کی جاتی، خلاف قاعدہ گرانٹ تقسیم کی جاتی ہے۔ بمقابلہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے، مدارس پر گورنمنٹ کی نگرانی اور انتظام پسند کرتا ہوں۔ اس پر پریسیڈنٹ نے کہا

کہ تمھارے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی موجودہ نگرانی کامیاب نہیں ہے تو پھر اب گورنمنٹ کی نگرانی کیوں پسند کرتے ہو۔ گواہ نے کہا کہ اگر گورنمنٹ کی نگرانی نہ ہوتی تو حالت اس سے بھی بدتر ہوتی۔

گواہ نے تحریری بیان میں لکھا تھا کہ اجمیر کے محکمۂ تعلیم نے ایک ایسی ناخوشگوار فضا پیدا کر دی ہے جس سے ہندو مسلمانوں میں نفرت پیدا ہو رہی ہے اور دونوں قوموں کے تعلقات ناخوشگوار صورت اختیار کر رہے ہیں۔ مثلاً ایک شمس الغنی خاں کا واقعہ ہے۔

نارمل اسکول میں طالب علم علانیہ کمیٹیاں کرتے ہیں اور ہندی پر زور دیتے ہیں مگر اساتذہ ان کو منع نہیں کرتے بلکہ اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور اس تفرقہ اندازی کی حمایت کرتے ہیں۔

جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں لغو، جھوٹ اور مبالغہ آمیز تاریخی واقعات ہیں جن سے ہندو اور مسلمانوں میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر استانیاں نہیں ملتیں تو باہر سے بلوائی جائیں۔ ماڈل اور نارمل اسکول کا اسٹاف اُردو میں اچھی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس پر چیرمین نے کہا یو۔ پی اگیزامنرز بورڈ نے لکھا ہے کہ مدرسے کی حالت بہت اچھی ہے تو گواہ نے کہا کہ ہاں وہ شمس الغنی خاں ہیڈ ماسٹر کا وقت تھا۔"

اوپر والا اقتباس اخبار "آستانہ" جلد ۲ نمبر ۵ مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کی اشاعت سے لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بیانات اس قسم کے اور بھی ہیں۔ مگر یہاں مرزا عبد القادر بیگ صاحب بی۔اے، ایل ایل۔بی کے ایک بیان سے بعض واقعات نقل کرنے پر اکتفا کی جائے گی۔ مرزا صاحب

نے اس بیان کو اپنے اصل تحریری بیان کے ضمیمے کے طور پر کمیشن کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس بیان میں خصوصیت کے ساتھ نارمل اسکول کے اساتذہ اور ذمہ دار عہدہ داروں کی فرقہ پرستی کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ موصوف نے نمبروار الزامات لگائے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

(۱) اسکول کا پورا ماحول آریہ سماجی ہے، روزانہ صبح و شام حاضری کے وقت طلبہ آریہ سماجیوں کے مذہبی ترانے گانے کے لیے مجبور ہیں۔ اس میں عیسائی اور مسلمان یا دیگر غیر آریہ طالب علموں کے لیے کوئی استثنا نہیں ہے۔ "ہَوَن" اسکول کی مستقل تقاریب میں داخل ہے۔ یہ تقریب آگ کے سامنے عبادت کا ایک طریقہ ہے اور آریوں کے لیے مخصوص ہے مگر نہ صرف طلبا بلکہ غیر اسکول کے اساتذہ کو بھی خاص طور پر اس تقریب میں شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔

(۲) گفتگو یا تحریر میں اُردو، فارسی یا علاوہ سنسکرت کے دوسری زبانوں کے الفاظ کے استعمال کی سختی سے ممانعت ہے۔ مثلاً لفظ "وقت" کوئی طالب علم استعمال نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے بجائے سنسکرت کا لفظ "سمے" استعمال کرنے پر مجبور رہے۔ کچھ برس گزرے نارمل اسکولوں کے چند طلبا آزمائش کے لیے اسلامیہ اسکول میں بھیجے گئے، انھوں نے اپنی گفتگو میں بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ آزادی کے ساتھ بولنا شروع کیے۔ ان کی گفتگو اسلامیہ اسکول کے طلبا بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے تو انھوں نے بتایا کہ انھیں سختی کے ساتھ ہدایت ہے کہ سنسکرت یا بھاشا کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہ بولی جائے۔ یہ معلوم ہونے پر اُن کو واپس کر دیا گیا۔

(۳) اسکول کی لائبریری میں نامناسب ہندی کتابیں اور آریوں کے مذہبی عقائد سے متعلق لٹریچر رکھا گیا ہو جس کو اس ادارے کی ضروریات سے کوئی تعلق نہیں ہو۔ علاوہ ان کے اس لائبریری میں ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں آریوں کے عقائد کے علاوہ دنیا کے دیگر مذاہب پر حملے کیے گئے ہیں۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب یعنی "ستیارتھ پرکاش" میری گواہی کے وقت کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ دوسری کتابیں یہ ہیں :-

نمبر لائبریری	کتاب کا نام	مصنف
۲۳۱	آریائی دھرمندر جیون	رام بلاس ساردا
۴۵۹	تہذیب اسلام	برہم چاری دھرم پال
۸۸۲	اللہ میاں کے ہتھکنڈے	سجن سنگھ اُپدیشک
۱۲۳۳	قرآن	رام چندر آریہ
۱۲۲۵	پٹیوں کی شدّھی	رام چندر شاستری
۱۲۳۸	شری دیانند شرما پرکاش	ستیانند
×	ودچی تر جیون	کالی چرن شرما

آخری کتاب ضبط کی جا چکی ہو اور اسی سلسلے میں اس کے مصنف کو سزا بھی مل چکی ہو۔

(۴) زبان اوّل کی حیثیت سے اُردو کو کوئی نہیں لے سکتا اور زبان ثانی کے طور پر بھی اس کو اس لیے گوارا کر لیا گیا ہو کہ حال ہی میں یو۔پی بورڈ نے اُس کو "ورناکیولر ٹریننگ کورس" کے امتحان کے لیے لازمی قرار دے دیا ہو۔ اس پر بھی ابھی تک اُردو کے لیے باقاعدہ کوئی اُستاد نہیں رکھا گیا ہو بلکہ اُردو کی تعلیم کا کام ایک ڈرل ماسٹر کے

کے سپرد کردیا گیا ہو ، اس کام کے لیے اُسے علیحدہ الاؤنس نہیں ملتا اس کے بعد اُردو تعلیم کا کام ہیڈ ماسٹر ماڈل اسکول کے سپرد کیا گیا نگران کی تنخواہ میں کوئی اضافہ نہ ہوا ۔ موجودہ انتظام کے ماتحت اُردو اساتذہ کی قابلیت کو اس ایک واقعہ سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہو کہ اس قسم کے ایک استاد جب اسلامیہ اسکول کے ابتدائی درجے میں تعلیم نہ دے سکے اور انھیں اس سلسلے میں یاس انگیز ناکامی ہوئی تو انھوں نے اس سے سبک دوشی کی درخواست دی ۔ اس درخواست میں یہ استاد لفظ "لال" کو جو ان کے نام ہی کا ایک حصہ تھا ، ٹھیک ٹھیک نہ لکھ سکے بلکہ اس کو "لل" لکھا ۔

(۵) اس طرح نارمل اسکول میں اصلی کام کی بجائے اس پر زیادہ توجہ دی جاتی ہو کہ طلبا میں آریہ سماجی تمدّن و تہذیب سرایت کررہی ہو یا نہیں اور وہ شُدھی کے کام کو پورے جوش و ولولہ کے ساتھ کرسکیں گے یا نہیں ۔ اِن حالات سے پوری پوری واقفیت کے باوجود ڈپٹی انسپکٹران مدارس خود اسی پروگرام پر چل رہے ہیں ۔ اوّل تو مدرسے کے لیے جگہ کا انتخاب ایسی ایسی آبادیوں میں کرتے ہیں جہاں اُردو پڑھنے والا طالب علم نہ مل سکے ، دوسرے دیہات کے مدارس سے اُردو کو ہٹایا جارہا ہی ۔ پھر لطف یہ ہو کہ نارمل اسکول میں داخلے کے وقت یہ ڈپٹی انسپکٹران بھی موجود ہوتے ہیں اور طلبا کے انتخاب میں اِن کے مشاہدہ اور تجربے کے ساتھ ساتھ ان کی رائے کو بھی بڑا دخل ہوتا ہو ۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر مسلم طلبا بھی ہندی زبان لے کر نارمل اسکول میں پڑھتے ہیں ۔ اُردو دیہات میں پڑھائی

نہیں جاتی اور آیندہ نہ اس کی امید ہے کیونکہ نارمل اسکول میں اس کی تعلیم کے لیے کوئی معقول انتظام موجود نہیں ہے۔"

یہ تو اس اسکول کے حالات ہیں، جہاں سے استاد تیار ہو کر بچوں کو تعلیم دینے جاتے ہیں۔ عام پرائمری مدارس کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بیان سے کافی واقعات نقل کیے جا سکتے ہیں مگر طوالت کے ڈر سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مندرجہ واقعات آج سے بہت پہلے کے ہیں، پھر بھی اجمیر کی تعلیمی درسگاہوں میں آج کے حالات کل سے مختلف نہیں ہیں۔ ہندی پرچارنی سبھا قائم ہے اور وہ اپنے پروگرام میں کامیاب بھی ہے۔ محکمۂ تعلیم، ہندی زبان کی ترویج اور نشر و اشاعت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ سرکاری دفاتر میں زیادہ تر ہندی رسم الخط استعمال ہو رہا ہے۔ ہندی زبان کو جبراً لوگوں کے دل و دماغ میں ٹھونسنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ ایک ظلم ہے جو بے زبان اور جاہل لوگوں پر رُپے اور طاقت کے گھمنڈ پر کیا جا رہا ہے۔ افسوس کوئی ان غریبوں کی حمایت کرنے والا نہیں جو ہندی پرچارکوں سے باز پُرس کرے۔ اجمیر کے دیہات میں لوگوں کی مادری زبان بلاشک میرواڑی یا اجمیری ہے لیکن اب جغرافیائی حدود کی بنا پر تو ان بولیوں کو یہ نام دیا جا سکتا ہے ورنہ علمی نقطۂ نظر سے نہ تو ان کی کوئی حیثیت رہی ہے اور نہ اس کی امید کہ مستقبل قریب میں ماضی کی چند خصوصیات بھی قائم و برقرار رہ سکیں گی۔ پھر اگر ان کو اصل شکل و صورت ہی میں تسلیم کر لیا جائے تو کم از کم ہندی رسم الخط اور زبان سے انھیں دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اگر کچھ واسطہ ہے تو اردو زبان سے ہے اور یہ اُردو کی ہمہ گیری کا اثر ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ان مقامی بولیوں پر غالب آتی جا رہی ہے۔ مرزا عبدالقادر بیگ صاحب اپنے بیان

ہیں اس مسئلے کو خوب سُلجھا چکے ہیں۔ اگرچہ یہ بیان طویل ہو تاہم ہمارے اغراض کے لیے اُس کا یہاں نقل کرنا ازحد ضروری ہو۔ مرزا صاحب نے "تعلیمی کمیٹی" کے سامنے ایک ضمنی بیان دیا تھا اس میں فرماتے ہیں:۔

"زبان اور رسم الخط"

"مردم شماری ۱۹۲۱ء کی رپورٹ مندرجہ ذیل حالات سے آگاہ کرتی ہو اور بتاتی ہو کہ اجمیر میرواڑہ میں حسب ذیل بولیاں بولی جاتی ہیں۔

اردو زبان	ہندی زبان	میرواڑی	مارواڑی
۵۲۱۴۲ نفوس	۱۴۴۸۶۹ نفوس	۱۰۶۶۵۲ نفوس	۵۱۵۸۷ نفوس

شہروں کی مسلمان آبادی ۶۵ ہزار ۷۵ ہے لیکن مندرجہ بالا اعداد یہ بتاتے ہیں کہ اُردو بولنے والے اس سے بھی کم ہیں۔

اس دھاندلی کی اصل وجہ یہ ہو کہ شمار کنندے ہندی کی طرفداری وحمایت میں اردو زبان اور دیگر زبانوں کو نقصان پہنچاکر ہندی کی قدر وقیمت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں مجھے خود اس کا ایک تجربہ ہُوا۔ ایک دن جبکہ میں اپنے علی گڑھ اور یوپی کے متعدد دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا اُسی وقت شمار کنندہ مردم شماری کے لیے آیا اور اُس نے ہم سب کی زبان "ہندی" لکھ ڈالنے کی جسارت کی۔ اتفاقاً ہمیں اس کی اطلاع ملی اور غلطی کی تصیح کرالی گئی۔ مگر اس سے کارکنوں کی اسپرٹ معلوم ہوتی ہو اور ساتھ ہی افسر مردم شماری کے اُس ریمارک کی تصدیق ہوتی ہو جو اُس نے اس رپورٹ کے صفحہ ۱۹۱

ہو کیا ہو۔"

"مندرجۂ بالا حالات کی بنا پر اجمیر میرواڑہ کے رسم الخط اور زبانوں کے متعلق ایک مختصر نوٹ یہاں پیش کیا جاتا ہو۔ پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہو کہ رسم الخط کے معاملے میں اجمیر میرواڑہ یو۔پی کی تقلید کر رہا ہو۔ چند سال گزرے کہ آنریبل چیف کمشنر سے ایک وفد نے مل کر درخواست کی کہ اُردُو کی بجائے ہندی سرکاری زبان تسلیم کر لی جائے۔ مقامی حکومت نے یوپی گورنمنٹ سے مشورہ کرکے اس سے صاف انکار کر دیا البتہ اس بات کی اجازت ضرور دے دی کہ اگر درخواستیں دیوناگری رسم الخط میں پیش کی جائیں تو قبول کرلی جائیں۔ اس اجازت اور اُردُو زبان و فارسی رسم الخط کو مٹانے کی محکمۂ تعلیم کی جانب سے اَن تھک کوششوں کے باوجود ہندی رسم الخط اجمیر کی عدالتوں میں پروان نہ چڑھ سکا۔ لیکن یہ حقیقت ہو کہ دونوں رسم الخط استعمال ہو رہے ہیں مگر زبان ایک ہی ہو۔ اس زبان کو مسلمان اُردُو پکارتے ہیں، ہندُو ہندی کے نام سے یاد کرتے ہیں مگر قوم پرست لوگ اِسے ہندُستانی کہتے ہیں۔

دونوں خطوں کے تقابلی فوائد کا اندازہ اُن حقائق سے کیا جاسکتا ہو جو اسی سلسلے میں بیان کیے جائیں گے۔ دیہاتی مہاجن اگرچہ اپنے حساب ہندی میں رکھتے ہیں مگر عدالتی کاروبار کے لیے اُردُو زبان بھی سیکھتے ہیں۔ اس لیے میں پوری طاقت سے اس کی حمایت کروں گا کہ ہر اسکول میں طالب علم کو دونوں رسم الخط سکھائے جائیں۔"

"زبان اور رسم الخط پر ایک مختصر نوٹ"

"شہری آبادیوں میں اُردُو زبان ہی بولی جاتی ہو۔ دیہاتی آبادیوں میں ایک خاص زبان بولی جاتی ہو جس کو فارسی، عربی، اردُو، ہندی، سنسکرت

گجراتی اور مرہٹی کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ پھر یہ زبان اسی علاقے کے لیے مخصوص بھی ہے۔ البتہ جگہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس زبان میں ردّ و بدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ سندھ کے بعد یہاں ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے زیادہ عربی زبان کا اثر نمایاں ہے۔ مثلاً لفظ "بیڑا" یہاں کے دیہات میں بڑی آزادی سے استعمال ہوتا ہے اور یہ ایک عربی[1] لفظ ہے جس کے معنی "کنوئیں" کے ہوتے ہیں۔ دیہاتی اور شہری آبادی میں گفتگو کا ذریعہ ہندی یا اور کوئی زبان نہیں ہے بلکہ اُردو زبان ہے۔ ذریعہ گفتگو ہونے کے علاوہ اُردو زبان عدالتوں بیاور اور اجمیر کی میونسپلٹیوں اور نصیر آباد اور دیولی کے بورڈوں کی زبان بھی ہے۔ ان دفتروں میں قریب قریب تمام کام اُردو یا انگریزی میں کیا جاتا ہے۔ محکمہ پولس میں بھی اُردو ہی استعمال کی جاتی ہے۔ اُردو سے پہلے یہاں کی دفتری زبان فارسی تھی اور ایسا مغلوں ہی کے عہد حکومت میں نہ تھا بلکہ مرہٹوں کے زمانے میں بھی فارسی ہی تھی۔ اس کے ثبوت میں بہت سی سندیں اور فرمان وغیرہ پیش کیے جا سکتے ہیں جو گورنمنٹ کے محافظ خانے میں موجود اور بعض لوگوں کی انفرادی ملکیت میں ہیں۔

ماضی اور حال میں اُردو کی مسلّمہ سرکاری حیثیت ہی کے نتائج ہیں کہ آج ہمیں تمام سرکاری کاغذات اُردو میں یا پھر فارسی میں ملتے ہیں۔ اجمیر میرواڑہ میں اراضیات کے متعلق جتنی کارروائیاں وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں وہ اسی زبان میں تحریر ہیں مثلاً عرضیاں، شکایتی درخواستیں، پولس کی رپورٹیں، تحقیقات سرکاری کا دیہاتی ریکارڈ، سندات اور فرمان وغیرہ وغیرہ۔ درگاہ کا اتنا بڑا وقف ہے جس میں ۲۳ گاؤں شامل ہیں۔ درگاہ کی طرف

[1] عربی میں کنوئیں کو "بیر" کہتے ہیں۔ (مرتب)

سے ان دیہات کے ہندوؤں اور مسلمانوں سے حساب وکتاب اُردو زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔

ہندی زبان کا مطالبہ حال ہی کی بات ہے۔ اس کو آریہ سماجیوں کے پروپیگنڈے سے تعبیر کرنا چاہیے۔ جہاں کہیں بھی کسی افسر یا اہلکار میں آریائی جذبہ پیدا ہوا ہے، وہیں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اُردو کے بجائے ہندی کر دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آریہ سماجی جذبے کی موجودگی کے ثبوت میں وکالت ناموں اور تحصیلوں سے متعلق بند و بست زمین کے تازہ کاغذات کی کچھ تعداد پیش کی جا سکتی ہے۔"

اس قسم کے دوسرے شواہد پیش کرتے ہوئے آگے چل کر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندی زبان کا کوئی حامی اس زبان سے، رامائن اور دوسری مستند کتابوں کی ہندی بھاشا مراد نہیں لے سکتا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کی زبان (ہندی بھاشا) کے حقوق محکمۂ تعلیم پر اُردو سے بہت کم ہیں اور ان کے مطالبے میں وہ کسی طرح حق بجانب نہیں ہے۔ پھر ان حقوق کی اصلیت بھی کچھ نہیں ہے۔ شہری اور دیہاتی دونوں مہاجن اپنا حساب وکتاب مارواڑی زبان میں رکھتے ہیں جس کا رسم الخط بھی مارواڑی ہی ہوتا ہے اور جو ہندی سے بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔ پس اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ پورے صوبے میں ہندی رسم الخط، مہاجنی کاروبار کے لیے کس طرح ذریعہ بن سکتا ہے۔ شہر کے مسلمان دوکان دار اپنا کاروبار اُردو زبان میں کرتے ہیں۔ دیہات میں البتہ وہ مجبوراً ہندی رسم الخط

میں کاروبار کرتے ہیں، کیونکہ مدرسوں کے نصاب سے اُردو زبان
کو خارج کر دیا گیا ہو۔"

اِن بیانات اور اسی قسم کی دوسری شہادتوں کی موجودگی میں تحقیقاتی کمیٹی نے جو سفارشیں کی ہیں وہ قابل غور ہیں۔ کمیٹی نے اپنی طویل رپورٹ میں جو کچھ لکھا ہو وہ سب نہ تو یہاں نقل کیا جا سکتا ہو اور نہ اس کی ضرورت ہو پھر بھی بعض امور کا نقل کیا جانا ضروری ہو:۔

"کہا جاتا ہو کہ یہ صوبہ اپنی بولیوں کے اعتبار سے تین حصّوں پر منقسم ہو سکتا ہو یعنی میرواڑہ اور اجمیر کا شمالی حصّہ میرواڑی کے لیے، اجمیر کا جنوبی حصّہ اور کیکڑی سب ڈویژن میواڑی کے لیے اور کیکڑی سب ڈویژن کا بقیہ حصّہ ڈھونڈھاری کے لیے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی خیال ہو کہ ان بولیوں میں سے کسی ایک کو بچّوں کے لیے اُس وقت تک ذریعۂ تعلیم بنایا جا سکتا ہو جب تک کہ وہ اُردو یا ہندی کو اچھی طرح سمجھنے کے قابل نہ ہوں۔"

آگے چل کر ایک جگہ اور لکھا ہو کہ:۔

"بہت سے لوگوں نے اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہو کہ زبان کی مشکل کو یوں بھی حل کیا جا سکتا ہو کہ اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کو اُستادوں کے لیے لازمی کر دیا جائے جبکہ وہ ٹریننگ حاصل کر رہے ہوں تاکہ وہ اُردو ہندی کو اپنے اپنے مدارس میں اچھی طرح پڑھا سکیں اور ایسی جگہوں کے انتخاب میں پورا پورا انصاف برتا جائے جہاں تمام لڑکوں کو یا ان کی اکثریت کو اُردو یا ہندی

پڑھانے کے لیے پرائمری مدارس کھولنے کا خیال ہو۔

کچھ لوگوں نے اس کی سفارش بھی کی ہو کہ ہندو اور مسلمان لڑکوں کو دونوں ہی زبانیں پڑھائی جائیں۔ اُن کے خیال میں ایک پرائمری مدرسے میں لڑکے کے لیے دونوں زبانوں کی تعلیم حاصل کرنا ایسا کوئی مشکل کام نہیں ہو۔ بعض اصحاب اس سے بھی متفق ہیں کہ ایک اسکول میں ایک ہی استاد اُردو اور ہندی دونوں زبانیں پڑھائے۔ اُن کی رائے میں اس کی تدبیر یہ ہو سکتی ہو کہ ہندی اور اُردو پڑھنے والے طلبا کی تعداد علیحدہ علیحدہ کر لی جائے۔ اس کے لیے اس قسم کی کتابیں استعمال ہوں جن کی زبان تو ایک ہو مگر دونوں رسم الخطوں میں لکھی ہوئی ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ بھی بتایا گیا کہ نصاب کی کتابیں دونوں رسم خطوں میں طبع کرائی جائیں اور ان کی زبان، عبارت اور اصطلاحات بالکل یکساں ہوں۔

چند اشخاص اس رائے کے بھی ہیں کہ دونوں فرقوں میں تعلقات کو بڑھانے کے لیے اور آپس میں لسانی رواداری کی پرورش کے لیے زبانِ اول کی حیثیت سے مسلمان لڑکوں کو ہندی کی اور ہندو لڑکوں کو اُردو کی تعلیم دینا چاہیے۔ ساتھ ہی ایسے دیہات میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ دیہاتی اسکول میں اُردو کو زبان اوّل کی حیثیت حاصل ہونا چاہیے۔"

یہاں تک تو اُن شہادتوں کی ترجمانی تھی جو کمیٹی تک اس سلسلے میں پہنچی تھیں۔ آگے چل کر ممبرانِ کمیٹی اپنی رائے دیتے ہیں کہ :-

"جب تک کہ قابلِ تعلیم بچوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے ہماری رائے میں اُردُو اسکول اور ہندی اسکول کی علیحدہ علیحدہ ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی اسکول میں اُردُو سیکشن اور ہندی سیکشن بنا دینا چاہیے۔ ہم اس تجویز کی سفارش نہیں کرتے کہ پرائمری اسکول میں تمام طلبا کو ان کی مادری زبان کے علاوہ ایک زبان اور بھی پڑھائی جائے۔ پھر چونکہ اجمیر، ریلوے کا ایک بڑا مرکز ہے اور باہر سے آئی ہوئی آبادی کا دن بدن اضافہ ہو رہا ہے لہٰذا اس کی بھی ضرورت ہے کہ ایسے مدارس کھولے جائیں، جن میں بچے گجراتی یا دوسری مشہور زبان کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس کے ساتھ قدرتی طور پر یہ بھی واجب ہو جاتا ہے کہ ان اسکولوں کو سرکاری فنڈ سے امداد دی جائے جس طرح اُردُو یا ہندی اسکولوں کو دی جاتی ہے"۔

اجمیر کے لوگوں نے کمیٹی کے سامنے اُردُو تعلیم کے سلسلے میں بڑی اچھی تجویزیں پیش کی تھیں، جو نہ صرف حالات کے مطابق تھیں بلکہ زمانہ کا تقاضا بھی یہی تھا، مگر افسوس کہ کمیٹی نے اُن تجاویز کو پسِ پشت ڈال کر کچھ ایسی سفارشیں کی ہیں جن کے نتائج کچھ اچھے نہیں ہوئے۔ اُردُو سیکشن اور ہندی سیکشن کے معنی یہ لیے گئے کہ آج مسلمان کو اُردُو زبان کی تعلیم دی جا رہی ہے اور ہندو کو ہندی کی تعلیم دی جا رہی ہے مگر اس ہندی سیکشن کی آڑ میں سنسکرت اور بھاشا کی ترویج و اشاعت کی جا رہی ہے جو اصل ہندستانی معاشری زندگی کی تباہی کا باعث ہوگی اور رفتہ رفتہ ہندو اور مسلمان لسانی حیثیت سے بھی ایک دوسرے سے اس قدر دُور جا پڑیں گے کہ ایک دوسرے کا پہچاننا مشکل نظر آئے گا۔ اس پر کمیٹی نے یہ غضب اور کیا کہ صاف لکھ دیا کہ "ہماری رائے میں بچوں کو دو زبانیں پڑھانے

کی مطلق ضرورت نہیں" اور یہ سفارش مرے پر سو دُرّے کا حکم رکھتی ہے۔

اُردو سیکشن کا یہ حال ہے کہ محکمۂ تعلیم کے سیکڑوں پرائمری مدارس میں سے بہت کم ایسے ہیں جن میں یہ مجوزہ سیکشن بھی موجود ہو۔ اس کے متعلق لوگوں کو ایک چلتا ہُوا اعتراض یہ مل گیا ہے کہ جب لڑکے ہی میسر نہ آئے تو یہ سیکشن کس کے لیے کھولا جائے۔ لیکن یہ اعتراض سچائی سے بہت دور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کثرت سے اسکول ایسی آبادیوں میں کھولے گئے ہیں جہاں اُردو داں اور مسلمان آباد ہی نہیں ہیں تو پھر اردو پڑھنے والے لڑکے کس طرح مل سکتے ہیں۔

جن مقامات پر مدارس کھولے گئے ہیں اور اُن میں نجبت و اتفاق سے مسلمان بھی آباد ہیں ان میں اُردو سیکشن تو ہے مگر طلبا کو مدرسین کا وہ التفات و محبت حاصل نہیں ہے جو صرف ہندی طالب علموں کو حاصل ہے۔ انجمن تعلیم دیہات اور جمعیۃ تبلیغ اسلام اس سلسلے میں ستائش و تعریف کی مستحق ہیں کہ ان دونوں جماعتوں نے اپنی طاقت و بساط کے مطابق دیہات میں تعلیم کا کام شروع کر رکھا ہے اور ایسے مقامات پر مدرسے کھولے ہیں جہاں مسلمان آبادیوں کو محکمۂ تعلیم کی طرف سے بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بیانات اور شور و غل نے اتنا اثر ضرور کیا کہ محکمۂ تعلیم میں خال خال مسلمان بھی نظر آنے لگے۔ افسوس کہ یہ مسلمان باستثنائے چند، اپنے فرائض کی طرف سے بالکل بے پروا ہیں۔ کاش یہ لوگ تھوڑی زحمت گوارا کر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی طرف توجہ کریں اور اُردو کو مٹائے جانے کی جو تدبیریں دیہات میں اختیار کی جا رہی ہیں دلیری کے ساتھ اُن سے لوگوں کو آگاہ کریں تو بڑی حد تک زبان کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

انجمن ترقی اُردو کی شاخ یہاں برائے نام بھی قائم نہیں ہے کیونکہ نہ تو اس

کا کہیں دفتر ہے نہ یہ کوئی کام کرتی ہے اس کے کچھ نام لیوا ضرور موجود ہیں مگر انھیں ترقیٔ اُردو کی بڑی بڑی تجاویز بنانے سے فرصت نہیں کہ عمل کی توفیق ہو۔ سینکڑوں ایسے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جن میں نہ صَرف کی ضرورت ہے نہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی، تھوڑی سی توجہ سے ان کو انجام دیا جا سکتا ہے۔

اجمیر کو درگاہ کے الجھے ہوئے مسائل اور جھگڑوں نے اس قدر مسموم کر دیا ہے کہ لوگوں کے عملی قوئے مفلوج اور جوش عمل سرد ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر ان میں حرکت بھی ہوتی ہے تو جھگڑے، فضیتے کے لیے! حالات کی اس نوعیت کے باوجود بعض لوگ اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ لیکن اوّل تو اُنھیں اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے فرصت نہیں ہے، دوسرے ان میں اتنی سکت بھی نہیں کہ وہ اُن طاقتوں کا مقابلہ کر سکیں جو اُردو کی مٹانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔

اگر ایک مضبوط اور طاقت ور جماعت صرف اتنی سی بات کا ذمّہ لے لے کہ دیہات اور شہر میں جہاں جہاں مدارس قائم ہیں ان کی نگرانی جاری رکھے اور جہاں جہاں تعلیمی مسائل میں محکمۂ تعلیم کی طرف سے ناانصافی برتی جا رہی ہے اُس سے لوگوں کو آگاہ کرتی رہے تو اُردو زبان کی حفاظت کی ضمانت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

(اصل اردو میں ہی)

نقل ڈگری عدالت خفیفہ اجمیر

نمبر مقدمہ ۱۵۰۲ سنہ ۱۹۲۷ء باجلاس جناب صاحب جج بہادر خفیفہ اجمیر

ڈگری محض زر نقد

(دفعہ ۳۴ مجموعہ ضابطہ دیوانی)

بعدالت خفیفہ اجمیر نمبر مقدمہ ۱۵۰۲ سنہ ۱۹۲۷ء

چندو مل ولد سموڑ مل قوم مہاجن سکنہ اجمیر مدعی بذریعہ مسٹر کوتل داس وکیل

بنام

بنواری لال عرف دیبی لال ولد بہاری لال قوم مالی سکنہ اجمیر و گنیشا ولد مانچو قوم مالی سکنہ اجمیر ملازم کولوشاپ علاقہ نمبر ۸ ٹکٹ نمبر ۲۷۹۵ - مدعا علیہم

عرضی دعویٰ ما ۹ صہ ۴ر

تاریخ مرجوعہ ۲۳ رجولائی سنہ ۱۹۲۷ء

یہ مقدمہ آج واسطے انفصال قطعی کے روبرو صاحب جج بہادر خفیفہ اجمیر بحاضری منجانب مدعی اور منجانب مدعا علیہم پیش ہوا۔ بنابراں حکم ہوا کہ ایک طرفہ ڈگری خلاف بنواری لال مدعا علیہ بذریعہ مسٹر نند لعل وکیل رقم تعدادی ما ۹ صہ ۴ر و خرچہ دی گئی ۔ سود رقم مذکور بشرح ___ فی صدی سالانہ من ابتدائے تاریخ ___ تا تاریخ وصول یابی زر مذکور و زر مبلغ ___ بابت خرچہ نالش ہذا ادا کرے اور دعوے خلاف مدعا علیہ نمبر ۲ گنیشا مع خرچہ خارج کیا گیا۔

مدعی	روپیہ	آنہ	پائی	مدعا علیہ	روپیہ	آنہ	پائی
اسٹامپ عرضی دعویٰ				اسٹامپ وکالت نامہ			
اسٹامپ وکالت نامہ رسوم	لعہ۵/	۲/		اسٹامپ سوال	عہ		
اسٹامپ طلبانہ	صہ			محنتانہ وکیل	مہ/	۴/	
محنتانہ وکیل	۰	۲		خوراک گواہان			
خوراک گواہان	عہ			بابت اجرائے حکم نامہ			
بابت اجرائے حکم نامہ							
میزان	طہ۵	۴/	۱/	میزان	لعہ/	۴/	۱/

آج یہ ڈگری بتاریخ ۳۰ ماہ نومبر ۱۹۲۷ء بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے جاری ہوئی۔

دستخط بخط انگریزی

Shiv Charan Dass,

Judge small cause Court,

Ajmer.

نمبر رجسٹر	تاریخ درخواست	تاریخ اعلان	تاریخ تیاری	تاریخ سپردگی
۳۴۸	۵ دسمبر ۱۹۲۷ء	۱۲ دسمبر ۱۹۲۷ء	۱۲ دسمبر ۱۹۲۷ء	۱۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

فیس	ورق	نام سائل
۹/	۲	گنیدتا مالی

مہر عدالت

اعداد و شمار

پورے اجمیر میرواڑہ میں ۲ لاکھ ۲۷ ہزار ۶ سو ۹۸ نفوس کی مادری زبان اُردؤ ہی۔ ایک لاکھ ۸ ہزار ۶ سو ۳۴ نفوس اپنی مادری زبان کے علاوہ اُردؤ بھی بولتے ہیں۔ ۱۲ ہزار ۸ سو ۲ ۳ نفوس اُردو تعلیم یافتہ ہیں۔ ۲ لاکھ ۱۷ ہزار ۳ سو ایک نفوس اُردؤ بخوبی سمجھتے ہیں۔

مدرسے

امدادی اور سرکاری دونوں ملاکر اس وقت ۲۴۶ مدرسے ہیں۔ ان میں مشکل سے سو مدرسے ایسے ہوں گے جن میں اُردؤ تعلیم بھی جاری ہو۔ ویسے تمام مدارس کے متعلق کہا ہی جاتا ہی کہ ہر مدرسے میں اُردؤ پڑھائی جاسکتی ہو۔ ان میں کل ۱۳۰۰ لڑکے اُردؤ کی تعلیم پا رہے ہیں۔ غیر سرکاری مکتب کل ۳۱ ہیں اور ان میں ۸۱۵ لڑکے تعلیم پا رہے ہیں۔ ان کو سرکاری امداد نہیں ملتی۔

کتب خانے اور انجمنیں

۶ کتب خانے اور دار المطالعے ہیں۔ ان میں کالج اور ہائی سکولوں کی لائبریریوں کو شمار نہیں کیا گیا ہو۔ ۵ انجمنیں ہیں جو مشاعروں اور تقریروں سے اُردؤ زبان کی خدمت کرتی ہیں۔

مطابع اور اخبار

۷ مطبعے ہیں۔ ان میں سے ۴ مطبعے خالص اُردؤ کی طباعت کا کام کرتے

ہیں۔ بقیہ میں ہندی اور انگریزی ٹائپ کے ساتھ اُردو ٹائپ کی مشینیں بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک پریس یعنی " ویدک نیترالیہ " میں حیدر آباد کا تیار کردہ نستعلیق ٹائپ بھی منگانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ دیگر مطابع کی حالت خراب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی طور پر تو اُردو کا ایسا کوئی معقول کام نہیں ہے جس کی آمدنی سے ان مطبعوں کو استقلال نصیب ہو سکے۔ البتہ آس پاس کی ریاستوں اور دوسرے علاقوں کے کام ضرور آتے رہتے ہیں جن سے پریس کو آمدنی ہو جاتی ہے۔ چونکہ ریاستوں میں بھی اُردو زبان کی تالیف و تصنیف کے کوئی خاص ادارے موجود نہیں ہیں اس لیے اس کام کے حصول کی توقع بھی غلط ہے۔ رہے ریاستوں کے سرکاری دفاتر کے کام تو ہندی ہو جانے کی وجہ سے اُن میں بھی رفتہ رفتہ کمی واقع ہو رہی ہے۔ اخبارات عرصے سے جاری ہیں مگر کسی اخبار کو دوام حاصل نہیں ہوا اور تھوڑے دن جاری رہ کر بند ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اخبار مضبوط بنیادوں پر نہیں نکالا جاتا۔ پارٹیوں کی ہنگامی ضرورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان کی تکمیل کے بعد بند ہو جانا قدرتی امر ہے۔

اس وقت تک ۱۷، ۱۸ اخبارات جاری ہو کر بند ہو چکے ہیں اور اب صرف ۴ اخبار جاری ہیں۔ یہ چاروں بھی اپنی ہنگامی ضروریات کے ماتحت جاری ہوئے ہیں اور آیندہ ان کا بند ہو جانا یقینی ہے۔ خریداروں کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں۔ پانچ سو یا چھ سو کاپیوں کی طباعت گویا انتہا ہے۔ البتہ جس دن کوئی " سنسنی خیز " مضمون یا خبر شائع ہوتی ہے تو اخبار والے خود بھی زیادہ چھاپتے ہیں اور اس دن فروخت بھی زیادہ ہوتا ہے۔

سرکاری محکمے اور اُردو زبان

اجمیر کے سرکاری دفاتر میں اُردو زبان کی جو گت بنائی جا رہی ہے اُس کے متعلق اس رپورٹ کے ابتدائی صفحات میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ عدالتوں اور دفاتر میں ہندی کو رائج کرنے کی پوری پوری کوشش جاری ہے۔ خود افسروں کی چھپی خواہش یہ ہے کہ اُردو کے بجائے ہندی رسم الخط استعمال ہونے لگے۔ عدالتوں میں بعض کاغذات کو دونوں رسم خطوں میں لکھنے کا حکم ہے مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔ افسرانِ بالا کی طرف سے متعدد بار تنبیہ کی جا چکی ہے۔ مگر ماتحت افسروں کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ بطور شہادت اس موقع پر ایک سرکاری حکم کی نقل کا ترجمہ دیا جا رہا ہے:-

آرڈر

$\frac{No: B\text{-}4}{VIII\text{-}49\ III}$ Of 1938.

ایک مرتبہ پھر میرے نوٹس میں یہ لایا گیا ہے کہ اس آفس کے سرکولر آرڈر نمبر ۲۶ میں جو ہدایات دی گئی ہیں اُن پر بالکل عمل نہیں ہوتا۔ یہ سرکولر آرڈر ۲۵۔ مارچ ۱۹۱۳ء، ۲۲ر نومبر ۱۹۲۳ء، ۸ر مئی ۱۹۳۳ء اور ۱۵ر مئی ۱۹۳۵ء کو عدالتوں میں پھرایا جا چکا ہے۔ اس میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سمن، نوٹس، اعلانات اور تقررات کے احکامات دونوں رسم الخطوں میں بھرنا چاہییں۔

اِس بدانتظامی کی یاددہانی کرتے ہوئے عدالتوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آیندہ سے اس کی نگرانی رکھی جائے کہ احکام کی پابندی

ہورہی ہو یا نہیں۔ بصورتِ دیگر اُن افسران کے خلاف سخت کارروائی
کی جائے گی جو اس بے عنوانی کے ذمّہ دار قرار پائیں گے۔

اجمیر ۴ر جنوری ۱۹۳۶ء دستخط اختر حسین

اسسٹنٹ کمشنر اجمیر میرواڑہ

اس حکم کی عبارت سے پتا چلتا ہو کہ کئی بار ہدایتیں دی گئیں مگر کسی نے عمل نہ کیا اور یہ آخری حکم سخت جھونجھ میں دیا گیا ہو۔ دیکھیے اب اس کے بعد کیا ہوتا ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہو کہ ابھی تک بہت سے دفاتر میں اردو استعمال ہوتی ہو۔ اس کے استعمال کی کیفیت منسلکہ دستاویز سے معلوم ہوسکے گی۔

ترقیٔ اُردو کی تدابیر

یوں تو اجمیر میں ابھی تک اُردو زبان کی حیثیت کمزور نہیں ہوئی ہو لیکن اگر یہی حال رہا جو اب ہو تو اُردو کو سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ اُردو کی ترقی کے لیے اس وقت جو کام غیر ارادی طور پر ہورہا ہو اگر اس کی تھوڑی سی نگرانی ہی کرلی جائے تو بہت کچھ فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ اس نگرانی کے ساتھ حسبِ ذیل کام ہوں تو اور بھی اچھا ہو:-

(۱) بورڈ، یونیورسٹی اور محکمۂ تعلیم کی امداد سے اُردو تعلیم میں سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

(۲) اُردو خواں بچوں کی ترغیب کے لیے کم از کم ابتدائی تعلیم کے لیے دیہات میں وظائف دیے جائیں۔

(۳) باتصویر اور جاذبِ نظر ماہانہ یا ہفتہ وار پرچے جن میں اخلاقی قصّے آسان زبان میں تحریر ہوں، مفت تقسیم کیے جائیں۔

۳۱۵

(۴) اگر ممکن ہو تو سینما ٹاکیز کے ذریعے دیہاتوں میں اُردو کا شوق پیدا کیا جائے۔

(۵) انجمن تعلیم دیہات اور جمعیۃ تبلیغ کو امداد دی جائے تاکہ وہ چھوٹے مکتب اس قدر کھول دے کہ ہر گاؤں میں اُس کا ایک مکتب چلنے لگے۔

(۶) محلے محلے، قریے قریے اور گاؤں گاؤں میں اُردو کی حمایت میں جلسے کیے جائیں تاکہ لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور دوسرے لوگ اُن کو کسی قسم کا فریب نہ دے سکیں۔

نوٹ:۔ ان میں سب سے زیادہ کارآمد طریقہ اجمیر میرواڑہ کے دیہات میں وظیفہ تقسیم کرنا ہے۔ ان غریبوں کی مالی حالت اس قدر کمزور ہے کہ اگر آٹھ آٹھ آنے ماہانہ کا وظیفہ بھی دیا جائے تو بعض تجربہ کار لوگوں کا خیال ہے کہ اُردو خواں طلبا میں دہ چند اضافہ ہو سکتا ہے۔

اُردو زبان وادب

اجمیر کے موجودہ حالات اور اُردو کے مخالفوں کے کام کی رفتار سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہاں اُردو زبان انحطاط پذیر ہے۔ اُردو کی دن بدن کمزوری کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کی حمایت پر کوئی مضبوط اور حسّاس جماعت میدان میں نہیں ہے۔ کسی زبان کی ترقی کی ضامن، اُس کی علمی وادبی جماعتیں اور تعلیمی ادارے ہُوا کرتے ہیں۔ اور یہاں یہ دونوں پہلو کمزور ہیں۔ ایسی حالت میں کیوں کر امید کی جا سکتی ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد اُردو اپنے خدوخال کے ساتھ باقی رہ جائے گی۔ اُردو اس درجے پر خواہ مخواہ نہیں پہنچ گئی تھی بلکہ بیرونی اثرات کے ساتھ ساتھ خود یہاں کے بزرگوں نے اُردو زبان کی بڑی بڑی

خدمات کی تھیں جب کہیں اس کو موجودہ اہمیت حاصل ہوئی تھی۔ تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کے علاوہ اجمیر میں ایک جماعت "دی سوشل ایسوسی ایشن" نامی قائم کی گئی تھی اور اس کے ذریعے ہر شعبۂ حیات میں اُردو زبان کی نگرانی اور خبر گیری رکھی جاتی تھی۔ اس ایسوسی ایشن کی رپورٹ ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۴ء میں سے بہت مختصر اقتباس دیے جاتے ہیں۔ ان سے اس خدمت کا اندازہ ہوگا۔ جو اس زمانے میں انجام دی جا رہی تھی۔ لکھا ہے کہ:۔

"پنڈت مہاراج کشن بہادر وائس پریسیڈنٹ نے ایک کتاب تصنیف کرکے پیش کی جس میں آسان آسان حکایاتِ لطیف واسطے تعلیم مدارس دیہاتی درج کی گئی تھیں۔ بحث ہو کر تجویز ہوئی کہ عبارت اور الفاظ تو درست ہیں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت کے دقیق الفاظ تو استعمال نہیں کیے گئے مگر اس بات پر بحث باقی ہے کہ آیا اُردو کے حروف میں رہے یا دیو ناگری کے حروف میں اور اس بات کی تنقیح کے لیے وہ سلیکیٹ کمیٹی کے سپرد کی جائے کہ بعد غور رپورٹ کرے۔"
(صفحہ ۸)

"پنڈت مہاراج کشن بہادر کی کتاب مع رائے سلیکٹ کمیٹی پیش ہوئی۔ سلیکیٹ کمیٹی نے زبان اُردو اور حروف ناگری کا ہونا پسند کیا"۔ (صفحہ ۳۲)

ایک جگہ اور لکھا ہے:۔

"پنڈت بھاگ رام صاحب سکرٹری نے کارروائی انجمن پڑھ کر سنائی اور پھر حضور گرنیڈ پیٹرن بہادر نے اُردو زبان میں ایک اسپیچ ارشاد کی جسے پنڈت مہاراج کشن بہادر حرف بہ حرف

لکھتے گئے" (صفحہ ۲۶)

ایک مرتبہ ٹھاکر صاحب ٹھکانہ مسعودہ نے جو اس انجمن کے ممبر تھے انجمن کو لکھا کہ جو کاغذات کے پاس بھیجا جائے وہ ہندی میں ہونا چاہیے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ :-

" صاحب پریسیڈنٹ کا ارشاد ہے کہ جو کاغذ انجمن میں چھاپا جاتا ہے وہ ہندی اور اُردو دونوں میں چھاپا جاتا ہے کہ ہندی پڑھا ہوا بھی پڑھ لے اور اُردو پڑھا ہوا بھی پڑھ لے" (صفحہ ۶۵)

اس کے علاوہ اس رپورٹ کے پڑھنے سے متعدد کارنامے سامنے آتے ہیں جو ہمارے بزرگوں نے سرانجام دیے ہیں مگر اب کچھ بھی نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ نہ ہونے کے برابر۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ بورڈ کی سب کمیٹی نے اپنے جلسے مورخہ ۷، فروری ۱۹۳۶ء میں اس تجویز کو منظور کرلیا کہ :- " آیندہ سے اُردو وغیرہ بھی گریجویٹ پڑھایا کریں" جس سے اُردو زبان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ جہاں تک اُردو زبان سے نفرت و محبت کا تعلق ہے تو اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوؤں کے ایک محدود طبقے کے علاوہ سب لوگوں کو اُردو زبان سے محبت ہے اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اُردو سے محبت نہ ہوگی تو اور کس زبان سے۔ اس زبان کے علاوہ انھیں اور کوئی زبان آتی ہی نہیں، جس کے ذریعے تبادلۂ خیال کرسکیں۔

البتہ اب کوشش کی جارہی ہے کہ اُردو کی بجائے سنسکرت اور بھاشا بولی جانے لگے۔ اس بارے میں اُردو اخبارات کبھی کبھی کچھ لکھا کرتے ہیں مگر عمل کے نام سے صفر ہے۔ چنانچہ گزشتہ فروری میں بیاور پولٹیکل کانفرنس ہوئی۔ اس کی صدارت بھولا بھائی دیسائی نے فرمائی تھی۔ اس میں جو تقریریں ہوئیں اُن کے

متعلق مقامی اخبار "معین" اپنی اشاعت مورخہ ۱۲ر فروری میں لکھتا ہو کہ:-

"سعید رزمی اور پروفیسر اندرا نے خالص اُردو میں تقریریں کیں۔ ان کی تقریروں کا ایک ایک لفظ حاضرین پنڈال نے سُنا اور سمجھا اور اسی کا اثر ہوا۔ دوسرے مقررین نے مزدوروں اور کسانوں کی اکثریت اور مارواڑی حاضرین کی تعداد کثیر کے سامنے سنسکرت کے موٹے موٹے اور ثقیل الفاظ اپنی تقریروں میں کثرت سے شامل کیے اور بلامبالغہ ۹۹ فی صدی حاضرین ان کی تقریریں سمجھنے سے قاصر رہے"۔

اس اخبار کا یہ ایک پورا مقالہ ہو۔ اس سب کو یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ لہٰذا کہیں کہیں سے اقتباس دینا کافی ہو۔ اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھا ہو کہ:-

"ہم کانگرس کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہندستانی زبان اصل میں اُردو ہو جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی اور لکھی جاتی ہو۔ اگر اُسے اس زبان کے مشترکہ ہونے میں اتفاق ہو تو اس کا فرض ہو کہ وہ کانگرسی جلسوں اور تحریروں میں اس "جناتی" زبان کو حکماً روک دے۔ لطف کی بات یہ ہو کہ جب یہ مقررین باہم گفتگو کرتے تھے تو خالص اُردو بولتے تھے لیکن تقریر کے وقت غالباً اپنی قابلیت کا سکّہ غریب مزدوروں اور کسانوں پر جمانے کے لیے ایسی جناتی زبان بولتے تھے کہ خدا کی پناہ!"۔

اسی اخبار نے نمونے کے طور پر اس کانفرنس کا مطبوعہ رزولیوشن نمبر ۲ جو فلسطین کے عربوں کی ہمدردی کے سلسلے میں ہو نقل کیا ہو:-

"برٹش سامراجیہ فلسطین کے عربوں کی راشٹریتا کو کچلنے کے لیے جن آتنک وادی اُپایوں کو کام میں لا رہا ہے اُن کا یہ پریشد درو دھ کرتی ہے اور عربوں کے ساتھ اُن کی آجادی کی لڑائی میں اپنی دِلی ایکتا جاہر کرتی ہے"۔

مقامی خصوصیات اور زبانوں کا باہمی تأثر

یہاں کی زبان میں کوئی ممتاز خصوصیات نہیں ہیں۔ شہر اجمیر میں عام طور پر وہی اردو بولی جاتی ہے جو آگرہ و دلی وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔ البتہ دیہات کی زبان کی ہیئت اور ترکیب، اسلوبِ بیان اور قرینۂ کلام عوام کی قابلیتوں، مزاجوں، اکتسابی اور موروثی عادات، مذہب و عقائد اور سیاست و تمدن کے حالات کا پیچیدہ اور اُلجھا ہوا مجموعہ ہے۔ کچھ الفاظ عربی کے اور کچھ فارسی کے، کچھ ہمسایہ بولیوں کے گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں اور پھر یہ کچھ آج کا نہیں ہے بلکہ عرصۂ دراز سے ایسا ہوتا چلا آتا ہے۔ گریرسن نے اپنے "لسانی سروے" میں لکھا ہے کہ "راجستان کی مخصوص بولیاں ہیں مثلاً جےپوری، اودےپوری، مارواڑی وغیرہ مگر مارواڑی کا اثر سب پر نمایاں ہے، پھر بھی مارواڑی بولی تکمیل کے درجے پر نہیں پہنچی۔ وہ کہتا ہے کہ:۔ "پرتھی راج راسا" ؁۱۱۹۱ھ کی قدیم بولی کا نمونہ ہے جو راجپوتانہ میں بولی جاتی تھی۔ پرتھی راج نے سلطان معزالدین محمد بن سام سے شکست کھائی اور مارا گیا اور اسی وقت سے دہلی اور اجمیر پر مسلمانوں کا پورا تصرف ہو گیا۔ پرتھی راج راسا کو اسی عہد کی تصنیف بتاتے ہیں۔ اس کتاب کی زبان اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یہاں کی قدیم بولی پر عربی فارسی کا

اثر ہو چکا تھا۔ اس بولی پر مسلمانوں کی تہذیب، مذہب اور حکومت کا جو کچھ اثر ہُوا وہ کوئی اتفاقی چیز نہ تھی۔ بلکہ فلسفۂ لسانی کا یہ عمل دائمی ہو۔

نمونے کے طور پر چند الفاظ دیے جاتے ہیں۔ پہلے وہ الفاظ ہیں جن کو عام طور پر بولا جاتا ہو اور اُن کے سامنے وہ الفاظ ہیں جو اجمیر کے دیہات میں بولے جاتے ہیں:۔

درخت	پیڑ	مولسری	مورسلی
انگیٹھی	سگڑی	باؤلی	باوڑی
پتھر	بھاٹا	بیرا	بیڑا بمعنی کنواں
پیاز	کاندا	رمنہ	رملہ بمعنی صحرا

آج کل بھی دیہات کی بولیوں پر دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے معتدبہ اثرات ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اجمیر کی بولی یعنی خالص اُردو کے اثرات بہت زیادہ ہیں اور اس کے یہ اثرات قدرتی اسباب کا نتیجہ ہیں۔ اب کچھ دن اِدھر سے ہندی کی مصنوعی طاقتوں نے اس کی رفتار کو سست کر دیا ہو۔

تصنیف و تالیف

یوں تو اجمیر میں تقریباً دو سو برس سے تصنیف اور تالیف کا سلسلہ جاری ہو مگر پہلے تصانیف زیادہ فارسی زبان میں ہُوا کرتی تھیں۔ زبانِ اُردو کی کتابوں کا سلسلہ سنہ ۱۸۶۰ء تک پہنچتا ہو۔ اگر زیادہ تحقیق کی جائے تو یہ سلسلہ اور بھی بڑھ سکتا ہو۔ اجمیر میں شعر و سخن کا بھی کافی چرچا رہا ہو اور آج بھی شعر و شاعری کا اچھا مذاق ہو۔ بعض مشہور شعرا کے نام دیے جاتے ہیں:۔

دیوان امام الدین علی خاں اثرؔ مرحوم ، نواب عبداللہ خاں طلبؔ مرحوم، میر کرامت علی خلشؔ مرحوم ، منشی جوالا ناتھ سعدؔ متوفی ، پنڈت مکٹ بہاری لال تاجؔ متوفی ، مولانا عبدالصمد صاحب کلیمؔ ، منشی مراد علی ہشیارؔ ، مولوی عبداللہ صاحب فاروقی خنجرؔ ، رائے بہادر منشی چھٹن لال صاحب عیشؔ ، منشی محمد بخش صاحب ضبطؔ اور مولانا عبدالمعبود صاحب معینؔ قدیم شعرا میں گزرے ہیں اور جدید شعرا میں مولانا عبدالباری صاحب معنیؔ ، میر محمد علی صاحب احدیؔ ، مسٹر غلام علی خاں مائیؔ ، ڈاکٹر محمود خاں آثمؔ ، حضرت عرشی اجمیری پروفیسر حمید اللہ خاں عرشیؔ اور بیخودؔ صاحب قابل ذکر ہیں۔

بعض اچھی اور قدیم کتابوں کے نام، ان کے مصنفین کے نام اور سنہ طباعت ذیل میں دیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں مگر طوالت کے ڈر سے ان کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا ہے۔

(۱) "گلدستۂ تاج" صاحب زادہ سید محمد عبدالبشیر صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ء

(۲) "دُرۃ التاج" مولانا محمد حسین صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء

(۳) "مثنوی صمصام الاسلام" مولانا عبدالصمد صاحب کلیم مطبوعہ سنہ ۱۸۸۷ء

(۴) "المفتاح" مولانا قمرالدین صاحب مطبوعہ سنہ ۱۳۰۷ھ

(۵) "ہنگامۂ اجمیر" مولوی محی الدین صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۲۳ء

(۶) "ترغیب تجارت" نثار الملک میر احدی مطبوعہ سنہ ۱۹۲۴ء

(۷) "ترجمہ رپورٹ جاگیرات" پنڈت مہاراج کشن بہادر سنہ ۱۸۷۲ء

(۸) "سیرت السلف" مولانا قمرالدین صاحب مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء

(۹) "اجمیر کا محرم" مولوی مراد علی صاحب ہشیار مطبوعہ سنہ ۱۸۸۵ء

(۱۰) "یادگار مراد علی" مولوی مراد علی صاحب ہشیار مطبوعہ سنہ ۱۸۹۵ء

(۱۱) "تواریخ اجمیر" پنڈت مہاراج کشن۔

(۱۲) "خواب راجستان" منشی دیبی پرشاد مطبوعہ ۱۸۷۹ء

(۱۳) "گلدستۂ معرفت" مولانا عبدالصمد صاحب کلیم مطبوعہ ۱۳۰۶ھ

(۱۴) "کتاب الطہارۃ" مولانا قمرالدین مطبوعہ ۱۳۱۱ھ

(۱۵) "کتاب الصلوٰۃ" مولانا قمرالدین مطبوعہ ۱۳۱۲ھ

(۱۶) "آداب" مولانا قمرالدین صاحب مطبوعہ ۱۳۱۰ھ

(۱۷) "روداد انجمن راجپوتانہ" مطبوعہ ۱۸۷۵ء

(۱۸) "انوار مدینہ اور دیدار خواجہ" نثارالملک میر احدی ۱۹۲۰ء

(۱۹) "الفت خواجہ" میر احدی صاحب اور غلام نبی صاحب ۱۹۲۵ء

(۲۰) "خواجہ معین الدینؒ" میر احدی صاحب ۱۹۲۷ء

(۲۱) "حشر کاشمیری" مسٹر غلام علی خاں مانی بی۔اے، ایل ایل۔بی ۱۹۳۵ء

(۲۲) "عرب کا چاند" فدا الملک عرشی اجمیری

(۲۳) "مفتاح الاردو" مولانا قمرالدین صاحب

(۲۴) "چمنستانِ گفتار" مولوی عبداللہ صاحب خنجر ۱۳۰۶ھ

(۲۵) "احسن السیر" منشی محمد اکبر جہاں

(۲۶) "لسان مطالعۂ لسان" مولانا حمیداللہ خاں صاحب مطبوعہ ۱۹۲۸ء

(۲۷) "اتمام حجۃ السلام" حکیم محمد حسین صاحب امروہوی ۱۳۰۶ھ

(۲۸) "انیس الاشباح" مولوی ابو سراج صاحب ۱۸۹۲ء

(۲۹) "تعلیم فارسی" مولوی سدید الدین صاحب قریشی۔

(۳۰) "تشریح الجمع والمادہ" مولوی سدید الدین صاحب قریشی

(۳۱) "خزانۂ لغت" مولوی سدید الدین صاحب قریشی۔

(۳۲) "کراچی کا تاریخی مقدمہ" مرزا عبدالقادر بیگ صاحب بی اے، ایل ایل۔ بی سنہ ۱۹۲۱ء

(۳۳) "فخر البرہانیہ" ڈاکٹر سید دراز علی آزاد مطبوعہ سنہ ۱۹۱۳ء

(۳۴) "خواجہ معین چشتی رح" صاحبزادہ سید محمد عالم فخری مطبوعہ سنہ ۱۹۳۷ء

(۳۵) "ریگولیشن اراضی و مالگذاری اجمیر" پنڈت جیالال صاحب سنہ ۱۸۷۸ء

(۳۶) "مخزن القوانین" چھٹن لال صاحب عیش مطبوعہ سنہ ۱۸۷۶ء

(۳۷) "تخفیف اخراجات شادی" پنڈت بھاگرام صاحب مطبوعہ سنہ ۱۸۷۴ء

(۳۸) "تاریخ السلف" مولانا عبدالباری صاحب معنی مطبوعہ سنہ ۱۳۴۲ھ

(۳۹) "مرثیہ امام منبر مولانا عبدالباری صاحب" مولانا عبدالباری صاحب معنی سنہ ۱۳۴۵ھ

(۴۰) "سلطان الہند رح" منشی امین الدین خاں مقتول۔

(۴۱) "الہامات" فداء الملک حضرت عرشی اجمیری سنہ ۱۹۲۹ء

(۴۲) "دربارِ رسالت میں شاعری کی قدر افزائی" مولانا عبدالباری صاحب معنی سنہ ۱۳۵۲ھ

(۴۳) "قانون عدالت ہائے اجمیر میرا" منشی جیالال صاحب سنہ ۱۸۷۷ء

(۴۴) "دیوان عیش" منشی چھٹن لال صاحب عیش

(۴۵) "مسلم کش گاندھی" پنڈت ارجن لال سیٹھی، مطبوعہ سنہ ۱۹۳۲ء

(۴۶) "چار بند معینی" مولانا خواجہ عبدالمعبود صاحب معینی سنہ ۱۹۰۲ء

(۴۷) "خانۂ حیرت" سید عنایت علی صاحب رضوی۔

(۴۸) "حیاتِ طیبہ" مولانا معین الدین صاحب۔

(۴۹) "کاشف الاسرار" مولانا شاہ اسرار عالم صاحب، مطبوعہ سنہ ۱۹۱۱ء

(۵۰) "ارکان خمسہ اسلام" حافظ احمد حسن صاحب مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء

(۵۱) "قواعد اُردو" مولانا حمید اللہ خاں صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۳۴ء

(۵۲) "کلام الملوک" مولانا حمید اللہ خاں صاحب مطبوعہ سنہ ۱۹۳۱ء

جن اصحاب نے اُردو کی ترقی میں خاص کوشش کی ہے، ان کے نام ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں !۔

(۱) مرزا عبدالقادر بیگ صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی

(۲) مولانا خواجہ عبدالباری صاحب معنیؔ

(۳) مولانا حمیداللہ خاں صاحب عرشیؔ یوسف زئی

(۴) مسٹر وزیر علی نیازیؔ سابق اڈیٹر رسالہ "کیف"

(۵) فدار الملک حضرت عرشیؔ اجمیری

(۶) میر محمد علی صاحب احدیؔ اجمیری

(۷) حضرت رفیعیؔ اجمیری
